اصلاحی بیانات
جلد: ۱۰
حضرت مولانا مفتی عبد الرؤف صاحب سکھروی مدظلہم العالی
میمن اسلامک پبلشرز

اصلاحی بیانات

جلد دہم

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی دامت برکاتہم

نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ناشر

میمن اسلامک بکس

دکان نمبر ۲۹، نایاب جامع مسجد، لیاقت آباد کراچی ۱۹

خطاب حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہم

ضبط و ترتیب حبیب اللہ میمن، فاضل جامعہ اشرف المدارس کراچی

تاریخ اشاعت ستمبر ۲۰۱۱

مقام جامع مسجد بیت المکرّم، گلشن اقبال، کراچی

باہتمام ولی اللہ میمن 0321-3897760 / 0333-3036718

ملنے کے پتے

- میمن بک سیلرز، دکان نمبر ۲۹، نایاب جامع مسجد، لیاقت آباد کراچی ۱۹
- دارالاشاعت، اردو بازار کراچی
- ادارۃ المعارف، دارالعلوم کراچی ۱۴
- مکتبہ معارف القرآن، دارالعلوم کراچی
- مکتبہ عمر فاروق، نزد جامعہ فاروقیہ، شاہ فیصل کالونی، کراچی
- غلام رسول صاحب، اسلام کتب مارکیٹ بنوری ٹاؤن کراچی
- بیت الکتب نزد اشرف المدارس گلشن اقبال، کراچی
- مکتبہ رحمانیہ اقراء سینٹر اردو بازار لاہور
- مکتبہ سید احمد شہید، ۱۰۔ الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور
- مکتبہ عائشہ، حق اسٹریٹ اردو بازار لاہور
- مکتبہ طیبہ، بنوری ٹاؤن کراچی

پیشِ لفظ

(از حضرت مولانا مفتی عبد الرؤف سکھروی مدظلہم)

الحمد للہ و کفیٰ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

اما بعد!

جمعہ کے روز عصر کی نماز کے بعد جامع مسجد بیت المکرّم گلشن اقبال کراچی میں سیدی واستاذی حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی کا بہت نافع اور مفید وعظ ہوتا تھا، احقر بھی اس میں اکثر حاضر ہوتا اور مستفید ہوتا تھا، اس کے بعد حضرت کا یہ وعظ جامعہ دار العلوم کراچی کی مسجد میں منتقل ہوگیا، اب وہاں اتوار کو بعد نمازِ عصر تا مغرب خواتین وحضرات کے لئے یہ وعظ ہوتا ہے اور جامعہ مسجد بیت المکرّم میں ہر انگریزی مہینہ کی شروع کی دو اتوار کو مولانا محمود اشرف عثمانی صاحب مدظلہم کا اور آخر کی دو اتوار کو احقر کا بیان ہوتا ہے، احقر کے ہونے والے بیان کو بعض احباب ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ محفوظ کر لیتے ہیں اور بعض اس کو کیسٹ کے ذریعہ لکھ کر کتابچہ کی شکل بھی دیدیتے ہیں، چنانچہ وہ ایک جلد کے مساوی جمع ہوگئے تو اب ان کو شائع کیا جارہا ہے۔

ان میں سے اکثر بیانات احقر کی نظرِ ثانی کئے ہوئے ہیں، بعض جگہ احقر

نے کچھ ترمیم بھی کی ہے، اور احادیث کی تخریج کر کے ان کا حوالہ بھی درج کیا ہے، بہرحال یہ کتاب کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے بلکہ تقاریر کا مجموعہ ہے۔

اس سے کسی مسلمان کو فائدہ پہنچنا محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، اور اگر اس میں کوئی بات غیر مفید یا غیر محتاط ہو تو یقیناً وہ احقر کی کوتاہی ہے، متوجہ فرما کر ممنون فرمائیں!

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان بیانات کو احقر کی اور تمام پڑھنے اور سننے والوں کی اصلاح کا ذریعہ بنائیں، ذخیرہ آخرت بنائیں اور مرتب و ناشر کو اس خدمت کا بہتر سے بہتر بدلہ دونوں جہاں میں عطا فرمائیں، آمین۔

(بندہ عبدالرؤف سکھروی)

عرض ناشر

اللہ تعالیٰ کا بڑا کرم اور احسان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جامعہ دار العلوم کراچی کے نائب مفتی اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا مفتی عبد الرؤف صاحب دامت برکاتہم کے اصلاحی بیانات کی دسویں جلد شائع کرنے کی سعادت عطا فرمائی۔

حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم اتوار کے روز عصر کی نماز کے بعد جامع مسجد بیت المکرم گلشن اقبال کراچی میں اصلاح وعظ فرماتے تھے۔ جس وقت حضرت مولانا مدظلہم سفر پر ہوتے تو آپ کی غیر موجودگی میں حضرت مولانا مفتی عبد الرؤف صاحب بیانات فرماتے تھے اور اب مہینے میں دو اتوار بیان فرماتے ہیں۔ الحمد للہ آپ کے بیانات ریکارڈ کرنے کا بھی پورا اہتمام کیا جاتا ہے اور اس وقت تک آپ کے بیانات کی کیسٹوں کی تعداد دو سو سے زائد ہو چکی ہے۔ انہی بیانات میں سے بعض بیانات کو میرے بھتیجے مولانا حبیب اللہ میمن صاحب نے ٹیپ ریکارڈ کی مدد سے قلم بند فرمایا ہے جو کہ کتاب کی صورت میں آپ کے ہاتھوں میں موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ ہماری اس کاوش کو قبول فرمائے اور صدق واخلاص کے ساتھ اس سلسلے کو آگے بڑھانے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے، آمین۔

ولی اللہ میمن

میمن اسلامک بکس

اجمالی فہرست

جلد ۶

عنوان	صفحہ نمبر

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

غلط توہمات اور غلط نظریات

عنوان	صفحہ نمبر

لعنت والے کام

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

اخلاص ہر کام میں ضروری ہے

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی دامت برکاتہم
نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ضبط و ترتیب
حبیب اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
دکان نمبر ۲۹، نایاب جامع مسجد، لیاقت آباد کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
: گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی بیانات : جلد نمبر ۱۰

اخلاص ہر کام میں ضروری ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ۝ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ۝ قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ

بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَدًا ○

(سورۃ السجدہ: ۱۰۷تا۱۱۰)

تمہید

میرے قابلِ احترام بزرگو اور محترم خواتین! مجھے اس وقت ان آیات میں سے آخری آیت کے آخری حصہ کے بارے میں کچھ باتیں عرض کرنی ہیں، اللہ پاک ہم سب کو صحیح سمجھنے اور اپنی اصلاح کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور جس بات سے اس آیت کے آخری حصہ میں بچنے کا حکم ہے، اس سے ہم سب کو بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اس آخری آیت میں حق تعالیٰ شانہٗ فرما رہے ہیں کہ جو شخص اپنے پروردگار سے ملنے کی امید رکھتا ہے تو اس کو چاہئے کہ نیک عمل کرے اور وہ اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے یعنی جو شخص یہ چاہتا ہے کہ مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے اس کی ملاقات ہو اور اللہ پاک اس سے راضی ہوں، تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں جو نیک کام کرنے کے لئے بتائے ہیں، ان کو اختیار کرے اور ان پر عمل کرے، بغیر عمل کے خالی تمنا اور آرزو نجات کے لئے کافی نہیں ہے، نیک عمل کو اختیار کرنا ہی ضروری ہے اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے، اگر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں غیر اللہ کو شریک کریگا تو وہ نیک عمل نہ ہوگا اور جب وہ نیک عمل نہ ہوگا تو اللہ تعالیٰ کی رضا نصیب نہ ہوگی، پس آیت کے آخری حصہ میں اللہ پاک نے شرک سے بچنے کا حکم دیا ہے۔

شرک کی دو اقسام

شرک کی دو قسمیں ہیں: ایک شرکِ اکبر، جس کو شرکِ جلی بھی کہتے ہیں

اور ایک شرکِ اصغر، جس کو شرکِ خفی بھی کہتے ہیں یعنی واضح اور کھلا شرک اور مخفی اور پوشیدہ شرک، دونوں ہی سے بچنے کا حکم ہے اور دونوں ہی حرام، ناجائز اور گناہِ کبیرہ ہیں۔

شرکِ اکبر کی تعریف

شرکِ اکبر اور شرکِ جلی تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں غیر اللہ کو شریک کر کے ان کو بھی خدا کا ساجھی اور ان کو عبادات میں اللہ کا شریک ٹھہرایا جائے جیسے عیسائیوں نے اللہ تعالیٰ کی خدائی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کو بھی شریک کرلیا اور دنیا بھر کے مشرکین نے اپنے بتوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے اندر شریک کرلیا تو یہ شرکِ اکبر اور شرکِ جلی ہے اور ایسے شرک کرنے والے کی بخشش نہیں ہوگی الا یہ کہ وہ توبہ کر کے تجدیدِ ایمان کرے اور توحید کا اقرار کرے، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اعتراف کرے، کلمہ پڑھ کے سچا مسلمان ہو جائے اور شرک سے سچی توبہ کرلے۔

لیکن جب تک وہ شرکِ اکبر میں مبتلا رہیگا اور اللہ تعالیٰ کی طرح غیر اللہ کو بھی عبادت کے لائق سمجھے گا اور جس طرح اللہ تعالیٰ روزی دینے والے ہیں، اللہ تعالیٰ بگڑی بنانے والے ہیں، اللہ تعالیٰ بیماریاں دور کرنے والے ہیں، اللہ پاک شفاء دینے والے ہیں، اللہ پاک اولاد دینے والے ہیں، اللہ پاک دنیا و آخرت میں حاجت روا اور مشکل کشا ہیں، اسی طرح اگر خدانخواستہ کسی اور کو بھی سمجھے گا تو اس وقت تک وہ مشرک رہیگا اور مشرک کی بخشش نہیں ہوگی۔

شرکِ اصغر کی تعریف

شرکِ اصغر اور شرکِ خفی ریاکاری اور دکھاوے کو کہتے ہیں، ریاکاری اسے کہتے ہیں کہ انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اس عبادت کے ذریعہ مخلوق

کے اندر اپنی وقعت چاہے اور مقصد یہ ہو کہ لوگوں میں اس کی عزت بڑھ جائے، اس کی عظمت اور بڑائی پیدا ہو جائے، لوگوں کی نظروں میں وہ محترم و معظم اور اونچا ہو جائے، شیخ اور بزرگ کہلائے، اس مقصد سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے تو یہ ریاکاری ہے اور یہ بھی شرک ہی ہے جس کو شرکِ اصغر اور شرکِ خفی کہتے ہیں کیونکہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ تھوڑی سی ریا بھی شرک ہے۔ اس لئے ہر مسلمان مرد وعورت پر لازم ہے کہ وہ اپنے اعمال کے اندر اخلاص کو اختیار کرے، دکھاوا، ریاکاری اور نام ونمود سے پرہیز کرے، عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاق سب کے اندر ہی ریاکاری سے پرہیز کرے، غرض جو بھی اچھا اور نیک کام کرے، دل میں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا پیشِ نظر رہے، مخلوق کی نظر میں اچھا ہونے کا کوئی قصد وارادہ نہ ہو، کوئی خواہش نہ ہو، کیونکہ عبادت تو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، جب ہمارا اللہ تعالیٰ پر ایمان ہے اور وہی ہمارے خالق و مالک اور معبودِ برحق ہیں تو بس عبادت تو صرف انہی کے لئے ہو سکتی ہے، اس لئے انہی کے واسطے کرنی چاہئے ''اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'' اس آیت میں بھی اسی کی تاکید ہے کہ بلاشبہ میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت رب العالمین کے لئے ہی ہے۔

تقاضۂ ایمان

ایک مؤمن کے ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ اس کا جو کام بھی ہو، اطاعت، عبادت، نیکی اور عملِ صالح وغیرہ، وہ صرف اللہ تعالیٰ کے واسطے ہو، اب اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں، اس کے بتائے ہوئے نیک عمل میں، مخلوقِ خدا کی رضا اور خوشنودی چاہنا اور ان کی نظر میں اپنی بڑائی چاہنا کہ میں عبادت اس لئے کروں کہ لوگ مجھے عبادت گزار کہیں، زاہد، عابد، بزرگ، اللہ والا کہیں، تو یہ عبادت سے مخلوق کی خوشنودی چاہنا ہوا حالانکہ عبادت تو اس لئے تھی کہ اللہ تعالیٰ

کی رضا چاہی جاتی لیکن یہ مخلوق کی خوشنودی اور اس کی رضا چاہنے کے لئے اس کو کر رہا ہے، لہٰذا یہ عمل مخلوق کے لئے ہوگیا اور جو عمل مخلوق کے لئے ہوگا، وہ کیسے اللہ کی رضا کا ذریعہ بنے گا بلکہ وہ تو اللہ کے غضب کا ذریعہ بنے گا، اسی لئے اس سے بچنا ضروری ہے۔

ریاکاری کی تین صورتیں

علماءِ کرام نے ریاکاری کی تین صورتیں بہت ہی پیاری بیان فرمائی ہیں، پہلی صورت یہ ہے کہ ''مخلوق کی خاطر کوئی عبادت کرنا'' یہ بھی ریاکاری ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ ''مخلوق کی وجہ سے کسی نیک عمل کو چھوڑنا'' یہ بھی ریاکاری ہے اور تیسری صورت یہ ہے کہ ''مخلوق کی وجہ سے کسی نیک عمل کو چھپانا'' یہ بھی ریاکاری ہے۔

پہلی صورت کی تشریح

پہلی صورت ''مخلوق کی خاطر کوئی عبادت کرنا'' یہ تو بالکل واضح ریاکاری ہے کیونکہ عبادت اس لئے کرے کہ لوگ اس کو عبادت گزار کہیں، صدقہ خیرات اس لئے کرے کہ لوگ اس کو سخی کہیں، روزے اس لئے زیادہ رکھے کہ لوگ اس کو روزہ دار کہیں، حج وعمرہ اس لئے کرے کہ لوگ اس کو الحاج کہیں، قوم، برادری اور خاندان کے معاملات میں اس لئے دخل دے کہ لوگ اس کو قوم کا ہمدرد کہیں، تو یہ عمل کرنا تو مخلوق کو دکھانے اور اس کی خوشنودی کے لئے ہوا، یہ تو واضح ریاکاری ہے اور ناجائز ہے۔

دوسری صورت کی تشریح

دوسری صورت ''مخلوق کی وجہ سے کسی نیک عمل کو چھوڑ دینا'' یہ بھی ریاکاری ہے مثلاً کوئی شخص مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے آیا اور کسی نے اس کو دیکھ

لیا تو اس نے نماز پڑھنا ہی چھوڑ دی، اس لئے کہ اس نے یہ سوچا کہ یہ لوگ مجھے دیکھ کر یہ سمجھیں گے کہ یہ تو بہت ہی نماز کا پابند ہے، پکا نمازی بن گیا، آج تک تو اس نے مسجد دیکھی نہیں تھی، آج پہلی صف میں بیٹھا ہے، اس بناء پر اس نے نماز ہی پڑھنی چھوڑ دی، اب یہ اس انتظار میں ہے کہ یہ لوگ جائیں تو نماز پڑھوں، یا مثلاً پہلے تو بڑا گڑ گڑا کر دعا کر رہا تھا، شکل بھی رونے جیسی بنا رکھی تھی، ہاتھ بھی اٹھا رکھے تھے، دل بھی جھکا ہوا تھا، اچانک کوئی دوست آ گیا، اس کی خاطر ایک دم سنبھل کر بیٹھ گیا، اس لئے کہ اس نے یہ سوچا کہ یہ مجھے دیکھ کر یہ سمجھے گا کہ یہ تو بہت ہی والہانہ دعا کرتا ہے، اس سے پہلے کبھی اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ اٹھانا نہیں جانتا تھا اور آج یہ اتنا رو رہا ہے، اب دوست کو دیکھ کر اس نے اپنے ہاتھ نیچے کر لئے اور اس نے رونے کی جو شکل بنائی ہوئی تھی اسے بھی ختم کر دیا اور گڑ گڑا کر رونا بھی چھوڑ دیا، دعا ہی چھوڑ دی یا ذکر کر رہا تھا ذکر کرنا چھوڑ دیا، تلاوت کر رہا تھا تلاوت کرنا چھوڑ دیا یا بیان کر رہا تھا بیان کرنا چھوڑ دیا یعنی کوئی نیک کام کر رہا تھا اور کسی نے اس کو دیکھ لیا تو اس کے دیکھنے کی وجہ سے اس نے اس عمل کو ترک کر دیا، یہ بھی ریا کاری ہے۔

تیسری صورت کی تشریح

تیسری صورت ''مخلوق کی وجہ سے کسی نیک عمل کو چھپانا'' یہ بھی ریا کاری ہے مثلاً کوئی شخص نماز پڑھنا چاہتا ہے، یا تسبیح و ذکر کرنا چاہتا ہے، یا کوئی نیک کام کرنا چاہتا ہے، تو پہلے اِدھر اُدھر دیکھتا ہے کہ مجھے کوئی دیکھ تو نہیں رہا، جب اس کو اندازہ ہو جاتا ہے کہ کوئی نہیں دیکھ رہا تو پھر یہ سارے کام کر لیتا ہے اور جہاں پتا چلا کہ فلاں دیکھ رہا ہے یا فلاں میری طرف متوجہ ہے تو بس سیدھا ہو کر بیٹھ جاتا ہے، نہ نماز پڑھتا ہے، نہ ذکر کرتا ہے، کیونکہ لوگ دیکھ رہے ہیں، کہیں یہ مجھے عبادت گزار، زاہد و عابد اور اللہ والا نہ کہیں، یہ بھی ریا کاری ہے۔

تینوں صورتوں میں مشترک بات

تینوں صورتوں میں ایک بات مشترک ہے، وہ یہ کہ وہ اگر عبادت کر رہا ہے تو مخلوق کے لئے، چھوڑ رہا ہے تو مخلوق کی وجہ سے اور چھپا رہا ہے تو وہ بھی مخلوق کی وجہ سے۔ عبادت تو خالق کے لئے ہوتی ہے، مخلوق کا اس سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے، اس نے تینوں کے اندر مخلوق کو سامنے رکھ لیا، اگر کر رہا ہے تو اس لئے کہ لوگوں کی نظروں میں عبادت گزار اور اللہ والا ہو جاؤں، عابد و زاہد ہو جاؤں، خیر خواہ اور ہمدرد بن جاؤں اور اگر چھوڑ رہا ہے تو اس لئے کہ لوگ دیکھ لیں گے تو کیا کہیں گے اور اگر عمل کو چھپا رہا ہے تو بھی مخلوق کی وجہ سے چھپا رہا ہے، یہ تو سب مخلوق کے واسطے ہو گیا اور مخلوق کے واسطے کوئی عمل کرنا ریا کاری ہے۔

ریا کاری سے بچنے کا راستہ

لہٰذا ریا کاری سے بچنے کا راستہ صرف ایک ہی ہے کہ اپنی نظر صرف خالق پر جمالے، جب بھی کوئی عمل کرنا شروع کرے تو دل کے اندر یہ ارادہ کر لے کہ یا اللہ! یہ عمل صرف آپ کی رضا کے لئے کر رہا ہوں، اس کے بعد وہ عمل شروع کر دے، اب وہ عمل اللہ کے لئے ہو گیا، اس کے بعد ایک ہزار مرتبہ بھی مخلوق کا خیال آئے تو پرواہ نہ کرے۔

وسوسۂ ریا، ریا نہیں

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ایسا جملہ ارشاد فرمایا ہے جس کو یاد رکھنا چاہئے، فرمایا کہ وسوسۂ ریا، ریا نہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے عمل شروع کرنے کے بعد اگر دکھاوے کا خیال آئے، وسوسہ آئے تو یہ ریا کاری نہیں، کیونکہ ریا کاری بھی ارادہ سے ہوتی ہے جیسے اخلاص اپنے ارادہ سے ہوتا ہے، اگر ہم نے اپنے عمل کے اندر اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا ارادہ کر لیا تو

اخلاص ہے، مخلوق کو دکھانے کا ارادہ کرلیا تو ریاکاری ہے، پس جب ہم نے اللہ تعالیٰ کے لئے عمل کرنے کا ارادہ کیا ہے تو خود بخود جو وسوسے اور خیالات آئیں کہ فلاں آدمی دیکھ لے گا یا فلاں آدمی کیا سوچے گا تو یہ صرف وسوسے اور خیالات ہیں، ہماری نیت یہ نہیں ہے، جب نیت نہیں تو ریاکاری خود بخود نہیں چپک سکتی جب تک کہ ہم خود نہ چپکائیں، تو ہمیں کیا ضرورت ہے چپکانے کی، لہٰذا ریاکاری بھی اپنے اختیار سے ہوتی ہے، اخلاص بھی اپنے اختیار سے ہوتا ہے۔

عمل اللہ تعالیٰ کے لئے کرنے کی نیت کرلیں

ہمیں چاہئے کہ نماز، ذکر، تلاوت، تسبیح، دعا، حج، زکوۃ، خیرات، کسی کے ساتھ اچھا سلوک اور برتاؤ، غرض جو بھی نیک کام کریں، صرف اللہ کے لئے کریں اور اللہ کے لئے کرنا ہر آدمی کے اختیار میں ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے لئے کرنے کی نیت کرلے اور نیت کرنے کے بعد جتنے بھی خیالات آتے رہیں ان کی پرواہ نہ کرے، ان کو بھگاتا رہے ٹھہرنے نہ دے، ان کی طرف توجہ نہ کرے اور زیادہ ہی کوئی وسوسہ ستائے تو پھر اپنی نیت کی تجدید کرلے، یہ نیت کرلے کہ یا اللہ! میں تو آپ کے لئے ہی کررہا ہوں اور اس وسوسہ اور خیال سے بالکل بری ہوں، بس پھر خیال آنا ہی چھوڑ دیگا، شیطان کہے گا کہ بھائی یہ تو بہت ہی پڑھا لکھا ہے ،تربیت یافتہ ہے، میرے وسوسوں سے اس کا بال بھی نہیں ہل سکتا، انشاء اللہ شیطان وسوسہ ڈالنا ہی چھوڑ دیگا اور اگر شیطان وسوسہ ڈالے بھی تو ڈالتا رہے، ہمیں اس سے کوئی نقصان نہیں، بہرحال عمل کے اندر ریاکاری بہت بڑا گناہ ہے اور اس کا بہت بڑا عذاب اور وبال ہے۔

سب سے پہلے ریاکار جہنم میں جائیں گے

ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب

سے پہلے جو لوگ حساب و کتاب کے لئے پیش ہونگے وہ تین (ریاکار) آدمی ہونگے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو حسابِ آخرت سے محفوظ رکھے اور اپنی رحمت سے اپنے ان بندوں میں شامل فرمادے جو بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے۔

ریاکار شہید

پہلا شخص جس کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا وہ شہید ہوگا، اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نعمتیں یاد دلائیں گے کہ دیکھو دنیا میں ہم نے تم کو یہ یہ نعمتیں دیں، یہ یہ تم پر نوازشیں کیں، یہ یہ تم کو سلامتیاں، راحتیں، برکتیں اور عافیتیں دیں، ان تمام نعمتوں کا وہ اقرار و اعتراف کریگا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے کہ ہم نے اتنی نعمتیں تم کو دیں، تم نے ہمارے واسطے کیا کیا؟ وہ کہے گا کہ پروردگار! میں نے اپنا مال و جان آپ کے راستہ میں لٹایا یہاں تک کہ اپنی جان بھی آپ کے راستہ میں قربان کردی، بس میں آپ کی بارگاہ میں پیش کرنے کے لئے اپنی جان کی قربانی لایا ہوں۔

اللہ پاک فرمائیں گے کہ تم نے جھوٹ بولا، یہ جان کی قربانی ہمارے واسطے نہیں دی تھی بلکہ یہ جان کی قربانی تم نے اس لئے دی تھی تاکہ لوگ تم کو مجاہدِ اعظم کہیں، بہادر اور دلیر کہیں، تمہاری تعریف کریں کہ یہ جان ہتھیلی پر رکھ کر لڑا اور مقامِ شہادت حاصل کرلیا "فقد قیل" پس دنیا میں تم کو یہ کہدیا گیا، لوگوں نے کہدیا کہ اس نے تو بڑی سرفروشی کے ساتھ جان دے دی، اللہ کے راستہ میں جہاد کرتے ہوئے یہ شہید ہوگیا، اس کے جسم کا ایک ایک ٹکڑا پارہ پارہ ہوگیا، یہ بڑا ہی بہادر اور جانباز تھا، اتنا لڑا کہ جامِ شہادت نوش کرلیا، دنیا میں اپنی تعریف کے جملے چاہنے کے لئے تم نے یہ سب کچھ کیا تھا دنیا میں تم کو کہدیا گیا، یہ سب کچھ کوشش، محنت اور جان کی قربانی ہمارے لئے تھوڑی کی تھی، اس کے بعد حکم ہوگا کہ اس کو اوندھا کرکے جہنم کے اندر پھینک دیا جائے، پس یہ پہلا شخص ہوگا جس کو

جہنم کے اندر ڈالا جائیگا۔ العیاذ باللہ۔

ریاکار سخی

پھر دوسرا شخص جس کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا جائیگا وہ سخی ہوگا، اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نعمتیں یاد دلائیں گے کہ دیکھو دنیا میں ہم نے تم کو یہ یہ نعمتیں دیں، یہ یہ تم پر نوازشیں کیں، روپیہ، پیسہ، مال و دولت دیا، ان تمام نعمتوں کا وہ اقرار و اعتراف کریگا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے کہ ہم نے اتنی نعمتیں تم کو دیں، تم نے ہمارے واسطے کیا کیا؟ وہ کہے گا اے پروردگارِ عالم! جو مال آپ نے دیا تھا، میں نے آپ کا کوئی راستہ ایسا نہیں چھوڑا جہاں اس مال کو خرچ نہ کیا ہو، جہاں مسجد و مدرسہ بنانے کی ضرورت تھی وہاں مسجد و مدرسہ بنوادیا، جہاں ہسپتال و پل بنانے کی ضرورت تھی وہاں میں نے ہسپتال و پل بنوادیا، جہاں کنواں کھدوانے کی ضرورت تھی وہاں کنواں کھدوادیا، جہاں کتابیں چھاپنے اور تقسیم کرنے کی ضرورت تھی وہاں کتابیں تقسیم کیں، جہاں یتیموں، بیواؤں کو ضرورت تھی وہاں ان کی مدد کی، جہاں بچیوں کی شادیوں کے لئے ضرورت تھی وہاں ان کی مدد کی، غرض جہاں بھی مال خرچ کرنے کا موقع آیا تو بے دریغ میں نے آپ کا دیا ہوا مال آپ کی راہ میں خرچ کیا۔

اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تو نے جھوٹ بولا، یہ سب تو نے ہماری خاطر نہیں کیا بلکہ اس لئے کیا تھا تاکہ تجھ کو سخی کہا جائے، حاتم طائی کہا جائے، لوگوں میں فراخ دل مشہور ہو، لوگوں کا ہمدرد کہلائے "فقد قیل" پس دنیا میں تم کو یہ کہدیا گیا، دنیا میں اپنی تعریف کے جملے چاہنے کے لئے تم نے یہ سب کچھ کیا تھا، جو دنیا میں تم کو کہدیا گیا، یہ سب کچھ کوشش، محنت اور مال کی قربانی ہمارے لئے تھوڑی کی تھی، اس کے بعد حکم ہوگا کہ اس کو بھی اوندھا کر کے جہنم کے اندر پھینک دیا جائے۔ العیاذ باللہ۔

ریاکار عالم

پھر تیسرا شخص جس کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا جائیگا وہ عالم ہوگا، اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نعمتیں یاد دلائیں گے کہ دیکھو دنیا میں ہم نے تم کو یہ یہ نعمتیں دیں، یہ یہ تم پر نوازشیں کیں، تم کو علم دیا، علومِ شرعیہ میں ایک خاص مقام دیا، ان تمام نعمتوں کا وہ اقرار واعتراف کریگا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے کہ ہم نے اتنی نعمتیں تم کو دیں، تم نے ہمارے واسطے کیا کیا؟ وہ کہے گا اے پروردگارِ عالم! جو علم آپ نے دیا تھا اس کو حاصل کرنے کے لئے میں نے آدھی زندگی صرف کی اور بقایا آدھی زندگی اس علم کو پڑھانے اور پھیلانے میں صرف کردی اور دن رات میں آپ کے دیئے ہوئے علم کی نشر واشاعت میں مشغول رہا یہاں تک کہ میں دنیا سے رخصت ہوگیا، بس یہی خدمت آپ کی بارگاہ میں پیش کرنے کے لئے لیکر آیا ہوں۔

اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تو نے جھوٹ بولا، یہ سب تو نے ہماری خاطر نہیں کیا تھا بلکہ اس لئے کیا تھا تاکہ تجھ کو بڑا عالم کہا جائے، علامہ، حافظ وقاری کہا جائے'' فقد قیل '' پس دنیا میں تم کو یہ کہدیا گیا، دنیا میں اپنی تعریف کے جملے چاہنے کے لئے تم نے یہ سب کچھ کیا تھا، دنیا میں تم کو کہدیا گیا، یہ سب کچھ کوشش اور محنت ہمارے لئے تھوڑی کی تھی، اس کے بعد حکم ہوگا کہ اس کو بھی اوندھا کرکے جہنم کے اندر پھینک دیا جائے۔ العیاذ باللہ۔

اس طرح سے سب سے پہلے ان تین کو یعنی شہید، سخی اور عالم کو جہنم میں ڈالا جائیگا، اس لئے کہ انہوں نے زندگی میں جو کچھ کیا تھا، مخلوقِ خدا کے اندر اپنی وقعت چاہنے کے لئے کیا تھا، اللہ کی رضا کے لئے نہیں کیا تھا، پھر اس کا انجام یہ ہوا کہ ان کو جہنم میں ڈالدیا گیا۔

مقصدِ حدیث

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث اس لئے بیان کی تاکہ ہم بھی اپنے اعمال کے اندر اپنی نیتیں درست کرلیں کہ جو عمل ہو وہ صرف اللہ تعالیٰ کے واسطے ہو، جو عبادت واطاعت ہو وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو، مخلوق کے اندر اپنی عزت، اپنا مقام و مرتبہ بنانے کے لئے ہرگز ہرگز نہ ہو ورنہ وہ دکھاوا اور ریا کاری ہوگی جس کا آخر انجام جہنم ہے۔

ریا کار ''جُبُّ الحزن'' میں جائیں گے

ایک اور حدیث شریف ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک دفعہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ''جُبُّ الحزن'' سے پناہ مانگو، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ''جُبُّ الحزن'' کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جُبُّ الحزن'' جہنم کے اندر ایک وادی ہے جس سے خود جہنم روزانہ چار سو مرتبہ پناہ مانگتی ہے کہ یا اللہ! اس سے بچا کے رکھنا، ذرا غور کریں کہ جہنم خود کیسی عذاب کی جگہ ہے لیکن ''جُبُّ الحزن'' کے اندر عذاب اتنا سخت ہے کہ خود جہنم بھی اس سے ایک مرتبہ نہیں، دس مرتبہ نہیں، سو مرتبہ نہیں، چار سو مرتبہ اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتی ہے، وہ اتنی ہولناک، خوفناک اور دردناک عذاب والی وادی ہے، تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اس وادی میں کون جائیگا؟ آپ نے فرمایا کہ اس میں وہ قراء جو لوگوں کو دکھانے کے لئے عمل کرتے ہیں، وہ اس میں داخل کئے جائیں گے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قراء کا اطلاق جس طرح قاریوں پر ہوتا تھا اسی طرح عالموں پر بھی ہوتا تھا، دونوں ہی کو قراء کہتے تھے۔ ایک اور روایت کے آخر میں یہ ہے کہ اس ''جُبُّ الحزن'' میں میری امت کے ریا کار داخل کئے

جائیں گے، اللہ بچائے، اب اس میں سارے ریاکار آگئے، چاہے حج وعمرہ میں ریاکاری کرنے والا ہو، صدقہ خیرات میں ریاکاری کرنے والا ہو، موت میت کے موقع پر جتنے کام ہوتے ہیں اس میں ریاکاری کرنے والا ہو، شادی بیاہ کے موقع پر قوم اور برادری کو دکھانے اور اپنی واہ واہ کروانے والا ہو، جہاد، تبلیغ، تعلیم، تلاوت، سخاوت، قوم کی ہمدردی اور خیر خواہی کرنے میں ریاکاری کرنے والا ہو، غرض جس کام میں بھی ریاکاری کرنے والا ہو، سارے ہی آگئے۔

عذابِ جہنم سے متعلق طویل حدیث

ایک تو جہنم خود ہولناک اور خوفناک جگہ ہے جس کا عذاب بہت ہی خوفناک ہے، اس کے عذاب کے بارے میں ایک طویل حدیث ہے، وہ یہ کہ ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایسے وقت آئے کہ عام طور پر اس وقت آیا نہیں کرتے تھے اور اس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام کے چہرے کا رنگ بدلا ہوا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ جبرئیل کیا بات ہے کہ آج تمہارے چہرے کا رنگ اڑا ہوا اور بدلا ہوا ہے، جس طرح پہلے چہرے پر بشاشت اور خوشی کے آثار ہوتے تھے وہ نظر نہیں آرہے، خوف اور دہشت کے آثار محسوس ہورہے ہیں، آخر کیا بات ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ حضور! بات یہ ہے کہ اللہ پاک نے جہنم کی آگ کو گرم کرنے کا حکم دیا اور اس کی آگ کو تیز کرنے کا حکم دیا، چنانچہ ایک ہزار سال تک اس کو تیز کیا گیا یہاں تک کہ وہ سرخ رنگ کی ہوگئی، پھر ایک ہزار سال تک اس کو مزید تیز کیا گیا یہاں تک کہ وہ زرد رنگ کی ہوگئی، پھر ایک ہزار سال تک اس کو مزید تیز کیا گیا یہاں تک کہ وہ جل جل کر سیاہ پڑگئی، یہ سیاہ ہونا اس کے انتہائی گرم ہونے کی علامت ہے، اب اس کے انگارے کبھی بجھتے نہیں ہیں اور کبھی اس کی لپیٹیں کم نہیں ہوتیں اور اب اس جہنم کی گرمی اور آگ کی تیزی کا یہ عالم ہے کہ اگر سوئی کے

ناکے کے برابر جہنم کا سوراخ دنیا میں کھول دیا جائے تو اس کی گرمی سے سارے دنیا والے مرجائیں اور جہنم میں جو فرشتے مقرر ہیں، اگر ان میں سے کوئی ایک فرشتہ نکل کر دنیا میں آجائے تو اس کی گرمی سے بھی سارے دنیا والے مرجائیں بلکہ اگر وہ فرشتہ جہنم سے نکل کر دنیا میں قدم رکھ لے تو اس کی بدشکلی، خوفناکی اور بدبو سے ہی سب لوگ مرجائیں اور پھر مزید کیفیت بیان کرتے ہوئے عرض کیا کہ جہنم کے اندر جہنمیوں کو باندھنے کے لئے جو زنجیریں ہیں، اگر ان زنجیروں میں سے ایک حلقہ نکال کر دنیا میں لایا جائے اور کسی مضبوط سے مضبوط پہاڑ کی چوٹی پر رکھا جائے تو وہ پہاڑ بھی دھنستا دھنستا ساتویں زمین کے نیچے چلا جائیگا، اس ایک حلقہ کے اندر اتنا وزن ہے کہ پہاڑ بھی اس کا وزن برداشت نہیں کرسکتا چہ جائیکہ پوری زنجیر کسی کے باندھ دی جائے۔ العیاذ باللہ۔

عذابِ جہنم سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم برداشت نہ کرسکے

جب انہوں نے یہ کیفیت بتائی تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بس بس مزید کچھ نہ بتاؤ، میں برداشت نہیں کرسکتا، میرا کلیجہ پھٹ جائیگا۔ اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رونے لگے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی رونے لگے تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیل تم کیوں رو رہے ہو؟ تمہارا تو اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑا اونچا مقام ہے، تم تو فرشتہ ہو، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ حضور! میں کیوں نہ روؤں کیونکہ مجھے نہیں معلوم کہ میری تقدیر میں کیا لکھا ہے، جیسے ابلیس کا انجام ہوا کہیں میرا بھی ویسا انجام نہ ہوجائے، ابلیس بھی تو فرشتوں میں رہتا تھا، اصل میں تو وہ جن تھا مگر اپنی عبادت کی وجہ سے فرشتوں میں رہتا تھا اور فرشتوں کا معلّم اور استاد کہلاتا تھا لیکن اس کا کیا انجام ہوا؟ تو مجھے کیا معلوم، کل میرا کیا انجام ہوگا اور کیا لکھا سامنے آئیگا؟ اس لئے مجھے ڈر لگ رہا ہے، خدانخواستہ جہنم میں جانا پڑ گیا تو جہنم تو بڑی ہولناک اور خوفناک جگہ

ہے اور یہ بھی عرض کیا کہ حضور! جیسے ہاروت اور ماروت کے ساتھ معاملہ ہوا، حالانکہ وہ تو فرشتے تھے، کہیں میرے ساتھ بھی ایسا معاملہ نہ ہو جائے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام یہ کہہ رہے تھے کہ اتنے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی اور حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ اے جبرئیل اور اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ دونوں مطمئن رہو، ہم نے آپ دونوں کو اپنی نافرمانی سے محفوظ کر رکھا ہے۔

اس کے بعد جبرئیل علیہ السلام تشریف لے گئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو آپؐ نے دیکھا کہ کچھ انصاری صحابۂ کرام ہنسنے کھیلنے میں مشغول تھے، آپ ان کے پاس تشریف لے گئے اور آپ نے فرمایا کہ تم ہنسنے کھیلنے میں مشغول ہو اور تمہارے پیچھے جہنم کا یہ حال ہے، اگر تم کو وہ باتیں معلوم ہو جائیں جو جہنم کے بارے میں مجھ کو معلوم ہیں تو پھر تم کو کھانا پینا اچھا نہ لگے اور تم گھروں کو چھوڑ کر جنگلوں میں نکل جاؤ اور اللہ تعالیٰ کی پناہ ڈھونڈھنے لگو، آپ کے اس ارشاد سے ان پر بہت زیادہ اثر ہوا، چونکہ اللہ تعالیٰ بڑے ہی مہربان ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ ہمارے بندوں کو زیادہ نہ ڈرایئے، ہم نے آپ کو خوشخبریاں سنانے والا بنا کر بھیجا ہے، دشواریوں میں مبتلا کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا، بس اتنا کہو کہ نیک کاموں کے قریب رہو اور نیک کاموں میں لگے رہو اور جہاں تک ہو سکے قریب قریب چلتے رہو، اس سے بھی تمہاری انشاء اللہ کشتی پار ہو جائیگی۔

ریاکاری سے توبہ کرلیں

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کوئی مایوس نہ ہو، کام تو ان کی رحمت سے ہی ہوگا اور جو کچھ ہو رہا ہے یہ بھی ان کی رحمت سے ہو رہا ہے، اس لئے بس ڈرتا رہے اور ڈرنے کا مطلب یہ ہے کہ جہنم کا عذاب سننے کے بعد اگر ریاکار ہے تو ریاکاری سے توبہ کرلے اور اگر دوسرے گناہ ہو رہے ہیں تو ان سے بھی توبہ کر کے آئندہ

ان سے بچنے کا اہتمام کرلے، کیونکہ گناہ جہنم میں لیجانے والے ہیں جیسے نیکی جنت میں لے جانے والی ہے، تو ریاکاری بھی جہنم کی طرف لے جانے والی ہے جس کا عذاب کتنا ہولناک اور خوفناک ہے تو ریاکاری سے توبہ کرلیں اور اخلاص کو اختیار کرلیں، جتنے مخلصین ہیں سارے جنت میں جائیں گے اور جو ریاکار ہیں وہ جہنم میں جائیں گے، تو کیا ضرورت ہے ریاکاری کرنے کی، بس یہ اس حدیث کا حاصل ہے۔

عذابِ جہنم سے متعلق دوسری حدیث

ایک حدیث اور بھی جہنم کے بارے میں مجھے یاد آرہی ہے، وہ بھی سنادوں کہ جہنم کے اندر ستر ہزار وادیاں ہیں، ہر وادی کے اندر ستر ہزار حصے اور کونے ہیں، ہر کونے میں ستر ہزار مکان ہیں، ہر مکان میں ستر ہزار کمرے ہیں، ہر کمرے میں ستر ہزار کنویں ہیں، ہر کنویں میں ستر ہزار اژدھے ہیں، ہر اژدھے کے منہ اور جوارح میں ستر ہزار بچھو ہیں، جو کوئی بھی جہنم میں ڈالا جائیگا تو اس جہنمی پر یہ سارے اژدھے مع بچھوؤں کے پل پڑیں گے اللہ بچائے، اس پر حملہ کریں گے اور اس کو ڈسیں گے تو کیا حال ہوگا؟

جنت اور جہنم مت بھولو

اسی لئے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو عظیم باتوں کو کبھی بھلانا نہیں، ایک جنت کو اور دوسری جہنم کو کہ جنت بہت ہی عظیم نعمت والی جگہ ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے اور جہنم بہت ہی ہولناک اور خوفناک جگہ ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے، اسی لئے آپ نے فرمایا کہ اگر تم کو وہ باتیں معلوم ہوجائیں جو جہنم کے بارے میں مجھ کو معلوم ہیں تو تم ہنسو کم اور روؤ زیادہ، لہٰذا جہنم کو ہمیشہ یاد رکھو۔ یاد رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے قبضۂ اختیار

سے ان نیک کاموں کو اختیار کرو جو جنت میں لے جانے والے ہیں اور اخلاص سے کرو نیز ان کاموں سے بچو جو جہنم میں لے جانے والے ہیں اور ساتھ ساتھ دعا بھی کرو کہ یا اللہ! ہمیں جنت الفردوس عطا فرما اور جہنم سے ہماری حفاظت فرما ، نیز دعا کے ساتھ ساتھ ہمت اور کوشش بھی کرو۔

تمام اعمالِ صالحہ میں ریاکاری سے بچو

لہٰذا تمام اعمالِ صالحہ میں بھی ، اللہ تعالیٰ کی عبادت میں بھی اور اس کی اطاعت میں بھی ریاکاری سے بچو، پس نماز ، ذکر اور تلاوت سے پہلے اللہ پاک کو راضی کرنے کی نیت کریں اور اسی طرح جس کے ساتھ جو اچھا سلوک کرنا ہے اس سے پہلے بھی اللہ پاک کو راضی کرنے کی نیت کریں، چاہے وہ شادی کا موقع ہو یا غمی کا ، میں شادی غمی کے الفاظ اس لئے بول رہا ہوں کہ ان دو مواقع پر لوگوں کو دکھانے کے لئے بہت زیادہ کام ہوتا ہے، بعض مرتبہ جہیز اس لئے زیادہ دیا جاتا ہے تاکہ لوگوں کی نظروں میں ہماری بڑائی پیدا ہو کہ بھائی اس نے تو ایسا جہیز دیا ہے کہ آج تک کسی نے نہیں دیا، شادی بیاہ کے موقع پر عام طور سے اکثر کام عزت وشہرت کے لئے ، ناموری کے لئے ، دکھاوے کے لئے ہوتے ہیں الا ماشاء اللہ، ایسے ہی موت میت کے موقع پر جتنے کام ہوتے ہیں تیجہ، چالیسواں ، برسی ، اجتماعی قرآن خوانی ، یہ سب دکھانے کے لئے ہوتے ہیں الا ماشاء اللہ، تو ہمارے بہت سارے کام برادری میں، خاندان میں، معاشرے میں، دکھانے کے لئے ، لوگوں کے طعنوں سے بچنے کے لئے ، لوگوں کی ملامت سے بچنے کے لئے کیے جاتے ہیں کہ اگر نہیں کریں گے تو لوگ کیا کہیں گے، اگر یہ کام نہیں کریں گے تو برادری والے ہمیں جینے نہیں دیں گے ، فلاں کیا کہے گا اور فلاں کیا کہے گا، خاص طور پر عورتوں میں یہ چکر زیادہ ہوتے ہیں اور مردوں میں بھی ہوتے ہیں، تو بہت سارے کام اگر ہم غور کریں گے تو محسوس ہوگا کہ وہ سب کام لوگوں کی نظروں میں

اپنی وقعت پیدا کرنے کے لئے اور اپنی عزت اور بڑائی کے لئے کئے جاتے ہیں۔ یہ سب ریاکاری، دکھاوا اور نام ونمود ہے، ان سب سے بچنے کی ضرورت ہے۔

عمل کرتے ہوئے دوسرا دیکھ لے تو اس پر خوش ہونا کیسا ہے؟

اسی طرح بعض مرتبہ آدمی کسی نیک عمل میں مشغول ہوتا ہے اور اس وقت کوئی شخص دیکھ لیتا ہے تو اس کا دل بھی خوش ہو جاتا ہے، تو کیا یہ بھی ریاکاری ہے؟ اللہ تعالیٰ ہمارے اکابرین کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے اس کا بھی جواب لکھا ہے کہ جب کوئی شخص نیک کام کرے اور کسی کے دیکھنے پر اس کا دل خوش ہو تو اس کی تین صورتیں ہیں۔

پہلی صورت

ایک صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے نماز پڑھی، صدقہ دیا، جہاد کیا، تبلیغ کی، وعظ کہا، کتاب لکھی، کسی کے کام آئے اور کسی نے دیکھ لیا تو اس پر اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور خوش ہوا کہ دوسرے شخص نے اچھی حالت میں مجھ کو دیکھا، نماز، ذکر، تلاوت، وعظ یا کسی اور نیک کام کرتے ہوئے دیکھا، کسی گناہ کے اندر نہیں دیکھا، اگر گناہ میں دیکھتا تو میرا بھی دل برا ہوتا اور اس کا بھی دل برا ہوتا، یہ صورت بالکل صحیح ہے اور اس خوش ہونے کا دکھاوے اور ریاکاری سے کوئی تعلق نہیں، یہ ایسے ہی ہے جیسے اچھا کھانا کھا کر آدمی کا دل خوش ہوتا ہے، اچھے کپڑے پہن کر آدمی کا دل خوش ہوتا ہے، جبکہ گندے کپڑے پہن کر دل میلا ہو جاتا ہے، یہ ایک طبعی بات ہے، اچھے کام سے انسان کی طبعیت خوش ہوتی ہے اور برے کام سے انسان کی طبعیت بری ہوتی ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

دوسری صورت

دوسری صورت یہ ہے کہ نیک عمل کرتے ہوئے کسی نے دیکھ لیا تو یہ عمل

کرنے والا اس لئے خوش ہورہا ہے کہ چلو اچھا ہوا، اب یہ دوسرا شخص مجھے دیکھ کر خود بھی ایسے ہی کریگا اور اس کے عمل کا ثواب بھی میرے کھاتے میں آئیگا، یہ صورت بھی صحیح ہے اور اچھی نیت ہے، یہ بھی عبادت ہے، اسی لئے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ شیخ کی ریا مرید کے اخلاص سے بہتر ہے، یہاں ریا لفظی معنی میں ہے، اصطلاحی معنی میں نہیں ہے، کیونکہ پیر صاحب جو نیک عمل کریں گے تو مرید اس کو دیکھ دیکھ کر اسی طرح عمل کریں گے۔

تیسری صورت

تیسری صورت یہ ہے کہ نیک عمل کرتے ہوئے اگر کسی نے دیکھ لیا تو اس لئے خوش ہورہا ہے کہ لوگ مجھے عابد وزاہد سمجھیں، لوگ مجھے سخی اور قوم کا ہمدرد سمجھیں، یہ صورت صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ تو اپنی بڑائی چاہنے والی بات ہوگئی، یہ بری چیز ہے، یہ ریاکاری میں داخل ہے اور اس طرح کرنے سے اس نے اپنے عمل کو بھی برباد کرلیا، یہ خوشی درحقیقت خوشی نہیں ہے، یہ غمی ہے جس پر توبہ کی ضرورت ہے۔

حاصل کلام

بہرحال اس آیت کے آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت میں کسی کو شریک کرنے سے منع فرمایا ہے، اس حکم میں ریاکاری سے بچنا بھی شامل ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے اخلاق میں، اپنے اعمال میں، اپنے کردار میں، غرض تمام کاموں میں اخلاص نصیب فرمائے اور ریاکاری سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

تمام درودوں کے برابر

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

بِعَدَدِ کُلِّ ذِکْرِہٖ اَلْفَ اَلْفِ مَرَّۃٍ

یہ درود شریف پڑھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سارے درود بھیجنے کے برابر ہے۔

(ص ۱۹۰)

ظاہر اور باطن میں تقویٰ اپنائیں

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی دامت برکاتہم
نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ضبط و ترتیب
حبیب اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
دکان نمبر ۲۹، نایاب جامع مسجد، لیاقت آباد کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم

: گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی بیانات : جلد نمبر ۱۰

ظاہر اور باطن میں تقویٰ اپنائیں

پہلی نصیحت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْراً كَثِيْراً

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۝

(سورة الطلاق: ۲،۳)

تمہید

میرے قابلِ احترام بزرگو اور محترم خواتین! اس وقت میں آپ کی خدمت میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کا ایک حصہ انشاء اللہ تعالیٰ بیان کرونگا اور اس حدیث کا میں نے اس لئے انتخاب کیا ہے کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نصیحتیں بیان فرمائی ہیں، ان کو بیان کرنے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اہمیت، ان کی عظمت اور ان کی بڑائی اور ان کا بنیادی ہونا بہت ہی عجیب وغریب انداز سے بیان فرمایا ہے اور بہت ہی اہتمام سے ان کی اہمیت پہلے نقش فرمائی ہے، اس کے بعد ان کو بیان فرمایا ہے، آپ کی اس طرح اہمیت بیان کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ نصیحتیں بہت ہی اہم ہیں، دین کا نچوڑ اور بنیاد ہیں اور جو شخص ان کو اختیار کرلے گا انشاء اللہ تعالیٰ اس کی دنیا اور آخرت میں کامیابی ہوجائیگی۔

پانچ نصیحتوں کی اہمیت

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے ابوذر! میں تم کو کچھ نصیحتیں کرنا چاہتا ہوں، ان کو تم توجہ سے سنو، ان کو یاد رکھو، ان میں غور کرو اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرو۔ پہلے دن آپ نے اتنا ہی ارشاد فرمایا اور پھر خاموش ہوگئے، دوسرے دن بھی آپ نے پھر اسی طرح ارشاد فرمایا کہ اے ابوذر! میں تم کو کچھ نصیحتیں کرنے والا ہوں، ان کو تم توجہ سے سننا، ان کو یاد رکھنا، ان میں غور کرنا اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرنا۔ دوسرے دن بھی آپ نے یہ ارشاد فرمایا اور پھر خاموش ہوگئے، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں منتظر رہا کہ آپ وہ نصیحتیں بیان فرمائیں گے لیکن آپ نے اتنا ہی بیان فرمایا اور خاموش

ہو گئے، تیسرے دن بھی اسی طرح ارشاد فرمایا یہاں تک کہ چھ دن تک روزانہ یہی فرماتے رہے کہ اے ابوذر! میں تم کو کچھ نصیحتیں کرنے والا ہوں، ان کو تم توجہ سے سننا، ان کو یاد رکھنا، ان میں غور کرنا اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرنا، اسی سے آپ اندازہ لگالیں کہ وہ نصیحتیں کتنی اہم ہونگی، کتنا دین کا خلاصہ اور نچوڑ ہونگی اور ان پر عمل کرنے والا کتنا کامیاب وکامران ہوگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال

اس لئے کہ اللہ پاک نے نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کمال عطا فرمایا تھا کہ آپ بڑی سے بڑی بات کو اگر چاہتے تو چند جملوں میں بیان فرمادیتے اور اگر اس کی تشریح فرماتے تو وہ اپنی مثال آپ ہوتی اور جب آپ خلاصہ بیان فرماتے تو وہ خلاصہ بھی ایسا کہ چند جملوں میں بلکہ بعض اوقات ایک ہی جملہ میں بیان فرمادیتے، اللہ پاک نے آپ کو یہ کمال عطا فرمایا تھا، یہاں بھی وہ باتیں ابھی انشاء اللہ تعالیٰ آپ کے سامنے بیان ہونگی اور ان میں سے ہر ایک کا تفصیلاً بیان ہوگا، یہ سب باتیں بھی ایسی ہی ہیں کہ ان کی تفصیل کرو تو پورا دن لگ جائے اور سمیٹو تو چند باتیں ہی ہیں، پھر ان چند باتوں میں سے جو پہلی بات ہے وہ باقی باتوں کا بھی خلاصہ اور لُبِّ لُباب ہے، یاد رکھنے اور عمل کرنے کے لئے چھوٹی بات بھی بہت ہے اور عمل نہ کرنے والے کے لئے تفصیلات بھی بے فائدہ ہیں۔

پانچ نصیحتوں کے انتخاب کی وجہ

اس حدیث میں آپ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو ان نصیحتوں کی اہمیت کی طرف متوجہ کیا اور ان کا ذہن بنایا، ان کے ذہن میں ان کی اہمیت بٹھائی، بار بار ان کو متوجہ کرتے رہے، عمل کرنے کے لئے رغبت دلاتے

رہے، اس وجہ سے مجھے بھی یہ حدیث بہت اہم معلوم ہوئی اور میرا بھی جی چاہا کہ اس حدیث کو بیان کردوں، اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ تمام حضرات کو بھی اس حدیث پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ یوں تو آپ کا ہر ارشاد ہی قابلِ عمل ہے لیکن جن باتوں کو آپ اتنے اہتمام کے ساتھ بیان فرمارہے ہیں کہ چھ دن تک روزانہ صرف یہ فرمارہے ہیں کہ ان کو تم توجہ سے سننا، ان کو یاد رکھنا، ان میں غور کرنا اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرنا، تو یہ بہت ہی اہم نصیحتیں ہیں جب ہی آپ اتنا اہتمام کررہے ہیں، اتنا ان کو ذہن میں بٹھارہے ہیں، اتنا ان کے ذہن کو بنارہے ہیں اور اتنا ان کی طرف توجہ دلارہے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاص الخاص نصیحتیں ہیں۔

نفس وشیطان کے دھوکہ سے بچیئے

ان نصیحتوں کو بیان کرنے سے پہلے میں یہ عرض کردوں کہ جو قرآن و احادیث کے اندر دین کی باتیں ہیں وہ کوئی نئی تو ہیں نہیں، لہٰذا کوئی یہ نہ سمجھے کہ آج کوئی بالکل نئی بات آئیگی جو ہم نے نہ کبھی پڑھی ہوگی اور نہ سنی ہوگی، یہ بات نہیں بلکہ جو باتیں قرآن شریف میں ہیں وہی باتیں احادیثِ طیبہ کے اندر ہیں اور پھر وہی باتیں دینی کتابوں کے اندر ہیں، تو کوئی ان باتوں کو سن کر اور خاص طور پر جو سب سے پہلے بیان کی گئی ہے اور وہ باقی چیزوں میں اور سارے دین میں بھی بنیادی حیثیت رکھتی ہے، اس کو سن کر کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ تو پہلے سے سن رکھی ہے اور ہمیں تو پہلے سے معلوم ہے اور یہ سمجھ کر اس کے ذہن سے خدانخواستہ اس کی اہمیت کم ہوجائے، میں پہلے ہی خبردار کرنا چاہتا ہوں کہ اگر خدانخواستہ یہ بات ہوئی تو یہ ہمارے لئے نفس وشیطان کا دھوکہ ہوگا اور وہ اس بات کی اہمیت سے محروم کرکے اور ہمارے ذہن سے اس کی قدر کم کرکے ہمیں اس پر عمل کرنے سے دور کرنے کی کوشش کریں گے اور سب سے پہلے ذہن میں یہ بات ڈالنے کی

کوشش کریں گے کہ یہ تو ہمیں پہلے سے معلوم ہے اور پہلے بھی ہم نے اس کو بارہا سنا اور پڑھا ہے، حالانکہ ظاہری بات ہے کہ چودہ سو سال سے قرآن شریف پڑھا جارہا ہے، اسی کا ترجمہ وتفسیر کی جارہی ہے تو خدانخواستہ ایک دفعہ ختم کرکے یہ کہدیں کہ ایک دفعہ تو پڑھ لیا اب دوبارہ پڑھنے کی کیا ضرورت ہے، نماز تو ہمیں معلوم ہے، پڑھتے ہی آرہے ہیں تو کیا ضرورت ہے پڑھنے کی، رمضان تو ہر سال ہی آتا ہے اور ہر سال ہی ہم روزے رکھتے ہیں اور بہت روزے رکھ لئے، اب کیا ضرورت ہے۔ جیسے یہ غلط ہے اور شیطان کا دھوکہ ہے، بالکل اسی طرح یہ بات بھی غلط اور شیطان کا دھوکہ ہے کہ آدمی یہ سوچ کر کہ یہ باتیں تو ہمیں پہلے سے معلوم ہیں ان کی اہمیت کو کم کردے، کیونکہ دین کی جب کوئی بات بیان ہوگی تو وہ کوئی نئی نہ ہوگی بلکہ انشاء اللہ تعالیٰ آپ کو پہلے سے ہی معلوم ہوگی، اس وجہ سے اس کی اہمیت میں کمی نہ آئے۔

لہٰذا اس وقت ان نصیحتوں کو سنتے ہوئے ایسی توجہ سے سنیں کہ جیسے زندگی میں پہلی بار سن رہے ہیں اور جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اہمیت کو ذہن میں بٹھایا ہے، ہم بھی اسی طرح اس کی اہمیت کو ذہن میں بٹھائیں، اگرچہ ہمیں پہلے سے معلوم ہو بلکہ یہ سوچنا چاہئے کہ اس پر اس طرح ہمارا عمل نہیں ہے جس طرح ہونا چاہئے، آپ کے ارشاد کی روشنی میں ہمارے دل کے اندر یہ بات آجائے کہ اب تک ہم نے اس پر عمل نہیں کیا تو پہلے سے معلوم ہونے کا فائدہ کیا ہوا، اب اس کے اوپر ہمیں دوبارہ سے توجہ دینی چاہئے اور اس پر عمل کرنے کی پہلے سے زیادہ فکر کرنی چاہئے اور اس کے جو تقاضے ہیں وہ پورے کرنے چاہئیں اور سوچنا چاہئے کہ آج ہمیں ان باتوں کے دوبارہ سننے اور سمجھنے کا موقع مل گیا، غور کرنے کا موقع ہاتھ آگیا، اب ہمیں پھر غور کرنا چاہئے اور غور کرکے اپنی اصلاح کرنی چاہئے، یہ راستہ صحیح ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔

پانچ نصیحتیں

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ چھ دن گزرنے کے بعد ساتویں دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نصیحتیں مجھ سے ارشاد فرمائیں، پہلی نصیحت یہ ارشاد فرمائی کہ تم اپنے ظاہر اور باطن میں تقویٰ کا اہتمام کرو، دوسری نصیحت یہ ارشاد فرمائی کہ جب تم سے کوئی بدی ہو جائے، گناہ اور غلطی ہو جائے تو اس کے فوراً بعد نیکی کرلو، وہ نیکی اس گناہ کو مٹادیگی، تیسری نصیحت یہ ارشاد فرمائی ہے کہ تم مخلوق میں سے کسی سے کوئی چیز مت مانگو، کسی کے سامنے اپنی حاجت پیش نہ کرو، اپنی ضرورت کسی انسان سے مت طلب کرو یہاں تک کہ تمہارا کوڑا بھی زمین پر گر جائے تو خود اٹھالو، کسی سے اٹھانے کے لئے نہ کہو، چوتھی نصیحت آپ نے یہ ارشاد فرمائی کہ تم کسی کی امانت اپنے پاس مت رکھو اور پانچویں نصیحت یہ ارشاد فرمائی کہ تم دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ کرنے والا مت بنو۔

پہلی نصیحت ''تقویٰ کا اہتمام کریں''

اب پہلی نصیحت میں تقویٰ کے اہتمام کا حکم کیا گیا ہے جس کی اہمیت سے قرآن و حدیث بھرے ہوئے ہیں اور یہ سمجھیں کہ سارے قرآن و حدیث کا خلاصہ اور لُبّ لُباب ''تقویٰ'' ہے جیسے ساری دعاؤں کی سردار عافیت کی دعا ہے، اسی طرح سارے احکام کا خلاصہ تقویٰ ہے، اس کی تفسیر پورا قرآن شریف ہے، اس کی تشریح تمام احادیثِ طیبہ ہیں، جبکہ ہمارے اندر سب سے زیادہ کمی اسی کی ہے، جس درجہ کا ہمارے اندر تقویٰ ہونا چاہئے وہ نہیں ہے، کسی کے ظاہر میں ہے تو باطن میں نہیں ہے، کسی کے باطن میں ہے تو ظاہر میں نہیں ہے، کسی کے نہ ظاہر میں ہے نہ باطن میں، کوئی اللہ کا بندہ ہوگا جس کے ظاہر و باطن دونوں میں واقعۃً تقویٰ

ہو، حالانکہ تقویٰ اختیار کرنا فرض ہے اور اس میں غفلت اور کوتاہی کرنا ممنوع ہے، اس کی بڑی زبردست تاکید آئی ہے، اسے اختیار کرنے کی بڑی اہمیت اور ترغیب ہے جیسے اسی حدیث سے آپ نے اندازہ لگالیا۔

ظاہر اور باطن دونوں میں تقویٰ ضروری ہے

انسان کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے، ظاہر تو وہی ہے جو سر سے پیر تک ہم ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں یہ ہمارا ظاہر ہے جبکہ باطن دل کی دنیا کو کہتے ہیں اور اس کے اندر بھی اللہ پاک نے کچھ جذبات رکھے ہیں، خواہشات کا ایک سمندر ہے جو ہمارے باطن کے اندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے، اس میں اچھی خواہشات و جذبات بھی پیدا ہوتے ہیں اور بری خواہشات و جذبات بھی پیدا ہوتے ہیں اور یہ ہمارا ظاہر عام طور پر باطن کے جذبات کا تابع ہوتا ہے، اگر دل میں اچھا جذبہ پیدا ہوتا ہے تو ظاہر سے بھی اچھے کام صادر ہوتے ہیں اور اگر دل میں کوئی برا جذبہ پیدا ہوتا ہے تو ظاہر سے بھی برے کام صادر ہونا شروع ہو جاتے ہیں، یہ چوری کرنے کا جذبہ، ڈاکہ ڈالنے کا جذبہ باطن میں ہی تو پیدا ہوتا ہے پھر اس کا ظاہر اس پر عمل کرتے ہوئے چپکے سے مال کو اٹھالیتا ہے یا زبردستی اس کو چھینتا ہے، تو پہلے اس کے دل میں چوری کرنے اور ڈاکہ ڈالنے کا جذبہ پیدا ہوا، اس کے بعد اس کا ظاہر حرکت میں آیا اور اس نے اپنے ظاہری ہاتھ، پاؤں کو اپنے جذبہ کی تکمیل کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا اور یہ سب اس کا ساتھ دیتے ہیں، جتنے گناہ ہیں سب میں پہلے دل میں جذبہ پیدا ہوتا ہے، پھر ظاہر میں اس کے ہاتھ پاؤں وہ گناہ کرتے ہیں، اسی طرح اچھا جذبہ پہلے دل میں پیدا ہوتا ہے، مثلاً پہلے دل میں نماز پڑھنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، پھر وہ وقت دیکھتا ہے، معلوم کرتا ہے کہ اذان ہوگئی یا نہیں، مسجد کو تلاش کرتا ہے، اس کے بعد وہ وضو کرتا ہے، مسجد میں داخل ہوتا ہے اور جماعت میں شامل ہو جاتا ہے، تو جب دل میں کوئی جذبہ پیدا

ہوتا ہے تو ظاہر میں اس کے اعضاء و جوارح اس کے تابع ہوکر کام کرنے لگتے ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے جو آدمی دکان پر بیٹھا ہوا تھا، دوستوں میں بیٹھا ہوا تھا، باغ میں گھوم رہا تھا، اب وہ مسجد میں نیت باندھے کھڑا ہے، تو ایک ہماری دل کی دنیا بھی ہے اور اس دل کی دینا میں اچھے جذبات بھی پیدا ہوتے ہیں اور برے جذبات بھی پیدا ہوتے ہیں، اسی طرح ایک ہماری ظاہر کی دنیا بھی ہے اور اس میں انسان اپنے اعضاء و جوارح سے اچھے کام بھی کرتا ہے اور برے کام بھی کرتا ہے، زبان سے اچھے بول بھی بولتا ہے اور برے بول بھی بولتا ہے، اصل یہ ہے کہ ظاہر و باطن دونوں میں تقویٰ ہو یعنی ظاہر سے بھی اچھے اچھے کام کرے اور برے کاموں سے بچے اور باطن میں جو اچھے برے دونوں قسم کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، ان میں سے اچھے جذبات کو اختیار کرے اور برے جذبات کو دبائے اور ان پر عمل کرنے سے پرہیز کرے، بس اس بات کا تہیہ کرلے اور اس چیز کا وہ پکا عادی بن جائے کہ ظاہر میں بھی اس کے ہاتھ، پاؤں، ناک، کان غلط جگہ استعمال نہ ہوں، اچھی جگہ استعمال ہوں، اور باطن میں بھی بس اچھے جذبات دل میں پیدا ہوں تو ان کو بجالائے، جب برے اور گناہ کے جذبات پیدا ہوں تو ان سے اپنے آپ کو بچالے، یہ اس کی عادت ہوجائے، جس میں یہ کیفیت پیدا ہوگئی تو سمجھو اس میں تقویٰ آگیا اور سارے دین کا یہی حاصل ہے۔

دین کے احکام ظاہر و باطن دونوں سے متعلق ہیں

دین میں دو قسم کے احکام ہیں، ایک ظاہر کے متعلق اور ایک باطن کے متعلق، جو ظاہر کے متعلق ہیں اس میں بھی دو قسم کے احکام ہیں، ایک فرائض اور حقوق ہیں جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، والدین کے حقوق وغیرہ ان کو ادا کرنے کا حکم ہے اور دوسرے گناہ اور نافرمانیاں ہیں، ان سے بچنے کا حکم ہے، اسی طرح باطن کے متعلق جو احکام ہیں وہ بھی دو قسم کے ہیں، کچھ باطن کے اندر ایسے کام

ہیں جن کا کرنا فرض ہے، ان کاموں کو بجالانا ضروری اور واجب ہے اور کچھ کام ایسے ہیں جن سے باطن میں بھی بچنا لازمی ہے، تو ظاہر اور باطن دونوں میں تقویٰ ضروری ہے اور ظاہر و باطن کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ تم تقویٰ اختیار کرو تنہائی میں بھی اور محفل میں بھی، ہر جگہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے اپنے کو بچاتے رہو اور جس موقع پر اللہ تعالیٰ کا جو حکم ہو اس کو بجالاؤ۔

خوفِ خدا کی موجودگی میں گناہ نہیں ہوگا

جب دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا ہوتا ہے اور تقوی اسی کا نام ہے تو پھر سارے کام آسانی سے ہو جاتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کا حکم بجالانا اور گناہ سے بچنا، اس کے لئے خوفِ خدا کی ضرورت ہے، بس اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں پیدا ہو جائے تو صرف یہ خوفِ خدا ہی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنے کا ذریعہ ہوگا خواہ وہ تنہائی میں ہو یا لوگوں میں بیٹھا ہو، ہر حال میں یہ خوفِ خدا اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنے کا ذریعہ ہوگا، اللہ تعالیٰ کے احکامات بجالانے اور ان کو ادا کرنے کا ذریعہ بن جائیگا اور اگر خوفِ خدا نہیں ہوگا تو کچھ بھی نہیں ہوگا، آج ہمارے اندر جو بہت بڑی کمی پائی جاتی ہے وہ اسی کی کمی پائی جاتی ہے، خوفِ خدا نہ ہونے کی وجہ سے ظاہر میں بھی نافرمانی ہو رہی ہے اور باطن میں بھی نافرمانی ہو رہی ہے، ظاہر کے فرائض و واجبات کی ادائیگی میں بھی کوتاہی ہو رہی ہے اور باطن کے فرائض و واجبات کی ادائیگی میں بھی غفلت ہو رہی ہے، لوگوں کے سامنے بھی ہم گناہوں میں مبتلا ہیں اور تنہائی کے اندر بھی گناہوں میں مبتلا ہیں، ہماری خلوت بھی گناہوں سے آلودہ ہے اور ہماری جلوت بھی گناہوں سے بھری ہوئی ہے، ہمارا ظاہر بھی گناہوں سے آلودہ ہے اور ہمارا باطن بھی گناہوں سے آلودہ ہے، تو خوفِ خدا دل میں آنا چاہئے اسی کو تقویٰ کہتے ہیں، تقوے کے معنی ڈرنے اور بچنے دونوں کے ہی ہیں، اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور نافرمانی سے بچنا،

دونوں اس کے اندداخل ہیں۔

تمام شریعتوں میں تقویٰ کا حکم دیا گیا ہے

پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی نصیحت جو فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ تم اپنے ظاہر اور باطن میں تقوے کا اہتمام کرو، یہ تقویٰ ایسی اہم چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں یہ فرمایا ہے کہ "وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ (سورۃ النساء ۱۳۱)" یعنی ہم نے تم سے پہلے اہلِ کتاب کو یعنی جن کو توراۃ، زبور اور انجیل دی تھی ان کو ہم نے یہ وصیت کی تھی کہ تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور تقویٰ اختیار کرو اور تم کو بھی بطورِ خاص اس بات کی تاکید کرتے ہیں کہ تم تقویٰ اختیار کرو۔ آپ ذرا اس آیت پر غور کریں تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ تقویٰ صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے جتنی بھی شریعتیں نازل ہوئی ہیں، ان میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تقویٰ کا حکم تھا اور تقویٰ اختیار کرنے کی تاکید تھی، یہ ایسی اہم چیز ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام آسمانی کتابوں اور شریعتوں کے اندر اس کو اختیار کرنے کی تاکید کی گئی ہے اور اس آیت کے علاوہ بھی کئی دیگر آیات میں تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ تو بہت ہی اہم اور بہت ہی جلدی اختیار کرنے کا حکم ہے، جتنی جلدی ہم اختیار کرلیں گے، اتنی جلدی ہم فائدہ میں ہونگے اور جتنا عرصہ ہم اس کو چھوڑ رہے ہیں، اتنا عرصہ ہم نقصان میں ہیں۔

عمل کرنے والے کے لئے یہی آیت کافی ہے

ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے سلسلہ میں فرمایا جو میں نے خطبہ میں تلاوت کی تھی "وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ

مَخْرَجًا ○ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ○ '' کہ اگر کوئی شخص اس آیت کو اختیار کر لے یعنی اس پر عمل کر لے تو یہی آیت اس کے لئے کافی ہے، آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو آدمی اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ہر مصیبت اور پریشانی سے نجات کا راستہ نکال دیں گے اور ایسی جگہ سے اللہ تعالیٰ اس کو روزی عطا فرمائیں گے جہاں سے اس کا وہم وگمان بھی نہیں ہوگا۔ تو جو شخص اس آیت پر عمل کر لے تو یہ آیت اس لئے کافی شافی ہے کہ اس میں سب سے پہلے تقویٰ کا ذکر ہے، اس میں سارے دین کی تعلیم آگئی۔

پہلا انعام ہر پریشانی سے نجات

جو دین کی اس تعلیم پر عمل کریگا یعنی تقویٰ اختیار کرے گا، اس کے لئے اللہ پاک نے اس آیت کے اندر دو انعام کا ذکر فرمایا ہے اور وہ دونوں انعام ایسے ہیں کہ جس کو مل گئے وہ کامیاب ہے، ایک ان میں سے ''ہر پریشانی اور مصیبت سے نجات'' ہے اس لئے کہ انسان چاہے دنیا میں ہو یا عالمِ برزخ میں ہو یا عالمِ قیامت میں ہو، تینوں جگہوں پر ہر آدمی کی خواہش ہے کہ اس کو کوئی پریشانی لاحق نہ ہو، دنیا میں چاہتا ہے کہ نہ بیمار ہوں، نہ کوئی رنج ومصیبت آئے اور اگر آجائے تو جلدی چلی جائے، ہر آدمی یہی چاہتا ہے، کوئی رکاوٹ آئے تو فوراً دور ہو جائے اور قبر میں بھی آدمی یہی چاہتا ہے کہ قبر میں عذاب نہ ہو، تاریکی نہ ہو، کیڑے، مکوڑے، سانپ، بچھو نہ ہوں، اس کی قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہو اور قیامت میں بھی آدمی یہی چاہے گا کہ قیامت میں اس کو کوئی خوف و دہشت نہ ہو، حساب وکتاب نہ ہو، بلکہ بغیر حساب وکتاب جنت میں داخلہ مل جائے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمادیں، تو تقویٰ اختیار کرنے والے کے لئے

پہلے یہی وعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا، قبر اور آخرت غرض ہر جگہ اس کو مصیبت اور پریشانی سے بچالیں گے۔

دوسرا انعام ضروریاتِ دنیوی واخروی کا ملنا

دوسری فکر انسان کو یہ ہوتی ہے کہ اس کو تمام ضروریاتِ زندگی راحت اور آسانی کے ساتھ ملیں، عزت کے ساتھ ملیں اور خوب ملیں، یہ ہر آدمی چاہتا ہے کہ جب اس کا کسی چیز کے مل جانے کا دل چاہے تو وہ اس کو مل جائے، نہ اس کو زیادہ جستجو کرنی پڑے، نہ ہی محنت ومشقت کرنی پڑے بلکہ آسانی کے ساتھ مطلوبہ چیز مل جائے، ہر آدمی دنیا میں بھی یہی چاہتا ہے اور قبر کے متعلق بھی اس کی یہ خواہش ہے کہ وہاں سانپ، بچھو نہ ہوں بلکہ وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہو اور قبر میں کوئی عذاب نہ ہو، تاریکی نہ ہو اور قیامت میں بھی ہر کوئی یہی چاہے گا کہ اس کو عرش کا سایہ مل جائے، پھر جنت میں جانے کے بعد بھی یہ چاہے گا کہ جنت کی بھی ساری نعمتیں مجھے ملیں، فرمایا کہ جو تقویٰ اختیار کرلے گا اللہ تعالیٰ ایسی جگہ سے اس کی خواہشات وضروریات کو پورا فرمائیں گے جہاں سے اس کو وہم وگمان بھی نہیں ہوگا اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے، ہم دنیا اور آخرت ہر جگہ یہی چاہتے ہیں تو تقویٰ اختیار کرلیں، یہ سب کچھ حاصل ہوسکتا ہے، جو کوئی جتنا تقویٰ میں آگے بڑھے گا وہ اتنا ہی زیادہ نعمتوں کو پائیگا۔

جنت کے سو درجات

یہاں یہ بھی سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کے سو درجے بنائے ہیں، سو منزلیں بنائی ہیں اور ہر منزل کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا زمین اور آسمان کے درمیان ہے اور یہ بھی ہمارے سمجھانے کے لئے ہے ورنہ اس کی حقیقی وسعت تو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں اور اس میں سب سے جو بالائی منزل ہے اور اس کا

جو سب سے اعلیٰ اور وسیع حصہ ہے اور سب سے زیادہ راحت بخش اور سب سے زیادہ نعمتوں سے بھرپور حصہ ہے وہ جنت الفردوس ہے اور اس کے اوپر عرشِ الٰہی ہے، حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت الفردوس کے مانگنے کی تلقین فرمائی ہے کہ جب بھی تم اللہ تعالیٰ سے جنت مانگو تو جنت الفردوس مانگا کرو، اس لئے کہ یہ سب سے اعلیٰ اور سب سے بہتر جنت ہے۔

متقی لوگ عرش کے نیچے جانے میں آگے ہوں گے

سورۂ واقعہ کی تفسیر میں ہمارے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ قیامت کے دن تمام انسانوں کی تین جماعتیں ہو جائیں گی، ایک جماعت عرش کے دائیں طرف ہوگی، ایک جماعت عرش کے بائیں طرف ہوگی اور ایک جماعت عرش کے بالکل سامنے ہوگی، عرش کے دائیں طرف وہ لوگ ہونگے جو حضرت آدم علیہ السلام کی دائیں جانب سے پیدا ہوئے ہونگے اور یہ سارے اہلِ ایمان ہونگے اور یہ وہ لوگ ہونگے جن کو نامۂ اعمال قیامت کے دن دائیں ہاتھ میں ملیں گے، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان میں شامل فرمائیں، عرش کے بائیں طرف وہ لوگ ہونگے جو حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں جانب سے پیدا ہوئے ہونگے اور یہ سارے کافر ہونگے اور یہ وہ لوگ ہونگے جن کو نامۂ اعمال قیامت کے دن بائیں ہاتھ میں ملیں گے العیاذ باللہ، جبکہ عرش کے سامنے وہ لوگ ہونگے جو اللہ تعالیٰ کے انتہائی خاص الخاص اور مقرب بندے ہونگے جن کے بارے میں سورۂ واقعہ میں ہے کہ "وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ" اور یہ سبقت لے جانے والے تو آگے ہی بڑھ جانے والے ہیں، ان کے تو کیا ہی کہنے ہیں، یہ مقرب لوگ ہیں، ان میں انبیاء کرام، صدیقین، شہداء اور صالحین ہونگے، بہرحال سب سے پہلے عرش کے نیچے جانے والے یہ سابقین ہونگے، اس کے بعد دائیں طرف والے عرش کے

نیچے جائیں گے اور جو بائیں طرف والے ہیں ان کا ٹھکانا دوزخ کے سوا کچھ نہیں، اللہ بچائے، اور جو لوگ عرش کے نیچے چلے جائیں گے وہ بالکل بے غم، پرسکون اور راحت میں ہونگے، انہیں کوئی خطرہ، کوئی اندیشہ نہیں ہوگا، علماء نے لکھا ہے کہ سابقین میں وہ لوگ شامل ہونگے جو دنیا میں نیک کاموں کے کرنے میں اور گناہوں کے چھوڑنے میں آگے ہوں گے اور یہی لوگ متقی کہلاتے ہیں، تو عرش کے نیچے جانے میں اور جنت میں جانے میں بھی یہ لوگ آگے ہونگے، لہٰذا وہاں اگر سبقت لے جانی ہے تو یہاں سبقت لینے کی کوشش کریں اور یہاں تقویٰ اختیار کرنے میں ہم سبقت کریں، ظاہر میں بھی تقویٰ اختیار کریں اور باطن میں بھی تقویٰ اختیار کریں، خلوت میں بھی تقویٰ پر عمل کریں اور جلوت میں بھی تقویٰ پر عمل کریں۔

متقی بننے کے لئے تین کام

اب تقویٰ آئے کیسے؟ تقویٰ اختیار کرنے کے لئے تین کام کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، سب سے پہلے تو کسی اللہ والے کی صحبت اختیار کریں بغیر اللہ والے کی صحبت کے تقویٰ نہیں آتا اور اگر آتا بھی ہے تو بس چند روز کا مہمان ہوتا ہے پھر چلا جاتا ہے، کیونکہ انسان کمزور ہے اور کمزور ہونے کی بناء پر اکیلا چل نہیں سکتا، اس کے لئے کسی نہ کسی رہبر اور رہنما کی ضرورت ہوتی ہے، لہٰذا کسی نہ کسی اللہ والے کی صحبت اختیار کریں، ان سے مخلصانہ رابطہ رکھیں، قلبی تعلق رکھیں، تو اللہ تعالیٰ ان کی برکت سے تقویٰ عطا فرمادیں گے، دوسرا کام یہ ہے کہ روزانہ پانچ دس منٹ نکالیں اور اس وقت تنہائی میں بیٹھ کر مراقبہ کریں، چاہے مسجد میں جا کر بیٹھیں یا گھر میں بیٹھیں اور تھوڑی دیر کے لئے اپنے ذہن سے دنیا کے تمام خیالات کو نکالیں، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کو جو نعمتیں دی ہیں، ان کو سوچنا شروع کریں، پہلے ان نعمتوں کے بارے میں سوچیں جو اللہ تعالیٰ نے ظاہری جسم

میں دی ہیں، پھر اندرونی طور پر اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں دی ہوئی ہیں، ان کو سوچیں، پھر اپنے جسم سے ہٹ کر جو نعمتیں گھر میں اور گھر کے باہر ہیں، ان کے بارے میں سوچیں، اللہ تعالیٰ کی جن نعمتوں میں وہ سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخن تک غرق ہے، ان سب کے بارے میں سوچنے کے بعد پھر اپنا محاسبہ کریں کہ میں اللہ تعالیٰ کی ان بیش بہا نعمتوں کے بدلہ میں کیا کر رہا ہوں، میری زندگی کس طرح گزر رہی ہے، کیا میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا حق ادا کر رہا ہوں، کیا میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو ان کی فرمانبرداری میں استعمال کر رہا ہوں یا خدانخواستہ ان کی دی ہوئی نعمتیں ان ہی کی نافرمانی میں استعمال ہو رہی ہیں، اس کو سوچیں۔ یہ جو مراقبہ ہے یہ ایسا تیر بہدف ہے کہ اگر اس کو کوئی شخص پابندی کے ساتھ کرے تو صرف چالیس دن گزرنے کے بعد ہی اپنی زندگی میں زبردست انقلاب محسوس کرے گا، کسی کے کہنے سننے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ خود اس کا اپنا سوچنا ہی اس کی زندگی کو پلٹ دیگا اور اللہ والے کی صحبت اس کے لئے تریاق ہوگی، ان کی رہنمائی میں انشاء اللہ تعالیٰ بھٹکنے سے محفوظ رہیگا اور راہِ تقویٰ پر رواں دواں ہو جائیگا، تیسرا کام ایسا ہے کہ مذکورہ دو کاموں کے بعد خود بخود اس کے کرنے کا دل چاہے گا اور وہ ہے اللہ کا ذکر کرنا اور نافرمانیوں سے بچنا، تو یہ تین کام کرنے سے اللہ تعالیٰ تقویٰ عطا فرماتے ہیں۔

تو میرے عزیزوں اور میرے بزرگو! تقویٰ اتنا اہم ہے کہ اس ایک لفظ کے اندر سارے دین کو سمو دیا گیا ہے اور اللہ والے کی صحبت میں جا کر جو اصلاح کروائی جاتی ہے، اس کا حاصل بھی یہی ہوتا ہے کہ ہم متقی بن جائیں۔

دل، دماغ اور عقل کو دین کے لئے استعمال کریں

اس سلسلہ میں ایک کام اور کرنے کی ضرورت ہوگی جس کی طرف ہمارے اکابرین نے بڑی توجہ دلائی ہے، خصوصاً حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحیٔ عارفی

رحمۃ اللہ علیہ اپنے مواعظ میں اس کی طرف بہت ہی زیادہ توجہ دلایا کرتے تھے، وہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم لوگ صبح سے شام تک اپنی زندگی غفلت میں گزار دیتے ہیں اور زندگی کا جو اصل مقصود ہے اس کی طرف توجہ ہی نہیں دیتے اور توجہ نہ دینے کی وجہ سے ہماری اصلاح نہیں ہو پاتی، ہمارے اخلاق درست نہیں ہوتے، وہ یہ کہ اللہ پاک نے ہمیں دماغ بھی عطا فرمایا ہے، عقل اور دل بھی عطا فرمایا ہے، یہ سب چیزیں سوچنے اور سمجھنے کے لئے اللہ پاک نے عطا فرمائی ہیں تو ہم ان کو دنیا کے بارے میں سوچنے اور سمجھنے میں تو استعمال کرتے ہیں اور ساری زندگی استعمال کرتے کرتے مرجاتے ہیں لیکن دین کے بارے میں سوچنے اور سمجھنے کے لئے ان کو استعمال ہی نہیں کرتے، اس استعمال نہ کرنے کی وجہ سے ہماری زندگی کبھی اصلاح پذیر نہیں ہوتی اور ہماری زندگی نہ سدھرتی ہے اور نہ سنورتی ہے، اس لئے کہ ہم ان چیزوں کو دین کے لئے استعمال ہی نہیں کرتے بلکہ صرف دنیا کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان اعضاء کو اپنے دین کے لئے استعمال کرو جس کا طریقہ یہ ہے کہ ہم صبح سے شام تک ہر وقت اپنا جائزہ لیتے رہیں کہ ہمارے دماغ کے اندر غلط اور ناجائز خیالات تو نہیں آرہے ہے، غیر اختیاری طور پر خیالات کا آنا تو کوئی مضر نہیں ہے، ان پر کوئی پکڑ بھی نہیں ہے لیکن ان کو ٹھہرانا نہیں چاہئے کیونکہ ٹھہرانے کے بعد ہی وہ اپنا اثر کرنا شروع کرتے ہیں، سب سے پہلے ان کا اثر دل میں آتا ہے اور پھر ان کا اثر اعضاء و جوارح سے ظاہر ہونا شروع ہوجاتا ہے تو برا خیال آیا اور ہم نے اس کو دور نہ کیا بلکہ اس کو ٹھہرایا اور اس میں غور کیا تو آگے بڑھ کر وہ عمل کے اندر آنا شروع ہوجائیگا، تو ہم یہ دیکھیں کہ کون کون سے برے خیالات ہمارے دماغ میں آتے ہیں اور پھر ہم کس کس پر عمل کرتے ہیں اور کس کس پر عمل نہیں کرتے، اس کو سوچیں۔

آنکھ، کان اور زبان کا جائزہ لیں

پھر ذرا اور نیچے آئیں تو ہماری آنکھیں ہیں، ہمارے کان ہیں، ہماری زبان ہے، ان کے بارے میں بھی اس بات کا جائزہ لیں کہ ہماری آنکھیں کہیں غلط جگہ تو نہیں پڑ رہیں، کہیں ایسی جگہ تو ہماری آنکھیں استعمال نہیں ہو رہیں جہاں دیکھنا ممنوع ہو، جہاں نظر ڈالنا ممنوع ہو، آنکھوں سے نامحرم کو تو نہیں دیکھ رہے، ٹی وی تو نہیں دیکھ رہے، اس کی فکر ہونی چاہئے، ہاں اپنے والدین کو دیکھ رہا ہے یا اپنے بیوی بچوں کو دیکھ رہا ہے تو بہت اچھی بات ہے، اسی طرح کانوں کے استعمال پر غور کریں کہ ہمارے کان کہیں ایسی جگہ تو استعمال نہیں ہو رہے جس کا سننا ممنوع ہو، غیبت تو نہیں سن رہے، گانے تو نہیں سن رہے، اس کی فکر ہونی چاہئے، ہاں قرآن پاک کی تلاوت سن رہا ہے، احادیث کا درس سن رہا ہے، تو کتنی اچھی بات ہے، اسی طرح زبان کا جائزہ لیں کہ ہماری زبان کہیں ایسی جگہ تو استعمال نہیں ہو رہی جس کا بولنا ممنوع ہو، کسی کو گالی تو نہیں دے رہے، جھوٹ تو نہیں بول رہے، غیبت یا چغلی تو نہیں کر رہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ روزانہ سویرے سارے اعضاء وجوارح زبان کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہیں اور درخواست کرتے ہیں کہ دیکھو اگر آپ صحیح صحیح چلو گی تو ہم بھی ٹھیک ٹھاک رہیں گے اور خدانخواستہ تم الٹی سیدھی چلی تو تم تو بتیس دانتوں کے قلعہ کی دیوار میں محفوظ ہو جاؤ گی پٹائی ہماری ہو جائیگی، گالی زبان دے گی لیکن اس کے بعد تھپڑ چہرے پر لگے گا، مکا کمر پر پڑیگا، لاٹھی سر پر پڑیگی، اس لئے سب سے زیادہ زبان کے استعمال کو دیکھنے کی ضرورت ہے کہ ہماری زبان صحیح استعمال ہوتی ہے کہ نہیں، ہاں زبان سے قرآن پاک کی تلاوت کر رہے ہیں یا وعظ ونصیحت کر رہے ہیں تو یہ زبان کا کتنا اچھا مصرف ہے، اس کو سوچیں۔

ہاتھ، پاؤں کا جائزہ لیں

ذرا اور نیچے آئیں گے تو ہمارے ہاتھ ہیں، پاؤں ہیں، ان کے بارے میں بھی اس بات کا جائزہ لیں کہ ہمارے ہاتھ، پاؤں کہیں غلط جگہ تو استعمال نہیں ہو رہے، ہمارے ہاتھ کسی ایسی چیز کو تو نہیں پکڑ رہے جس کا پکڑنا ممنوع ہو، کسی کی ناحق پٹائی تو نہیں کی، کسی کی چیز اس کی اجازت کے بغیر استعمال تو نہیں کی یا مذاق میں کسی کی چیز تو نہیں اٹھالی اور جس کی چیز ہے وہ بول بھی نہیں سکا، اس کی فکر ہونی چاہئے، ہاں حلال کمانے میں ہاتھوں کا استعمال ہوا یا والدین کی خدمت میں ان کا استعمال ہوا، تو بہت اچھی بات ہے، اسی طرح پاؤں کے استعمال پر غور کریں کہ ہمارے پاؤں کسی ایسی جگہ تو نہیں پڑ رہے جہاں قدم رکھنا ممنوع ہو، پاؤں کسی گناہ کے مقام تک تو نہیں لے جا رہے، اس کی فکر ہونی چاہئے، ہاں اگر ان پیروں سے چل کر مسجد کی طرف گئے، جہاد کے لئے گئے، تبلیغ کے لئے گئے، کسی کی عیادت کے لئے گئے، تو الحمدللہ کتنا اچھا استعمال ہو گیا، پس صبح سے شام تک اپنے ظاہری اعضاء کا جائزہ لیتے رہیں اور شام کو حساب کریں۔

اپنے باطن کا جائزہ لیں

ایسے ہی باطن کا بھی جائزہ لیں کہ کس کس کے بارے میں میرے دل میں کیسے کیسے جذبات پیدا ہوئے، اس میں اچھے جذبات بھی ہونگے اور برے جذبات بھی ہونگے، کسی کو مارنے کا جی چاہ رہا ہوگا، کسی کی برائی کرنے کا جی چاہ رہا ہوگا، کسی سے کینہ ہو رہا ہوگا اور کسی سے حسد ہو رہا ہوگا، کسی کی خدمت کرنے کو جی چاہ رہا ہوگا، کسی کو تحفہ دینے کو جی چاہ رہا ہوگا، اب یہ تحفہ دینا اللہ کے لئے ہے یا دنیا حاصل کرنے کے لئے ہے، کہیں بطور رشوت دینے کا دل تو نہیں چاہ رہا، یہ سب دل کی دنیا میں ہوتا ہے، لہٰذا صبح سے شام تک اپنا جائزہ لینے کی عادت

ڈالیں، جہاں برائی دیکھیں اسی وقت ہوشیار ہو جائیں کہ یہ کیا ہو گیا، یہ ہاتھ نے کیا کیا، یہ زبان سے کیا بات نکل گئی، یہ دل میں کیا بات آئی، ایک شعر یاد آیا۔

اس میں شاعر کہہ رہا ہے کہ اے چڑیا! آ اور ہم دونوں مل کر ہائے ہائے کریں تو ہائے گل پکار کہ باغ کے اندر خزاں آ گئی اور سارا سبزہ ختم ہو گیا، سارے پھول جھڑ گئے اور باغ میں الّو بولنے لگے، تو اپنے باغ کی بربادی پر رو جبکہ میں اپنے دل کی تباہی پر روؤں کہ ہائے میرے دل نے کیا کیا گناہ کر لئے اور کیسی کیسی خرابیاں اس کے اندر ہو گئیں جس کی وجہ سے میں ہائے دل پکاروں، تو حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ اپنا جائزہ لینے کی عادت ڈالو، ہم نے دنیا کا جائزہ لینے کی عادت ڈالی ہوئی ہے، اپنا جائزہ لینا بھولے ہوئے ہیں۔

متقی لوگ اپنے عیوب پر نظر رکھتے ہیں

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ ظفر کا یہ شعر بہت سنایا کرتے تھے، دنیا کے جائزے سے متعلق ہے۔

تھے جو اپنے عیوب سے بے خبر رہے دیکھتے اوروں کے عیب وہنر

پڑی اپنے عیوب پہ جو نظر تو جہاں میں کوئی برا نہ رہا

تو ابھی اپنے عیوب جو نظر نہیں آ رہے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسروں کے عیوب کا جائزہ لینے کی عادت پڑی ہوئی ہے، فلاں کیسا ہے، فلاں کیسا ہے، فلاں کیسا ہے، دوسروں کے عیوب پر نظر ڈالنے کی عادت پڑی ہوئی ہے، اس لئے اپنے کو فرشتہ سمجھتے ہیں اور دوسرے کو قصور وار، لیکن جس دن یہ رخ صحیح ہو گا اور دل کا قبلہ صحیح ہو جائیگا اور اپنے عیوب پر نظر پڑے گی تو اس وقت محسوس ہو گا کہ

سارے ہی دنیا میں مجھ سے اچھے ہیں، بس ایک میں ہی سب سے بُرا اور سب سے بڑا نالائق ہوں، پھر اپنے ہی عیوب اس کو نظر آئیں گے، دوسروں کے عیوب سے اس کی آنکھیں بند ہو جائیں گی انشاء اللہ تعالیٰ اور جو متقی لوگ ہیں ان کی یہی شان ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے کو سب سے بُرا سمجھنا

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جن کی ایک ہزار سے زائد تصانیف ہیں اور جو اصلاح وتربیت کا دریا بہا گئے ہیں جو انشاء اللہ بہتا ہی رہیگا، وہ فرماتے ہیں کہ روزے سے ہوں، قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھ کو دنیا میں اپنے سے زیادہ کوئی بُرا نظر نہیں آتا، اللہ اکبر! تواضع کا یہ عالم تھا۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء کا اپنے کو سب سے کمتر سمجھنا

اسی طرح حضرت ڈاکٹر عارفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ سنایا کہ وہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ کی خانقاہ میں جمع تھے، خانقاہ میں حضرت کے اور تین خلفاء بھی موجود تھے جو حضرت کی خدمت میں آئے ہوئے تھے، ان میں سے ایک خلیفہ نے دوسرے سے کہا کہ جب میں یہاں خانقاہ کے اندر آتا ہوں اور حضرت کے ہاں میرا قیام ہوتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں سب سے پیچھے ہوں اور باقی سب میرے سے آگے ہیں، دوسرے نے کہا کہ مجھے بھی ایسا ہی محسوس ہوتا ہے، پھر تیسرے نے کہا کہ بھائی میرا بھی یہی حال ہے، تو انہوں نے کہا کہ حضرت سے ہی اس کے بارے میں معلوم کر لیتے ہیں، کیونکہ یہ تو ہم سب کا مشترکہ حال ہے، پھر یہ خلفاء حضرت کے پاس گئے اور اپنا مدعا بیان کیا کہ جب ہم یہاں خانقاہ کے اندر آتے ہیں اور آپ کے ہاں ہمارا قیام ہوتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم میں سے ہر کوئی

انفرادی طور پر سب سے پیچھے ہے اور باقی سب آگے ہیں، حضرت نے جواب دیا کہ میرے دل کا بھی یہی حال ہے۔ اس وقت پتا چلا کہ شیخ کے دل کا عکس ہے، شیخ خود تواضع میں ڈوبا ہوا ہے اور وہ اپنے دل میں اپنے کو مٹائے ہوئے ہے تو ان کے خلفاء اور مریدین بھی اس کے اثر کی وجہ سے مٹے جارہے ہیں، اسی لئے میں نے کہا تھا کہ متقی بننے کے لئے سب سے پہلا طریقہ اللہ والوں کی صحبت ہے، کیونکہ وہ خود متقی ہوتے ہیں جو ان کے پاس جائیگا وہ بھی متقی ہو جائیگا، پھر مراقبہ کیا جائے، اس کے بعد اپنا حال دیکھے کہ میں کیا کر رہا ہوں، اس کے بعد بھی دن بھر اپنا جائزہ لیتا رہے کیونکہ دن بھر کا جائزہ رات کو مراقبہ میں کام آئیگا اور تیسرا کام ذکر اللہ کی کثرت ہے اور یہ بھی اللہ والوں کی صحبت سے نصیب ہوتا ہے کہ جہاں تم سچی توبہ کرو توبہ کے ساتھ ساتھ اللہ اللہ بھی کرو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حکایت

آخر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کی ایک حکایت یاد آئی کہ اللہ پاک نے ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ اپنی امت سے یہ کہہ دیجئے کہ وہ ایک ہی بات پر عمل کرلیں تو ان کی نجات کے لئے کافی ہے، وہ یہ ہے کہ جن جن بندوں کے حقوق تلف کئے ہیں اور جن جن کو انہوں نے ستایا ہے، ان کو راضی کرلیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ آخرت میں بندوں کی حق تلفیاں انسان کے لئے سب سے زیادہ مصیبت کا باعث بنیں گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ بذاتِ خود بہت ہی مہربان ہیں، وہ اپنی حق تلفیوں کو بہت جلد معاف کر دیتے ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ معاف کر دیں گے اور درگزر فرمادیں گے اور کوئی زیادہ سختی نہ فرمائیں گے، لیکن بندوں کے حقوق کے معاملہ میں سختی کا معاملہ فرمائیں گے اور اس کے اندر باقاعدہ حساب وکتاب فرمائیں گے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اپنی امت کے لوگوں سے کہہ دیں کہ اگر کسی نے کسی کو ستایا ہے، مارا پیٹا ہے، زیادتی کی ہے،

تو دنیا ہی میں ان سے معافی تلافی کروالے اور ان کو کسی بھی طریقہ سے راضی کرلے تو انشاء اللہ تعالیٰ اس کی پکڑ نہیں ہوگی اور نجات میں آسانی ہوجائیگی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ پروردگارِ عالم! اگر وہ لوگ جن کو ستایا ہو، پریشان کیا ہو، زندہ نہ ہوں تو کیا ہوگا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تو زندہ ہوں، مجھے راضی کرلو اور جن کے حقوق ان کے ذمہ ہیں ان کو میں راضی کرلونگا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ یا اللہ! آپ کیسے راضی ہونگے؟ اللہ پاک نے فرمایا کہ چار کام کرنے سے میں راضی ہوجاتا ہوں: اول یہ کہ اپنے گناہوں، کوتاہیوں اور خامیوں پر دل میں ندامت ہو اور اللہ تعالیٰ کا حقِ عبادت ادا نہ ہونے پر دل سے شرمندہ ہو، دوم زبان پر استغفار ہو، سوم آنکھوں میں آنسو ہوں ورنہ کم از کم رونے کی شکل ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ جو رحمتیں رونے والے پر نازل فرماتے ہیں وہی رحمتیں رونے کی شکل بنانے والے پر بھی نازل فرماتے ہیں اور چہارم یہ کہ آئندہ تمام اعضاء و جوارح سے ظاہر و باطن میں اور خلوت اور جلوت میں غرض ہر جگہ نافرمانی سے اجتناب ہو، یہاں بھی تقویٰ آگیا، تو جو شخص یہ چار کام کرلے گا، اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوجائیں گے اور جن کے حقوق اس کے ذمہ ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے دے کر راضی کرلیں گے اور اس کو معاف کردیں گے۔

حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اس پر ایک حدیث کا خلاصہ میں آپ کو سنادوں کہ میدانِ محشر ہوگا اور اس میدانِ محشر میں ایک شخص کو دور سے جنت کا ایک خوبصورت محل نظر آئیگا تو وہ کہے گا کہ یہ بڑا ہی خوبصورت اور عالیشان محل ہے، اس کے اندر بڑی رونق ہی رونق ہے اور دل میں سوچے گا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے کسی نبی یا ولی کو ملے گا، میں اس قابل کہاں، برابر میں ایک فرشتہ کھڑا ہوگا اور وہ کہے گا کہ تجھے بھی مل سکتا ہے، وہ بڑا حیران ہوگا اور پوچھے گا کہ وہ کیسے؟ فرشتہ کہے گا کہ فلاں کا حق جو تمہاری طرف

نکلتا ہے، تم اس کو معاف کردو اور اس کے بدلہ میں یہ لے لو، اس محل کو دیکھ کر وہ فوراً راضی ہو جائیگا۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ کس طرح اس کو راضی کریں گے، اب دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح اور کامل متقی بننا نصیب فرمائیں۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

ہزار دن تک ثواب مِلنا

صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی مُحَمَّدٍ

وَّجَزَاہُ عَنَّا مَا ھُوَ اَھْلُہٗ

جو شخص یہ دُرود شریف پڑھے تو ثواب لکھنے والے ستّر فرشتے ایک ہزار دن تک اس کا ثواب لِکھّیں گے۔ (ص ۱۷۷)

گناہ کے بعد نیکی

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی دامت برکاتہم
نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ضبط و ترتیب
حبیب اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
دکان نمبر ۲۹، نایاب جامع مسجد، لیاقت آباد کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم

: گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی بیانات : جلد نمبر ۱۰

گناہ کے بعد نیکی

دوسری نصیحت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْراً کثیراً۔

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنْ تَجْتَنِبُوْا کَبٰٓئِرَ مَا تُنْھَوْنَ عَنْہُ نُکَفِّرْ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَنُدْخِلْکُمْ مُّدْخَلًا کَرِیْمًا ○

(سورۃ النسآء: ۳۱)

تمہید

میرے قابلِ احترام بزرگو اور محترم خواتین! حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث جس میں نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جو پانچ نصیحتیں فرمائی تھیں، ان کے سلسلہ میں بیان چل رہا ہے، پانچ نصائح میں سے ایک کا بیان ہو چکا ہے، ایک نصیحت کا بیان انشاء اللہ تعالیٰ آج اس وقت ہوگا۔

اس حدیث کے انتخاب کی وجہ

اس حدیث کو بیان کرنے کے لئے اس وجہ سے منتخب کیا گیا ہے کہ اس میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نصیحتیں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بیان فرمائی تھیں، ان کو بیان کرنے سے پہلے چھ دن تک آپ روزانہ ان سے فرماتے رہے کہ اے ابوذر! میں تم کو کچھ باتیں بتانے والا ہوں، ان کو تم توجہ سے سننا، ان کو یاد رکھنا، ان میں غور کرنا اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرنا۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم چھ دن تک روزانہ یہی فرما رہے ہیں تو وہ باتیں کتنی اہم ہونگی جس کے لئے چھ دن تک آپ ان کو عمل کرنے کی ترغیب دے رہے ہیں، یاد رکھنے کی طرف توجہ دلا رہے ہیں، غور وفکر کرنے کی طرف متوجہ کر رہے ہیں، تو ضرور وہ بہت ہی اہم اور خاص الخاص باتیں ہیں، بس اسی لئے میں نے اس حدیث کو آپ حضرات کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے اختیار کیا ہے تاکہ ہم سب مل کر نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اہم ارشاد کو توجہ سے سنیں اور سنائیں، ہم بھی ان کو یاد رکھیں، ان میں غور وفکر کریں اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔

پانچ نصیحتیں

ان پانچ نصائح میں سے پہلی نصیحت یہ تھی کہ تم اپنے ظاہر اور باطن میں

تقویٰ کا اہتمام کرو، دوسری نصیحت یہ فرمائی کہ جب تم سے کوئی بدی ہو جائے، گناہ اور غلطی ہو جائے تو اس کے فوراً بعد نیکی کرلو، وہ نیکی اس گناہ کو مٹا دیگی، تیسری نصیحت یہ فرمائی کہ تم مخلوق میں سے کسی سے کوئی چیز مت مانگو، کسی کے سامنے اپنی حاجت پیش نہ کرو، اپنی ضرورت کسی انسان سے مت طلب کرو یہاں تک کہ تمہارا کوڑا بھی زمین پر گر جائے تو خود اٹھالو، کسی سے اٹھانے کے لئے نہ کہو، چوتھی نصیحت یہ فرمائی کہ تم کسی کی امانت اپنے پاس مت رکھو اور پانچویں نصیحت یہ فرمائی کہ تم دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ کرنے والا مت بنو، ان پانچ نصائح میں سے پہلی نصیحت کے بارے میں تفصیلاً بات ہو چکی ہے آج دوسری نصیحت کا بیان ہوگا۔

دوسری نصیحت کی تفصیل

دوسری نصیحت یہ فرمائی کہ ''جب تم سے کوئی بدی ہو جائے، گناہ اور غلطی ہو جائے تو اس کے فوراً بعد نیکی کرلو، وہ نیکی اس گناہ کو مٹا دیگی'' یہ ایسی بہترین نصیحت ہے کہ واقعتاً اس کو کوئی مسلمان مرد و عورت اختیار کرلے تو انشاء اللہ اس کی نجات ہو جائیگی۔

فرشتوں اور پیغمبروں کے علاوہ سے گناہ ہوتے ہیں

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تو معصوم ہیں، نابالغ بچے بھی اسی حکم میں ہیں کیونکہ وہ غیر مکلف ہیں، ان کے علاوہ جتنے بھی انسان و جنات ہیں جو عاقل و بالغ ہیں، وہ سب ایسے ہیں کہ ان سے گناہ ہوتے بھی ہیں اور نہیں بھی ہوتے، لیکن ایسا کوئی نہیں ہے جس سے کبھی کوئی گناہ سرزد نہ ہو، دانستہ یا غیر دانستہ، چھپ کر یا اعلانیہ، چھوٹا یا بڑا، کوئی نہ کوئی گناہ ہوتا ہے اور

ہوتا رہیگا، ہم اپنا ہی جائزہ لے لیں تو ہمارا یہی حال ہے، ہم جانتے ہیں کہ گناہ بری بات ہے اور بارہا سن چکے ہیں کہ گناہوں سے بچنا چاہئے اور تقویٰ اختیار کرنا چاہئے، تقویٰ اختیار کرنے کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ آدمی گناہوں سے بچنے کی کوشش میں لگا رہے لیکن اس کے باوجود بھی ہم سے گناہ ہوتے ہی رہتے ہیں، لہٰذا ہر انسان عاقل و بالغ گناہوں کا پتلا ہے، خطا و نسیان سے بھرا ہوا ہے، کچھ نہ کچھ غلطیاں اور کوتاہیاں ہوتی رہتی ہیں اور ہوتی ہی رہیں گی، جیسے میں نے عرض کر دیا کہ انسان کتنی ہی عبادت کرلے اور کتنی ہی ریاضت کرلے، وہ معصوم نہیں ہوسکتا، معصوم اللہ پاک نے جس کو بنایا ہے بس وہی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے اور اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں، ان کے علاوہ جو بھی ہیں وہ بہرحال معصوم نہیں، ان سے کوئی نہ کوئی غلطی، کوئی نہ کوئی گناہ ہوتا ہی رہتا ہے اور ہوتا ہی رہیگا اور اللہ پاک یہ نہیں فرمارہے کہ تم کبھی بھی کوئی بھی گناہ مت کرو بلکہ تقویٰ کا حکم دے رہے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتے رہو۔

گناہ کو مٹانے کی ترکیب

اس دوسری نصیحت میں یہ فرمایا کہ جب تم سے کوئی گناہ یا کوئی غلطی ہوجائے تو اس کے فوراً بعد نیکی کرلو، اس نصیحت کے ذریعہ اس گناہ کو مٹانے کی اور اس برائی کو ختم کرنے کی ترکیب و تدبیر بتائی جارہی ہے کہ جب بھی تم سے کوئی غلطی ہوجائے، گناہ ہوجائے، زبان سے کوئی غلط بات نکل جائے، آنکھیں بہک جائیں، کان کوئی بری بات سن لیں، ہاتھ پاؤں سے اور دل دماغ سے کوئی گناہ صادر ہوجائے فوراً نیکی کرنے کی عادت ڈالو، اللہ تعالیٰ نے نیکی کے اندر یہ خاصیت رکھی ہے کہ وہ گناہ کو مٹادیتی ہے، گناہ تم سے چھوٹیں گے نہیں لیکن نیکی کرنا بھی مت چھوڑو، جب بھی کوئی غلطی ہوجائے یا کوئی گناہ ہوجائے فوراً نیکی کرلو، اس نیکی سے وہ کوتاہی، بدی اور برائی انشاء اللہ تعالیٰ مٹ جائیگی۔

گناہ کے بعد ''توبہ واستغفار'' بھی نیکی ہے

برائی وگناہ کے بعد توبہ اور استغفار بھی ایک نیکی ہے، ان کے گناہوں کے مٹانے میں اور مٹانے والا ہونے میں کسی کو کیا شک ہوسکتا ہے، لہٰذا اگر گناہ ہوجائے فوراً توبہ کرلو، جیسے ہی گناہ ہوا سچی توبہ کرلی تو وہ سچی توبہ اس گناہ کو مٹادیتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ''التائب من الذنب کمن لاذنب لہ'' گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہوتا ہے جیسے نہ کرنے والا، اندازہ کرو کہ توبہ ایسی عظیم نیکی ہے اور اس کے اندر اللہ پاک نے یہ صلاحیت رکھی ہے کہ گناہ کا نام ونشان مٹادیتی ہے، لہٰذا اگر کبھی غلطی ہوجائے یا گناہ ہوجائے فوراً ''استغفر اللہ'' کہدیا فوراً ''اللّٰھم اغفر لی'' کہدو۔ ایک صاحب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے گناہوں پر ہائے ہائے کرنے لگے اور بڑے شرمندہ اور بڑے نادم ہونے لگے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین مرتبہ ''اللّٰھم اغفر لی'' کہو اور جاؤ۔ بہرحال توبہ واستغفار ایسی اعلیٰ درجہ کی نیکی ہے کہ اگر گناہ کے بعد اس کو کرلیا جائے تو طے شدہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ توبہ و استغفار کی برکت سے اس کا گناہ معاف فرمادیں گے۔

نیک اعمال سے گناہوں کی معافی

اس کے علاوہ دوسرے جو نیک کام ہیں، ان کے اندر بھی اللہ پاک نے یہ خاصیت رکھی ہے کہ گناہ کے بعد ان نیک کاموں کے کرنے سے بھی گناہ معاف ہوتے ہیں، اتنی بات ہے کہ کبیرہ گناہ تو توبہ ہی سے معاف ہوتے ہیں، وہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے البتہ صغیرہ گناہ بغیر توبہ کے بھی دوسری نیکیوں سے معاف ہوجاتے ہیں اور ان صغیرہ گناہوں کی معافی کا ذکر اللہ پاک نے قرآن شریف میں بھی کیا ہے، جو آیت میں نے تلاوت کی ہے اس میں بھی اسی کا ذکر

ہے، حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں کہ ''اِنْ تَجْتَنِبُوْا کَبٰٓئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلاً كَرِيْماً ''جن بڑے گناہوں سے تم کو منع کیا گیا ہے اگر تم ان سے پرہیز کرو تو (تمہارے نیک اعمال کے کرنے سے) ہم تمہارے چھوٹے گناہوں کا خود ہی کفارہ کردیں گے اور ہم تم کو ایک معزز جگہ (یعنی جنت) میں داخل کردیں گے۔ لہٰذا بندہ یا کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرے تو صغیرہ گناہ اللہ تعالیٰ نیک اعمال کرنے پر اپنی رحمت سے خود ہی معاف فرمادیں گے جب کبیرہ گناہ بھی نہیں ہیں اور صغیرہ گناہ نیکیوں سے معاف ہوگئے تو جنت میں داخلہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے برحق ہے اور اگر کبیرہ گناہ ہوجائیں تو توبہ اس کے لئے موجود ہے، دل وجان سے سچی توبہ کرلو اور سچی توبہ سے جیسے کبیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں ایسے ہی صغیرہ گناہ بھی معاف ہوتے ہیں، بہر حال اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کبیرہ گناہ سے تم پرہیز کرلو تو میں تمہارے صغیرہ گناہوں کو خود ہی معاف کردونگا، وہ اتنے مہربان اور کرم نواز ہیں۔

بہت سے گناہ اللہ پاک یونہی معاف فرمادیتے ہیں

ایسے ہی ایک آیت میں اللہ پاک کا ارشاد ہے کہ ''وَمَا اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ''یعنی تم کو دنیا میں جو بھی مصیبت یا پریشانی لاحق ہوتی ہے تو وہ تمہاری اپنی بداعمالیوں اور گناہوں کی وجہ سے ہے اور بہت سے گناہ تو اللہ تعالیٰ خود ہی معاف فرمادیتے ہیں۔ ہر گناہ پر قاعدہ کے مطابق تمہاری پکڑ ہونی چاہئے، تم کو سزا ملنی چاہئے اور اس پر وبال آنا چاہئے لیکن اللہ تعالیٰ اتنے مہربان ہیں کہ کسی کسی گناہ پر اس کا وبال ظاہر فرماتے ہیں اور اس کی وجہ سے انسان مصائب سے دوچار ہوجاتا ہے، پریشانیوں میں مبتلا ہوجاتا ہے اور طرح طرح کی آفات وبلیات میں پھنس جاتا ہے لیکن بہت سے

گناہ ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خود ہی معاف فرما دیتے ہیں اور ان کا وبال ظاہر نہیں ہونے دیتے، اگر خدانخواستہ انسان کے ہر گناہ کا وبال اور اس کی سزا دنیا میں ملنے لگے تو انسان نہ کھا سکے، نہ پی سکے، نہ اور کسی کام کا رہے، یہ جو اتنا وقت ہمارا عافیت وراحت میں گزرتا ہے، یہ صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وجہ سے گزرتا ہے۔

صلوٰۃ التسبیح کے ذریعہ گناہوں کی معافی

اسی طرح احادیثِ طیبہ کے اندر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے اعمال ایسے بیان فرمائے ہیں کہ ان کے کرنے سے آدمی کے صغیرہ گناہ معاف ہوتے رہتے ہیں، ان میں سب سے مشہور عمل ''صلوٰۃ التسبیح'' کا ہے، صلوٰۃ التسبیح کے بارے میں یہ فضیلت بالکل واضح ہے کہ اس کو پڑھنے والے کے دس قسم کے گناہ معاف ہوتے ہیں، کبیرہ، صغیرہ، جان کر کئے ہوئے، بھول کر کئے ہوئے، اعلانیہ کئے ہوئے، چھپ کر کئے ہوئے، اگلے، پچھلے، نئے اور پرانے، ہر قسم کے گناہ اپنے فضل وکرم سے معاف فرما دیتے ہیں، مگر یہاں کبیرہ گناہ سے مراد وہ کبیرہ گناہ نہیں ہے جس کے لئے توبہ ضروری ہے بلکہ وہ گناہ مراد ہے جو صغائر میں بڑا ہے۔

وضو اور غسل کے ذریعہ گناہوں کی معافی

اسی طریقہ سے وضو اور غسل کی یہ فضیلت ہے کہ اگر آدمی سنت کے مطابق وضو کرے اور سنت کے مطابق غسل کرے تو سر سے پیر تک تمام صغیرہ گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔

پنجگانہ نماز کے ذریعہ گناہوں کی معافی

یہ پانچ نمازیں جو اللہ پاک نے چوبیس گھنٹے میں رکھی ہیں، یہ درمیانے حصہ میں ہونے والے گناہوں کا کفارہ ہیں، کسی نے فجر کی نماز پڑھی، پھر ظہر تک

اس سے کچھ صغیرہ گناہ سرزد ہو گئے اور اس نے نہ استغفار کیا نہ توبہ کی تو جب ظہر کی نماز ادا کریگا تو فجر سے ظہر تک جتنے صغیرہ گناہ ہوئے ہیں وہ سب معاف ہو جائیں گے، پھر ظہر کے بعد جب عصر کی نماز پڑھے گا تو ظہر سے عصر تک جتنے صغیرہ گناہ ہوئے ہیں وہ سب معاف ہو جائیں گے، پھر عصر کے بعد جب مغرب کی نماز پڑھے گا تو عصر سے مغرب تک جتنے صغیرہ گناہ ہوئے ہیں وہ معاف ہو جائیں گے، پھر مغرب کے بعد جب عشاء کی نماز پڑھے گا تو مغرب سے عشاء تک جتنے صغیرہ گناہ ہوئے ہیں وہ معاف ہو جائیں گے، پھر عشاء کے بعد جب فجر کی نماز پڑھے گا تو عشاء سے فجر تک جتنے صغیرہ گناہ ہوئے ہیں وہ سب معاف ہو جائیں گے، اس طرح چوبیس گھنٹے میں آدمی اگر پانچوں نمازوں کی پابندی کرے اور سنت کے مطابق نمازیں ادا کرنے کا اہتمام کرے تو چوبیس گھنٹے اس کے گناہِ صغیرہ معاف ہوتے رہیں گے۔

چنانچہ حدیث شریف میں اس کو سمجھانے کے لئے ایک مثال بیان فرمائی گئی ہے کہ جیسے کسی آدمی کے گھر کے آگے نہر ہو اور وہ روزانہ دن میں پانچ مرتبہ غسل کرے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ بتاؤ اس کے جسم پر میل رہیگا؟ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ حضور! اس کے جسم پر میل کہاں رہیگا، وہ بالکل گورا چٹا رہیگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص پانچوں وقت نماز باجماعت کا اہتمام کریگا وہ بھی گناہوں سے ایسے ہی پاک صاف رہیگا جیسے وہ نہانے والا پاک وصاف رہتا ہے۔

جمعہ کی نماز کے ذریعہ گناہوں کی معافی

اس کے بعد پھر ایک جمعہ سے لے کر دوسرے جمعہ تک، یہ ہفتہ واری طہارت ہے اور ہفتہ واری گناہوں کی معافی کا انتظام ہے کہ جو شخص ہر جمعہ پابندی کے ساتھ پڑھے گا تو پہلے جمعہ کے بعد سے دوسرے جمعہ تک جو درمیان

میں سات دن ہیں، ان میں اس سے جو صغیرہ گناہ ہوئے ہونگے، اگلا جمعہ پڑھنے سے درمیان کے سارے صغیرہ گناہ معاف ہو جائینگے، اس طرح روزانہ پانچ وقت گناہوں سے معافی ہو رہی ہے اور پھر ہفتہ میں ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک کے گناہوں کی معافی ہو رہی ہے۔

رمضان المبارک کے روزوں کے ذریعہ گناہوں کی معافی

اس کے بعد پھر ایک رمضان سے لے کر دوسرے رمضان تک درمیان کے ایک سال کے عرصہ میں جتنے بھی گناہِ صغیرہ کسی سے ہوئے ہونگے، اللہ تعالیٰ اگلے رمضان کے روزے رکھنے کی برکت سے پچھلے رمضان سے اس رمضان تک ہونے والے سارے صغیرہ گناہ معاف فرما دیتے ہیں۔

قربانی کے ذریعہ گناہوں کی معافی

اسی طرح جب بقرعید آتی ہے تو آپ کو اس کی فضیلت معلوم ہوگی کہ قربانی کے جانور کو جب آدمی اللہ تعالیٰ کے راستہ میں قربان کرتا ہے تو جونہی اس کے جسم سے پہلا قطرہ زمین پر گرتا ہے تو اسی لمحہ قربانی کرنے والے کی مغفرت ہو جاتی ہے اور سر سے پیر تک اس کا رواں رواں گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔

حج و عمرہ کے ذریعہ گناہوں کی معافی

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عمرہ اور حج کے اندر بھی یہ خاصیت رکھی ہے کہ جب ایک عمرہ کرنے کے بعد دوسرا عمرہ کرتا ہے تو درمیان کی مدت میں اس سے جتنے صغیرہ گناہ ہوئے ہیں، سب معاف ہو جاتے ہیں، اسی طرح جب ایک حج کرنے کے بعد دوسرا حج کرتا ہے تو درمیان کی مدت میں اس سے جتنے صغیرہ گناہ ہوئے ہیں، سب معاف ہو جاتے ہیں، بلکہ حج کرنے والے کے لئے تو ایک حدیث میں یہ فرمایا گیا ہے کہ جو شخص حج کرنے کے لئے میدانِ عرفات میں آئے

اور وہ یہ سمجھے کہ میری مغفرت نہیں ہوسکتی وہ سب سے بڑا گنہگار ہے، یہ بھی اللہ تعالیٰ کا اپنی زبردست رحمت کو بیان کرنا ہے کہ میدانِ عرفات میں آنے کے بعد بھی اگر کوئی شخص اپنے متعلق یہ سمجھے کہ میری بخشش نہیں ہوگی وہ سب سے بڑا گنہگار اور نافرمان ہے کیونکہ اللہ پاک کی طرف سے مغفرتِ عام کا وعدہ ہے، بخششِ عام ان کی طرف سے ہورہی ہے، لوگوں کو عرفات کے میدان میں اسی لئے بلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو بخشیں اور ان کی مغفرت فرمائیں اور وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ میری بخشش کیسے ہوسکتی ہے گویا اس کے گناہ ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بھی ان کو نہیں بخش سکتے، یہ اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی ہے، اس لئے وہ آدمی بڑا گنہگار ہے جو میدانِ عرفات میں پہنچ کر بھی یہ سمجھے کہ میری بخشش نہیں ہوگی، اس وقت ہر حاجی کو یہ اطمینان کرلینا چاہئے کہ جب وہ خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہے ضرور اس کی بخشش اور مغفرت ہوگی، لہٰذا اگر کسی نے ایک دفعہ حج کیا پھر دس سال کے بعد جاکر اس نے دوبارہ حج کیا تو اس درمیان کے عرصہ کے تمام صغیرہ گناہوں کے لئے یہ کفارہ ہوجائیگا۔ اندازہ کرو کہ کیسی اللہ پاک نے اپنی رحمت پھیلا رکھی ہے اور گناہوں کی معافی کا کس کس طریقہ سے اللہ پاک نے انتظام فرمایا ہے، اسی لئے اللہ پاک نے فرمایا کہ ''اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ'' یعنی نیکیاں گناہوں کو لے جاتی ہیں، یہ نصیحت قبول کرنے والوں کے لئے اہم نصیحت ہے۔

نیکی کرنا سب کے اختیار میں ہے

بہرحال حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ نصیحت فرمارہے ہیں کہ جب تم سے کوئی بدی ہوجائے، گناہ اور غلطی ہوجائے تو اس کے فوراً بعد نیکی کرلو، اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ وہ نیکی اس گناہ کو مٹادیگی اور نیکی کرنا ہر وقت سب کے اختیار میں ہے، لہٰذا جب بھی کوئی غلطی ہوجائے اور

احساس ہو جائے فوراً اسی وقت اللہ تعالیٰ سے دل دل میں ''أَسْتَغْفِرُ اللّٰه، أَسْتَغْفِرُ اللّٰه'' کہہ لیں، اسی وقت نیکی ہوگئی، اس کے بعد انشاء اللہ وضو ہوگا، اس کے بعد انشاء اللہ پانچوں نمازیں ہونگی، اس طریقہ سے صغیرہ گناہ انشاء اللہ معاف ہوتے رہیں گے، لیکن جو اللہ کا بندہ نیکیوں کا پابند ہی نہیں ہے، اس کے لئے بڑی محرومی اور خسارہ کی بات ہے، ایک گناہوں کا اس کی گردن پر اور اس کے نامۂ اعمال میں موجود رہنا، یہ بہت بڑی شامت ہے، دوسرے نیکیوں سے محروم ہو جانا اس سے بڑھ کر خسارہ اور نقصان کی چیز ہے اور اللہ تعالیٰ کے غضب کو اور آخرت کے عذاب کو دعوت دینے کی بات ہے۔

امتِ محمدیہ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل

نیکیوں کے ذریعہ اللہ پاک نے گناہوں کو مٹانے اور ان کو کم کرنے کا طریقہ اس طرح سے بھی رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں آپ کی امت پر یہ مہربانی فرمائی ہے کہ اس امت کے نیک کاموں کا بدلہ کم سے کم دس گنا رکھا ہے جبکہ پچھلی امتوں میں یہ بات نہیں تھی، پچھلی امتوں کے اندر یہ تھا کہ ایک نیک کام کریں گے تو ایک نیکی کا ثواب ملے گا، دس نیک کام کریں گے تو دس نیکی کا ثواب ملے گا، دس دفعہ ''سُبْحَانَ اللّٰه'' کہیں گے تو دس دفعہ ''سُبْحَانَ اللّٰه'' کہنے کا ثواب ملے گا، لیکن سرکارِ دو عالم جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت پر یہ مہربانی فرمائی کہ اگر کوئی شخص ایک نیک کام کرے گا تو اس کو کم سے کم دس نیکی کا ثواب ملے گا، لہٰذا اگر کوئی شخص ایک نیکی کریگا تو دس نیکیاں لکھی جائیں گی، اگر ایک مرتبہ ''سُبْحَانَ اللّٰه'' کہے گا تو دس مرتبہ ''سُبْحَانَ اللّٰه'' کہنے کا ثواب ملے گا، دس مرتبہ ''سُبْحَانَ اللّٰه'' کہے گا تو سو مرتبہ ''سُبْحَانَ اللّٰه'' کہنے کا ثواب لکھا جائیگا، اسی لئے اس امت پر نمازیں پچاس فرض ہوئی تھیں اور پھر اللہ پاک کی

مہربانی سے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فرمانے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل پانچ نمازیں رہ گئیں، پینتالیس ظاہراً معاف ہوگئیں لیکن اسی حدیثِ معراج میں یہ ہے کہ آپ کے امتی ادا کریں گے پانچ نمازیں لیکن ثواب پچاس کا پائیں گے، اب پڑھتے تو ہم پانچ ہیں لیکن ثواب پچاس کا لکھا جاتا ہے، کیونکہ ہر نماز کا ثواب دس گنا ہے تو پانچ نمازوں کا ثواب پچاس نمازوں کے برابر ہوا، بہرحال اللہ پاک نے ایک مہربانی یہ فرمائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتیوں کے لئے ہر نیک عمل کا ثواب دس گنا کر دیا ہے، اب اگر یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی نیکی کرتے رہے اور گناہ بھی نہ چھوٹے (اللہ کرے کہ چھوٹ جائیں لیکن اگر نہ چھوٹے) اور بغیر توبہ کئے دنیا سے چلے گئے تب بھی انشاء اللہ تعالیٰ جب آخرت میں جائیں گے تو وہاں جا کر جب حساب وکتاب ہوگا، میزانِ عدل میں نیکیاں اور گناہ تولے جائیں گے، نیکیاں ایک پلڑے میں رکھی جائیں گی اور گناہ دوسرے پلڑے میں رکھے جائیں گے اور ہر گناہ ایک ہی ہوگا اور ہر نیکی دس گنا ہوگی تو انشاء اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتیوں کا جو نیکی کا پلڑا ہوگا وہ بھاری ہی ہوگا۔

اس طریقہ میں بخشش کی قوی امید ہے

پس اس طریقہ سے جب ہر گناہ کے ساتھ نیکی ہوگی تو نیکی دس گنا تک بڑھ جائیگی اور یہ دس گنا کم سے کم ہے، اللہ پاک کسی کی نیکی کو سو گنا تک بڑھا دیتے ہیں اور کسی کی نیکی کو دو سو گنا تک بڑھا دیتے ہیں اور کسی کی نیکی کو سات سو گنا تک بڑھا دیتے ہیں، ''وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ'' اور کسی کی نیکی کو اللہ تعالیٰ بے حساب بڑھا دیتے ہیں۔ جتنا اخلاص ہوگا ویسا ہی اس کی نیکیوں کا ثواب بڑھتا چلا جائیگا، کم سے کم درجہ دس گنا کا ہے، تو جس کے گناہ کے ساتھ ایک نیکی ہوگی اور وہ نیکی دس گنا ہوگی تو اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی نیکیاں انشاء اللہ تعالیٰ

زیادہ ہونگی اور گناہ کم ہونگے، لہٰذا اس طریقہ میں بخشش کی بہت ہی زیادہ قوی امید ہے۔

مغفرت کا عام قاعدہ

وہاں عام قاعدہ اللہ تعالیٰ کا یہ ہوگا کہ جس کی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوگا، اس کو جنت میں جانے کا حکم مل جائیگا اور جس کے گناہوں کا پلڑا بھاری ہوگا اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ چاہیں گے معاف فرمادیں گے اور چاہیں گے تو دوزخ میں داخل کرنے کا فیصلہ صادر فرمادیں گے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو دوزخ سے محفوظ رکھیں اور کچھ لوگ ایسے بھی ہونگے کہ جن کی نیکی اور بدی برابر ہوجائینگی، جس کا مطلب ہے کہ ان کی نیکیاں بہت ہی کم ہونگی اور گناہ کچھ زیادہ ہونگے لیکن وزن برابر ہوجائیگا، تو ان لوگوں کے لئے اللہ پاک نے اعراف بنائی ہے، اعراف جنت اور جہنم کی درمیانی جگہ کا نام ہے، وہاں سے انہیں جنت بھی نظر آئیگی اور جہنم بھی نظر آئیگی، اس کے ایک طرف جنت ہوگی اور دوسری طرف جہنم ہوگی اور یہ اعراف نہ جنت میں ہوگی نہ جہنم میں ہوگی، اس کے اندر ان لوگوں کو بھیجا جائیگا جن کی نیکی اور بدی برابر ہونگی، اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو ان کو معاف کرکے جنت میں بھیج دیں گے ورنہ اعراف میں بھیج دیں گے اور اعراف میں جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا وہاں پر رہیں گے، وہاں وہ کبھی جنتیوں کو دیکھیں گے تو للچائیں گے اور دعا کریں گے کہ یا اللہ! آپ ہمیں بھی انہی کے اندر بھیج دیجئے اور کبھی وہ دوزخیوں کو دیکھیں گے تو ان کے عذاب و وبال اور جہنم میں ان کے جلنے کو دیکھیں گے اور ان کے خون و پیپ کو بہتا ہوا دیکھیں گے تو اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگیں گے، ڈریں گے، خوف کھائیں گے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں گے کہ یا اللہ! آپ کا شکر ہے کہ اس جہنم کے عذاب سے آپ نے بچا ہی لیا اور یا اللہ! اپنی رحمت سے جہنم سے بچا کر ہی رکھنا اور آپ مہربانی کرکے جنت میں

پہنچا دینا، بہر حال جو لوگ اعراف میں جائیں گے جب تک اللہ کا حکم ہوگا اس وقت تک وہ وہیں رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی خصوصی مغفرت کا عجیب واقعہ

کسی کے ساتھ عجیب مغفرت اور رحمت کا معاملہ بھی ہوگا، حدیث شریف میں اللہ تعالیٰ کی خصوصی مغفرت کے دو واقعات منقول ہیں، ایک واقعہ یہ آیا ہے کہ ایک شخص کا حساب وکتاب ہوگا اور اس کی نیکیاں اور برائیاں بالکل برابر ہوجائینگی، اس کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جائیگا، اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے کہ اگر تم کہیں سے ایک نیکی لے آؤ تو ہم تمہیں بخش دیں گے، وہ بڑا خوش ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے آج مجھ پر بڑی زبردست مہربانی فرمادی اور ایک نیکی لانے کی مجھے اجازت دیدی، میں ابھی جاتا ہوں اور ابھی لے کر آتا ہوں، میرے ماں باپ بھی ہیں، بہن بھائی بھی ہیں، دوست احباب بھی ہیں، عزیز واقارب بھی ہیں، بیوی بچے بھی ہیں، میں ابھی جاتا ہوں اور ابھی لے کر آتا ہوں، بہت ہی خوش ہوگا اور ہنستا مسکراتا ہوا وہاں سے وہ نکلے گا اور سیدھا اپنے ماں باپ اور دوست احباب کو ڈھونڈنے جائیگا تاکہ ان سے ایک نیکی لے کر جلدی سے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کردے اور اس کی بخشش ہوجائے، دراصل وہ یہ سمجھے گا کہ جس طرح دنیا میں جاننے والے ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں یہاں بھی تعلقات کام آجائیں گے حالانکہ وہاں جاکر زمین آسمان کا فرق ہوجائیگا، اب اس کو راستہ میں ایک دوست ملے گا، وہ اس کا لنگوٹیا یار ہوگا، دنیا میں ایک دوسرے کے ساتھ انہوں نے آپس میں بڑی ہمدردی اور تعاون کیا ہوگا، یہ اس سے کہے گا کہ میں ابھی اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوا ایک نیکی کی کمی پڑ گئی ہے لہٰذا ایک نیکی دیدو، وہ کہے گا کہ کس سے باتیں کر رہے ہو، میں تمہارا کب سے دوست ہوگیا، تم ہو کون، وہ ایسی باتیں کریگا کہ یہ شخص ہکا بکا اور حیران رہ جائیگا، پھر یہ

دوسرے دوست سے ملے گا وہ بھی انکار کردیگا، پھر یہ بہن بھائیوں سے ملے گا وہ بہن بھائی بھی انکار کردیں گے اور کہیں گے کہ تو ہمارا بھائی کہاں سے بن گیا اور ہمیں خود اپنی نیکیوں کی فکر ہے تو ہم سے کہاں سے نیکیاں مانگنے آگیا، پھر وہ اپنے باپ کے پاس جائیگا کہ ابا جان! آپ نے ساری زندگی ہمارے لئے کمایا، ہمیں کھلایا پلایا، پڑھایا، ابا جان! آج ایک نیکی کی ضرورت ہے، مہربانی فرما کر ایک نیکی دیدیں، ابا جان بھی پہچاننے سے انکار کردیں گے اور کہیں گے کہ میرا کوئی بیٹا ہی نہیں ہے، تم کہاں سے میرے بیٹے بن گئے، مجھے خود اپنی نیکیوں کی فکر ہے، تو کہاں سے نیکیاں مانگنے آگیا، چلے جاؤ یہاں سے، وہ شخص حیران ہوجائیگا اور اب اس کا دل بیٹھ جائیگا، پھر وہ اپنی ماں کے پاس جائیگا کہ امی جان! آپ نے ساری زندگی ہماری خاطر بہت قربانیاں دیں، بہت تکلیفیں اٹھائیں، بس آج ایک نیکی کی ضرورت ہے، تمہارا بیٹا ایک نیکی کی کمی کی وجہ سے جنت میں جانے سے رکا ہوا ہے، ایک نیکی دیدو تاکہ تمہارا بیٹا جنت میں چلا جائے، ماں کہے گی کہ تو میرا بیٹا کیسے بن گیا، میرا بیٹا تو نہیں، ماں بھی آنکھیں پھیر لے گی اور وہ دیکھتا ہی رہ جائیگا، یہاں تک کہ اس کے بیوی بچے بھی اس کو پہچاننے سے انکار کردیں گے، وہ حیران ہوجائیگا کہ میرے والدین، دوست احباب، بہن بھائی، بیوی بچے سب ہی مجھے پہچاننے اور ایک نیکی دینے سے کس طرح صاف انکار کررہے ہیں، آج کوئی بھی میرا نہیں، دنیا میں یہ سب مجھ پر اپنی جان قربان کرتے تھے اور آج اس طرح سے جواب دے رہے ہیں جیسے میرا ان سے کوئی رشتہ ہی نہیں، کوئی دوستانہ تعلق ہی نہیں، وہ بڑا افسردہ ہوگا، نہایت حزین اور غمگین ہوگا اور مایوسانہ دربارِ الٰہی کی طرف لوٹ رہا ہوگا تو گزرتے ہوئے راستہ میں ایک آدمی اس کو ملے گا، جو سفید لباس میں لبِ راہ کھڑا ہوگا، وہ اس کو دیکھے گا اور آواز دیگا کہ اے فلاں! ٹھہرو کیا بات ہے، تم بڑے غمگین اور افسردہ ہو، اول وہ اس کی طرف توجہ ہی

نہیں دیگا، جب دو تین دفعہ وہ آدمی آواز دیگا تب وہ ٹھریگا اور کہے گا کہ بڑے میاں کیا کہہ رہے ہو؟ وہ آدمی کہے گا کہ بیٹا میں یہ پوچھنا چاہ رہا ہوں کہ تو اتنا افسردہ اور غمگین کیوں ہے؟ وہ کہے گا کہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوا تھا اور ایک نیکی کی کمی پڑگئی، اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بڑی زبردست مہربانی فرمادی اور ایک نیکی لانے کی مجھے اجازت دیدی کہ اگر تم کہیں سے ایک نیکی لے آؤ ہم تمہیں بخش دیں گے، میں ایک نیکی لینے کے لئے والدین، دوست احباب، بہن بھائی، بیوی بچے سب کے پاس گیا لیکن سب نے ہی مجھے پہچاننے اور ایک نیکی دینے سے صاف انکار کردیا، اس لئے اب میں بہت ہی افسردہ، غمگین اور مایوس لوٹ رہا ہوں، وہ آدمی کہے گا کہ میرا بھی ایک عجیب معاملہ ہے، وہ یہ کہ میرے نامۂ اعمال میں ایک ہی نیکی ہے، جب تیری اتنی ساری نیکیوں سے کام نہیں چلا تو میری ایک نیکی سے کیا کام بنے گا، لہٰذا میں ایسا کرتا ہوں کہ اپنی نیکی تمہیں دے دیتا ہوں تاکہ تمہاری تو نجات اور بخشش ہو جائے، وہ اپنی نیکی اس کو ایثار کردیگا۔

اب یہ شخص بہت ہی خوش ہوگا اور خوشی خوشی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس نیکی کو لے کر جائیگا اور جا کر پیش کردیگا، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ آج تم یہ نیکی کہاں سے لے آئے، تم کو آج یہ نیکی کس نے ایثار کی، وہ کہے گا کہ پروردگارِ عالم! بہت مشکل سے ملی ہے، اپنے تو پرائے نکلے لیکن ایک پرایا اپنا بن گیا، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ کون ہے وہ شخص جو آج کے اس سخت دن بھی اپنی نیکی دینے پر رضامند ہوگیا اور اس نے تم کو یہ نیکی دیدی، ہم اس کے ایثار کو قبول کرتے ہوئے تیری بخشش کرتے ہیں اور ساتھ ہی اس کی بھی بخشش کرتے ہیں۔

یاد رکھنا جن رشتوں کی خاطر ہم گناہ کررہے ہیں، کل ان میں سے کوئی کام آنے والا نہیں ہے، یہ سب دھوکہ کا سامان ہے، بس ان سے اتنا تعلق رکھو کہ ان کے حقوق ادا کرنے ہیں، دل صرف اللہ کے لئے رکھنا چاہئے، وہی ذات

یہاں بھی کام آنے والی ہے اور وہی ذات آخرت میں بھی کام آنے والی ہے، اسی سے ہر چیز کی امید لگائی جاسکتی ہے، باقی مخلوق سے دل لگانا یہ دھوکہ کا سامان ہے، یہ سب بے وفا ہیں، باوفا تو صرف اللہ ہی کی ذات ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مغفرت کا دوسرا عجیب واقعہ

دوسرا واقعہ بھی اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت کا سن لیں، اس کو حضرت مولانا احمد سعید صاحب دہلوی علیہ الرحمۃ نے اپنی تقریرِ سیرت میں نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن ایک عجیب وغریب موقع ایسا آئیگا کہ اللہ تعالیٰ تمام پیغمبروں کو اپنی بارگاہ میں طلب فرمائیں گے، چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہاں تشریف لے جائیں گے، وہاں اللہ تعالیٰ تمام پیغمبروں سے فرمائیں گے کہ جاؤ اور اپنی اپنی امت میں سے چند افراد چن کر لاؤ اور ہماری بارگاہ میں پیش کرو، ہم ان کو بخشیں گے۔

یہ سن کر سارے انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی امتوں کی طرف واپس جائیں گے یہاں تک کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی صحابہ کرام کے پاس تشریف لائیں گے اور آپ پر فکر کے آثار ہونگے، آپ ان کو بتائیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اپنی امت میں سے کچھ لوگوں کو منتخب کر کے ہمارے سامنے پیش کرو، صحابہ کرام آپ سے عرض کریں گے کہ حضور! آپ کو فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے، آپ کی امت میں ایک سے بڑھ کر ایک آفتاب و مہتاب موجود ہے، آپ کی امت میں ایک سے ایک اولیاء موجود ہیں، غوث، قطب، ابدال موجود ہیں، جن کو بھی پیش کریں گے سرخرو ہوجائیں گے، آپ کچھ اچھے اچھے لوگوں کو صحابہ کرام کے مشورے سے منتخب فرمائیں گے اور ان کو لے کر آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچیں گے۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بارگاہِ الٰہی میں پیش فرمائیں گے تو اللہ

تعالیٰ ان کو دیکھ کر فرمائیں گے کہ آپ ان کو کہاں لے آئے، یہ وہ ہیں جن کے اوپر ہم نے نماز فرض کی تھی لیکن ان کی کبھی نفل بھی قضاء نہیں ہوتی تھی، یہ وہ ہیں جن کے اوپر ہم نے رمضان کے روزے فرض کئے تھے لیکن ان کے کبھی نفل روزے بھی نہیں چھوٹتے تھے، یہ وہ ہیں جن پر زکوٰۃ فرض کی تھی لیکن یہ صدقہ، خیرات بھی نہیں چھوڑتے تھے، یہ وہ ہیں جن کے اوپر ایک مرتبہ حج فرض کیا تھا لیکن یہ بار بار حج ادا کرتے رہتے تھے، یہ تو تمام ہی نیک کاموں میں پیش پیش رہتے تھے اور نیکیوں اور بھلائیوں کے حاصل کرنے کے یہ سچے طالب تھے، ان کو آپ یہاں کہاں لے آئے، ان کو بلانا مقصود نہیں تھا بلکہ آپ اپنی امت کے ان لوگوں کو لایئے جن کے اوپر نماز فرض تھی لیکن انہوں نے کبھی مسجد کا دروازہ تک نہیں دیکھا، جن پر رمضان کے روزے فرض تھے لیکن وہ دن بھر کھاتے پیتے رہے، جن پر زکوٰۃ فرض تھی لیکن کبھی میرے راستہ میں ایک پائی خیرات نہیں کی، جن کے اوپر حج فرض تھا لیکن انہوں نے کبھی میرے گھر کا طواف نہیں کیا، غرض مسلمان تو تھے لیکن بہت زیادہ گنہگار تھے، ان کو لے کے آیئے، ہمارا مقصد تو ان کو بلانا تھا۔

یہ سن کر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں گر جائیں گے اور سجدہ میں ہی اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرنے کے بعد عرض کریں گے کہ اے پروردگارِ عالم! آپ میری امت کے گنہگاروں اور خطا کاروں کو دوسری امتوں کے سامنے بلا کر مجھے رسوا فرمائیں گے، ان کو آپ کے سامنے لا کر میری کیا عزت و آبرو رہے گی، لوگ کیا کہیں گے کہ یہ نبی آخر الزماں ہیں اور یہ ان کے نالائق امتی ہیں، پروردگارِ عالم! آپ مجھے اس رسوائی سے بچایئے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ آپ اپنا سر مبارک سجدہ سے اٹھایئے، ہمارا مقصود آپ کو ذلیل کرنا نہیں ہے بلکہ آج ہم گنہگاروں کو بخش کر اپنی شانِ غفاریت کا مظاہرہ کرنا چاہتے ہیں، اس لئے ان کو

بلایا ہے جو گنہگار اور خطا کار ہیں تا کہ آج ہم ان کو بخشیں اور بخشنے والے کہلائیں، ہم معاف کریں اور معاف کرنے والے کہلائیں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائیں گے اور صحابہ کرام کو صورتحال سے آگاہ کریں گے تو صحابہ کرام بھی حیران رہ جائیں گے اور کہیں گے کہ آج اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کا مظاہرہ فرمانا چاہتے ہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے کہ کہاں ہیں نماز نہ پڑھنے والے، روزہ نہ رکھنے والے، زکوٰۃ نہ دینے والے، باوجود استطاعت کے حج نہ کرنے والے، جب ان کو ڈھونڈھنا شروع کیا جائیگا تو وہ پہلے ہی حاضر ہوجائیں گے لیکن اس صف میں بڑے بڑے غوث، قطب، ابدال اور اولیاء اللہ بھی کھڑے ہوجائیں گے، یہاں پر مولانا احمد سعید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شعر کہا ہے:

وہ کرشمے شانِ رحمت نے دکھائے روزِ محشر میں

چیخ اٹھا ہر بے گناہ میں بھی گنہگاروں میں ہوں

ہر شخص عرض کرے گا کہ حضور میں بھی خطا کار اور سیاہ کار ہوں، مجھے بھی لے لیجئے تا کہ میں بھی اللہ تعالیٰ کی شانِ غفاریت کا مورد بن جاؤں اور اللہ تعالیٰ میری بھی مغفرت وبخشش فرمادیں۔ وہاں پر اچانک گنہگاروں کی قیمت بڑھ جائیگی کہ آج اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوگی اور ہماری بخشش ہوگی۔

اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں اپنی رحمت سے بخش دیں اور جب چاہیں بخش دیں، اللہ تعالیٰ پر کسی کی اجارہ داری نہیں ہے۔

گناہ مٹانے کا ایک اور طریقہ

ایک حدیث میں ہے کہ پورے ہفتہ انسان جو کچھ کرتا ہے جمعرات کو فرشتے اس کا پورا اعمال نامہ لے کر بیٹھ جاتے ہیں اور جو کچھ اس نے پورے ہفتہ

میں کیا ہوتا ہے اس کے تین حصہ کرتے ہیں، تمام نیکیاں ایک طرف کر لیتے ہیں، سارے گناہ ایک طرف کر لیتے ہیں اور جتنے اس نے مباح کام کئے ہیں جن میں نہ نیکی ہے نہ بدی، نہ ثواب نہ عذاب، ان کو الگ کر لیتے ہیں، پھر جو جائز اور مباح کام ہیں، ان کو ایک طرف پھینک دیتے ہیں کہ اس کے رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ ان میں نہ ثواب ہے نہ عذاب، ان کو وہیں پر ختم کر دیتے ہیں، نیکیاں اور گناہ آئندہ کے لئے محفوظ کر لیتے ہیں، ایک بزرگ کو چونکہ یہ حدیث معلوم تھی اس لئے انہوں نے اپنا یہ معمول بنا رکھا تھا کہ جمعرات آتے ہی ہفتہ بھر کے گناہوں کی معافی مانگ لیتے تھے کہ آج پورے ہفتہ کا میرا کھاتہ کھلے گا میں پہلے ہی استغفر اللہ کہہ دوں اور پہلے ہی اللّٰھمّ اغفرلی کہہ کر اپنے ہفتہ بھر کے گناہ معاف کروالوں تو فرشتہ کیا رکھیں گے سوائے نیکیوں کے، جو جائز اور مباح کام ہیں وہ ختم کر دیئے جائیں گے، گناہ پہلے ہی توبہ کے ذریعہ مٹ چکے ہونگے، اب میری نیکیاں سنبھال لیں گے، وہ آگے کام آئینگی انشاء اللہ تعالیٰ۔ یہ ہے عقلمندی، یہ ہے سمجھ اور فہم، یہ ہیں چند عمل کرنے کی باتیں۔

دوسری نصیحت کا خلاصہ

خلاصہ یہ کہ یہ نصیحت ساری زندگی یاد رکھنے کی ہے کہ جب بدی ہو جائے فوراً نیکی کر لیا کرو اور نیکی میں توبہ واستغفار بھی داخل ہے اور توبہ واستغفار میں دیر ہی نہیں لگتی، ہاں اگر کسی بندہ کی حق تلفی ہوگئی ہے تو اس میں توبہ کی تکمیل کے لئے ضروری ہے کہ اس سے بھی معاف کرایا جائے یا اس کا حق ادا کر دیا جائے۔ بہر حال توبہ واستغفار کو اور اس کے علاوہ نیک کاموں کو اپنا معمول بنایا جائے اور صبح سے شام تک اللہ پاک نے جو بے شمار نیک کام رکھے ہیں، آدمی ان نیک کاموں کو اپنا معمول بنالے، سب سے بڑا معمول نماز ہے کہ پانچوں وقت نماز باجماعت ادا کرنے کا اہتمام کرے، وضو بھی سنت کے مطابق کرنے کا اہتمام

کرے، غسل بھی تقریباً روزانہ ہی کیا جاتا ہے اس کو بھی سنت کے مطابق کرنے کا معمول بنالے اور اس کے علاوہ تلاوت ہے، ذکر و تسبیح ہے، چلتے پھرتے اللہ کا ذکر ہے، یہ چلتے پھرتے اللہ کا ذکر کرنا اتنی بڑی نعمت ہے کہ زبان سے " سبحان اللہ ، الحمد للہ، اللہ اکبر یا لاالہ الا اللہ " کہتا جارہا ہے اور آنکھ بہک گئی، کانوں نے غلط سن لیا، زبان سے کوئی غلط بات نکل گئی تو زبان سے جاری ذکر اللہ اس کا کفارہ ہوجائیگا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ذکر اللہ ایسی آسان چیز عطا فرمائی ہے کہ اگر کوئی اس کا عادی ہوجائے تو انشاء اللہ تعالیٰ اس کے گناہ نیکی سے نہیں بڑھ سکیں گے، لہٰذا صبح شام اپنی زبان کو ذکر اللہ سے تر رکھے، دل و دماغ میں گندے خیالات قصداً نہ لائے، غیر اختیاری طور پر آتے رہیں تو ان کو بھگاتا رہے، حرام اور ناجائز کام جو آج کل رائج ہیں، ان سے بچنے کی کوشش کرتا رہے اس طرح روزانہ کا حساب روزانہ برابر ہوتا رہیگا، دوسری نصیحت یہ ہوئی کہ جب تم سے کوئی بدی یا گناہ ہوجائے اس کے فوراً بعد نیکی کرلو، وہ نیکی اس گناہ کو مٹادیگی، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

دُنیا و آخرت کی برکات کا حصول

اَللّٰهُمَّ

صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ

وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلِّمْ بِعَدَدِ مَا فِيْ

جَمِيْعِ الْقُرْاٰنِ حَرْفًا حَرْفًا وَبِعَدَدِ

كُلِّ حَرْفٍ اَلْفًا اَلْفًا

دُنیا اور آخرت کی برکتیں حاصل کرنے کے لئے اپنے وظائف و معمولات کے ختم پر یہ درود شریف پڑھ لیا کریں۔(ص ۱۹۲)

مخلوقِ خدا سے کچھ مت مانگو

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی دامت برکاتہم
نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ضبط و ترتیب
حبیب اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
دکان نمبر ۲۹، نایاب جامع مسجد، لیاقت آباد کراچی ۱۹

مقامِ خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
: گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی بیانات : جلد نمبر ۱۰

مخلوقِ خدا سے کچھ مت مانگو

تیسری نصیحت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کثیراً کثیراً۔

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنْ تَجْتَنِبُوْا کَبٰٓئِرَ مَا تُنْھَوْنَ عَنْہُ نُکَفِّرْ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَنُدْخِلْکُمْ مُّدْخَلًا کَرِیْمًا ○

(سورۃ النسآء: ۳۱)

تمہید

میرے قابلِ احترام بزرگو اور محترم خواتین! حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث جس میں نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جو پانچ نصیحتیں فرمائی تھیں، ان کے سلسلہ میں بیان چل رہا ہے، پانچ نصائح میں سے دو نصیحتوں کا بیان ہو چکا ہے، ایک نصیحت کا بیان انشاء اللہ تعالیٰ آج اس وقت ہوگا۔

پچھلے بیان میں عرض کیا تھا کہ اس حدیث شریف کو بیان کرنے کے لئے اس لئے منتخب کیا ہے کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نصیحتیں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بیان فرمائی تھیں، ان کو بیان کرنے سے پہلے چھ دن تک برابر آپ روزانہ ان کو تاکید فرماتے رہے کہ اے ابوذر! میں تم کو کچھ باتیں بتانے والا ہوں، ان کو تم توجہ سے سننا، ان کو یاد رکھنا، ان میں غور کرنا اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرنا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ باتیں اور نصیحتیں کتنی اہم ہیں، بس اسی لئے میں نے اس حدیث شریف کو بیان کرنے کے لئے منتخب کیا ہے تاکہ ہم بھی نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اہم ارشاد کو توجہ سے سنیں، ان کو یاد رکھیں، ان میں غور کریں اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔

پانچ نصیحتیں

ان پانچ نصائح میں سے پہلی نصیحت یہ تھی کہ تم اپنے ظاہر اور باطن میں تقویٰ کا اہتمام کرو، دوسری نصیحت یہ فرمائی کہ جب تم سے کوئی بدی ہو جائے، گناہ اور غلطی ہو جائے تو اس کے فوراً بعد نیکی کرلو، وہ نیکی اس گناہ کو مٹا دیگی، تیسری نصیحت یہ فرمائی کہ تم مخلوق میں سے کسی سے کوئی چیز مت مانگو، کسی کے سامنے اپنی حاجت پیش نہ کرو، اپنی ضرورت کسی انسان سے مت طلب کرو

یہاں تک کہ تمہارا کوڑا بھی زمین پر گر جائے تو خود اٹھالو، کسی سے اٹھانے کے لئے نہ کہو، چوتھی نصیحت یہ فرمائی کہ تم کسی کی امانت اپنے پاس مت رکھو اور پانچویں نصیحت یہ فرمائی کہ تم دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ کرنے والا مت بنو، ان پانچ نصائح میں سے پہلی دو نصیحتوں کے بارے میں تفصیلاً بات ہو چکی ہے آج تیسری نصیحت کا بیان ہوگا۔

تیسری نصیحت کی تفصیل

تیسری نصیحت یہ فرمائی کہ ''تم مخلوق میں سے کسی سے کوئی چیز مت مانگو، کسی کے سامنے اپنی حاجت پیش نہ کرو، اپنی ضرورت کسی انسان سے مت طلب کرو یہاں تک کہ تمہارا کوڑا بھی زمین پر گر جائے تو خود اٹھالو، کسی سے اٹھانے کے لئے نہ کہو''۔

یہ اعلیٰ درجے کے توکل کی تعلیم ہے

اس نصیحت میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو انتہائی اعلیٰ درجہ کے توکل کی تعلیم دی ہے اور توکل کی تعلیم و تلقین سے قرآن و حدیث بھرے ہوئے ہیں، لہٰذا یوں سمجھو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو توکل اختیار کرنے کی نصیحت فرمائی ہے۔

یہ نصیحت ہر مسلمان کے لئے ہے کہ ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ اپنے تمام معاملات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر کے اسی پر بھروسہ رکھے اور اس میں اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اپنے چھوٹے چھوٹے کام بھی مخلوق سے نہ کرائے بلکہ از خود کرے اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگے، وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ بندہ میرے سامنے ہاتھ پھیلائے، مخلوق کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائے، چاہے وہ ہاتھ پھیلانا

جائز ومباح ہو، کیونکہ کسی سے کوئی چھوٹے موٹے کام کرانا کوئی گناہ نہیں ہے، لیکن اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ بندہ اپنے چھوٹے چھوٹے کام کے متعلق بھی مجھ سے کہے کہ یا اللہ! یہ کام بھی کردیجئے اور یہ کام بھی کردیجئے، اس لئے کہ دوسرے کے سامنے ہاتھ پھیلانے اور دوسروں سے کام کرانے میں ذلت ہے اور اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ میرا بندہ کسی کے سامنے ذلیل نہ ہو، بس میرے سامنے عاجز بنا رہے، میرے سامنے ذلیل وخوار ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ذلیل ہونا دراصل عزیز ہونا ہے، اللہ تعالیٰ کے سامنے خوار ہونا عزت والا ہونا ہے، جو اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے آپ کو عاجز بنائے رکھتا ہے، اپنی پستی کا اظہار کرتا ہے، عاجزی اور ذلت کو اختیار کرتا ہے تو اس کو بڑی عزت سے نوازا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو سربلندی عطا فرماتے ہیں، اس کو اعزاز واکرام سے مالا مال فرماتے ہیں اور خالق کو چھوڑ کر مخلوق کے سامنے جو بھی ہاتھ پھیلائیگا اور جو بھی اپنی حاجت ان کے سامنے پیش کریگا وہاں ذلت ورسوائی ہے، وہاں پر حقیقت میں آدمی اپنے آپ کو کمتر محسوس کرتا ہے، لہٰذا اس سے پرہیز کرنے کے لئے کہا ہے۔

توکل کے معنی

اصل میں توکل کے معنی آتے ہیں کسی پر بھروسہ کرکے اور اپنا کام اس کے حوالہ کرکے بےفکر ہوجانا، یہ ہے توکل کے معنی، تو بندہ اپنی ساری حاجتیں، ضرورتیں، سارے کام دنیا کے بھی اور آخرت کے بھی اللہ تعالیٰ کے حوالہ کرکے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرکے بےفکر ہوجائے اور جو کچھ انہوں نے کہا ہے بس اس کے مطابق کرتا رہے، اب یہ راستہ بالکل سو فیصد نجات کا ہے، کامیابی وکامرانی کا ہے، اسی میں ہم سے غلطی ہوجاتی ہے، ہم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسری مخلوق پر بھروسہ کرلیتے ہیں تو اس کا نتیجہ سامنے آجاتا ہے، ناکامی ہوتی ہے، ذلت ورسوائی ہوتی ہے۔

توکل کے درجات

توکل اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا نام ہے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کے تین درجات ہیں، ایک ادنیٰ، ایک درمیانہ اور ایک اعلیٰ۔

توکل کا ادنیٰ درجہ

توکل کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ کسی شخص نے اپنا کوئی کام اللہ تعالیٰ کے حوالہ کر دیا مگر برائے نام یعنی اس کام کو انجام دینے کے لئے جتنے اسباب وذرائع ہیں جو کہ مخلوق ہیں ان کو اختیار کرتا ہے اور نظر بھی انہی پر رہتی ہے، مثلاً روزی دینے والے اللہ تعالیٰ ہیں، انہوں نے دنیا کے اندر روزی حاصل کرنے کے کچھ اسباب پیدا فرمائے ہیں جیسے چھوٹے بچوں کے لئے ان کے ماں باپ ہیں، اپنے پیروں پر کھڑے ہونے تک ماں باپ کے ذریعہ ان کی ضرورتیں پوری ہوتی رہتی ہیں اور جب کمانے کے قابل ہوتے ہیں تو کوئی کارخانہ لگالیتا ہے، کوئی دکان کرلیتا ہے، کوئی ملازمت اختیار کرلیتا ہے، ان ذرائع سے ان کو روزی پہنچتی رہتی ہے۔ تو ادنیٰ درجہ کا توکل یہ ہے کہ ایمان تو ہے کہ اللہ تعالیٰ روزی دینے والے ہیں لیکن ہر وقت ہر دم اس کے اوپر دکان ہی سوار ہے، ہر وقت ہر دم کارخانہ ہی اس کے ذہن میں بیٹھا ہوا ہے اور جتنے ذرائع سے اس کی تمام ضروریات پوری ہوتی ہیں اور کام ہوتے ہیں بس انہی میں رات دن وہ منہمک رہتا ہے اور وہی چیزیں اس کے ذہن پر سوار رہتی ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف خیال ہی نہیں جاتا کہ اصل دینے والے وہ ہیں، یہ ایمان کے درجہ میں تو ہے، لیکن جہاں روزی میں ذرا سی کمی ہو یا پریشانی ہو فوراً زبان پر یہ الفاظ ہوتے ہیں کہ فلاں نے پیسے دبالئے، دکان فیل ہوگئی، کاروبار خراب ہوگیا، ملکی حالات بہت زبردست خراب ہیں، معیشت تباہ ہوگئی اس لئے کارخانہ نہیں چل رہا، اللہ تعالیٰ کا کہیں ذکر ہی نہیں

آرہا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے کہ '' وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُطُ '' اللہ تعالیٰ ہی روزی تنگ فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی روزی فراخ فرماتے ہیں مگر اس کی طرف ذہن نہیں جاتا، اسباب ہی کی طرف ذہن جاتا ہے۔

اسباب میں کچھ نہیں

ان اسباب میں کیا رکھا ہوا ہے، دکان تھوڑی آدمی کو روزی دیتی ہے روزی اللہ پاک دینے والے ہیں، اگر دکان روزی دیتی تو ایک جیسی دکان میں بیٹھنے والے سب کو برابر روزی ملتی لیکن ایک جیسی دکانیں ہیں، سارے ایک جیسا کپڑا لے کر بیٹھے ہوئے ہیں لیکن ایک کی دن دگنی رات چوگنی ترقی ہو رہی ہے اور دوسرا گاہک کو ترس رہا ہے، معلوم ہوا کہ دکان نہیں دیتی بلکہ اللہ تعالیٰ روزی دیتے ہیں مگر وہ دکان کی تسبیح پڑھ رہا ہے، وہ رات دن کہتا ہے کہ میرے پاس فلاں مال نہیں ہے، فلاں ورائٹی نہیں ہے، فلاں کمپنی کا سامان نہیں ہے، اس لئے گاہک میرے پاس نہیں آتا اور دوسرے کے پاس سب ہے، اس لئے گاہک اس کے پاس جاتے ہیں، لہٰذا یہ توکل انتہائی عامیانہ اور انتہائی ادنیٰ اور کم درجہ کا ہے کہ جس کے اندر ایمان کی حد تک اللہ پاک پر بھروسہ ہے لیکن عملی طور پر اس کے دل دماغ میں دنیا بسی ہوئی ہے، مخلوق بیٹھی ہوئی ہے اور اسی سے لینا دینا اور آنا جانا، ملنا جلنا اس کے دل میں بیٹھا ہوا ہے کہ فلاں نے ایسا کر دیا اور فلاں نے ایسا کر دیا، اس لئے نقصان ہو گیا اور میں نے یہ دانشمندی کی مجھے یہ نفع ہو گیا حالانکہ نہ تیری عقل کا بھروسہ نہ تیرے ساتھ کسی کے کچھ کرنے کا کوئی اعتبار، یہ سب مخلوق ہیں، ان کے ہاتھ میں کیا ہے؟ یہ تو ادنیٰ درجہ کا توکل ہے۔

توکل کا درمیانہ درجہ

توکل کا درمیانہ درجہ یہ ہے کہ آدمی اسباب اختیار کرے لیکن نظر اسباب

کے اوپر نہ ہو بلکہ مسبب الاسباب پر ہو، بس کام چھوٹا ہو یا بڑا، پہلی نظر اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف ہو کہ اے اللہ! میرا یہ کام آپ کے سوا کوئی اور نہیں کرنے والا، آپ اپنی رحمت سے کروا دیجئے، پھر اس کے جو جائز اسباب ہیں وہ سب اختیار کرتا ہے لیکن اسباب کو کچھ سمجھتا نہیں ہے بلکہ اس کے ذہن میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کریں گے تو ہو جائیگا ورنہ کچھ نہیں ہونے کا۔

مثلاً بیمار ہو گیا تو بیمار ہوتے ہی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوا کہ پروردگارِ عالم! میری طبیعت خراب ہو گئی، آپ شفاء دینے والے ہیں، آپ کے سوا کوئی شفاء دینے والا نہیں ہے، آپ اپنی رحمت سے شفاء عطا فرما دیجئے، پھر اس کے بعد ڈاکٹر کے پاس بھی چلا جائے اور دوائی لے لے، اب دوائی اپنے ہاتھ میں ہے مگر دل اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، اس کا اعتقاد یہ ہے کہ ڈاکٹر نے جو گولی دی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہے، اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا تو اس سے فائدہ ہو جائیگا اور اگر ان کو منظور نہیں ہوگا تو ایک کیا دس دفعہ کھالوں پھر بھی کچھ نہیں ہوگا یا مثلاً روزی میں تنگی ہے تو اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کر رہا ہے کہ یا اللہ! اپنی رحمت سے روزی فراخ فرما دیجئے، آپ ہی کے قبضہ میں آسمان وزمین کے دروازے ہیں، آپ جب چاہیں اپنے بندوں پر ان کے دھانے کھول دیں اور رحمتوں کی بارشیں برسا دیں، روزی کے دروازے کھول دیں اور اگر آپ دروازے بند کر دیں تو یا اللہ! کوئی روزی دینے والا نہیں، اے اللہ! میری روزی میں تنگی ہے، آپ اپنی رحمت سے مجھ پر اپنی روزی کے دروازے کھول دیجئے، میری تنگی کو فراخی میں تبدیل فرما دیجئے، پھر اس کے بعد اسباب کی طرف بھی متوجہ ہو جائے کہ ملازمت کے لئے انٹرویو دے، کاروبار کے لئے دکان تلاش کرے، لیکن اس کی سوچ یہی ہے کہ یہ سب صرف ہماری کوشش ہے اور یہ کوشش بھی اس لئے کر رہے ہیں کہ ان کا حکم ہے، کیونکہ اللہ پاک نے ہم کو دار الاسباب میں بھیجا

ہے اور اسباب اختیار کرنا ان کا حکم ہے لہٰذا میں اختیار کرتا ہوں لیکن ان میں ہے کچھ بھی نہیں، سب کچھ انہی کے پاس ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ

ایک قصہ یاد آگیا، وہ سنا دوں کہ اللہ پاک کے دینے ہی سے سب کچھ ہوتا ہے اور وہی سب کچھ دینے والے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک مرتبہ کوہِ طور پر تشریف لے جارہے تھے راستہ میں ایک شخص ملا اور اس نے حضرت سے پوچھا کہ حضرت! آپ کہاں تشریف لے جارہے ہیں؟ حضرت نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہونے کے لئے کوہِ طور پر جارہا ہوں، اس نے کہا کہ حضرت! آپ کلیم اللہ ہیں، اللہ تعالیٰ سے براہِ راست ہمکلام ہوتے ہیں، میری بھی ایک درخواست اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش فرمادیجئے گا، یہ آپ کا مجھ پر بڑا ہی احسان ہوگا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ بتاؤ کیا بات ہے؟ اس نے کہا کہ حضرت! جب سے میں نے آنکھ کھولی ہے، گھر میں فقر و فاقہ کے سوا کچھ نہیں دیکھا، فقر و فاقہ کی حالت میں میرا بچپن گزرا، جوانی آئی، اب بڑھاپا آگیا، آج تک میں نے نہ سونا دیکھا نہ چاندی، نہ کوئی فراخی دیکھی نہ کوئی خوشحالی، ہمیشہ تنگی میں ہی میں نے وقت گزارا اور فقر و فاقہ میں اتنا مبتلا ہوگیا کہ اب بالکل میں اس کے برداشت کرنے سے عاجز ہوں اور جی چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی کچھ فراخی اور کشادگی عطا فرمادیں، میں نے اپنے تئیں بہت کوشش کی، سب کچھ کرلیا لیکن جتنی کوشش کی اتنا ہی فقر و فاقہ میں اضافہ ہوا اس میں کمی نہیں آئی، حضرت! آپ اللہ تعالیٰ سے گفتگو کرنے والے ہیں اور روزی کے مالک اللہ تعالیٰ ہی ہیں، آپ میری بھی درخواست اللہ تعالیٰ سے کردیجئے گا کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی فراخی عطا فرمادیں، کچھ میں بھی کھاپی لوں، اب چند دن دنیا میں باقی ہونگے موج کرکے جاؤں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تمہاری درخواست اللہ تعالیٰ

کے سامنے پیش کر دونگا، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہوئے تو عرض کیا کہ یا اللہ آپ علیم وخبیر ہیں، آپ کا ایک بندہ راستہ میں ملا تھا اور اس نے یہ درخواست کی ہے کہ اس کو بھی کچھ فراخی مل جائے، وہ بھی کچھ دنیا چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ! دنیا تھوڑی دوں یا زیادہ، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ یا اللہ! جب آپ دے ہی رہے ہیں تو اتنا دیدیجئے کہ اس کا اگلا پچھلا سب حساب برابر ہو جائے اور اس کی ساری تکلیف دور ہو جائے، اللہ تعالیٰ نے یہ درخواست قبول فرمالی، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں سے فارغ ہوئے اور واپس پلٹے تو سوچا کہ چلو اس سے بھی ملتے چلیں، اب اس کے گھر گئے اور دروازے پر دستک دی صاحبزادے باہر آئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ والد صاحب کہاں ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ ان کا تو کل انتقال ہو گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام حیران رہ گئے کہ یا اللہ! ابھی کل دعا قبول ہوئی ہے اور کل ہی اس کا انتقال بھی ہو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس لڑکے سے دوبارہ پوچھا کہ واقعی ان کا کل انتقال ہو گیا اس نے کہا کہ جی ہاں، انہوں نے ہی آپ سے دعا کا کہا تھا، پھر ان کا کل انتقال ہو گیا، اب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور عرض کیا کہ پروردگارِ عالم! میری دعا آپ نے قبول فرمالی تھی اور یہ بھی فرمایا تھا کہ اس کو بہت دے دیا لیکن اس کا انتقال ہی ہو گیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے تم سے پوچھا تھا کہ دنیا تھوڑی دوں یا زیادہ؟ تم نے کیا کہا تھا؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ میں نے کہا تھا کہ اس کو زیادہ دیدیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر اس کو پوری دنیا بھی دیدیتے وہ بھی مچھر کے پر کے برابر ہی ہوتی، تو کیا ہم اس کو زیادہ دینے کا کہہ کر بھی ایک مچھر کا پر دیتے؛ زیادہ دیں گے تو اپنی شان کے مطابق دیں گے، لہٰذا دنیا میں زیادہ دینا ممکن نہیں تھا، ہم نے اس کو اپنے پاس بلا کر آخرت دیدی اور آخرت کسی کو دیں تو ہم کہہ سکتے

ہیں کہ ہاں ہم نے بہت دیا، ورنہ دنیا کی حیثیت ایک مچھر کے پر سے زیادہ نہیں، لہٰذا تم سے جو کہا تھا وہی کیا۔ یاد رہے کہ سب کچھ دینے والے تو اللہ پاک ہی ہیں، لہٰذا توکل کا درمیانہ درجہ یہ ہے کہ آدمی اسباب اختیار کرے، صحت کے لئے بھی، روزی کے لئے بھی، مقدمہ میں کامیاب ہونے کے لئے بھی، لیکن اول تا آخر نظر اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہو کہ وہی کرنے والے ہیں، وہی کریں گے، انہی کے کرنے سے ہوگا، ان چیزوں سے کچھ نہیں ہوسکتا مگر اسباب جائز اختیار کرے، ناجائز اختیار نہ کرے اور اختیار کرنے کے بعد نظر ان اسباب پر نہ رکھے بلکہ نظر صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر رکھے، یہ ہے درمیانہ درجہ اور یہی شریعت کے اندر مطلوب ومقصود ہے اور یہی مسنون ہے، اسی کو اختیار کرنا چاہئے۔

توکل کا اعلیٰ درجہ

توکل کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اسباب بھی اختیار نہ کرے، بس اللہ ہی پر بھروسہ رکھے کہ وہی کھلائیں گے، وہی پلائیں گے، وہی پہنائیں گے، وہی عطا فرمائیں گے اور اسباب بالکل اختیار نہ کرے یہاں تک کہ درخواست بھی نہ کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو سب معلوم ہے، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں ڈالا جارہا تھا تو ایک فرشتہ آپ کے پاس آیا اور اپنی خدمت پیش کی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ کوئی خود خدمت پیش کرنا چاہتا ہے تو مجھے درکار نہیں ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے تو کہنے کی ضرورت نہیں، انہیں سب معلوم ہے، لہٰذا وہ خود ہی حفاظت فرمائیں گے کہ میں آگ میں جارہا ہوں، انہیں معلوم ہے کہ میں آگ میں جارہا ہوں اور کن کے حکم سے جارہا ہوں، سب ان کو معلوم ہے، پھر بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ بہت اعلیٰ درجہ کا توکل ہے، اسی اعلیٰ درجہ کے توکل کی اس جملہ میں نصیحت فرمائی ہے کہ تمہارا کوڑا بھی زمین پر گر جائے تو کسی مخلوق سے مت مانگنا، خود ہی اتر کر اٹھالینا اور اللہ تعالیٰ کی طرف

ہی توجہ رکھنا۔ یہ اعلیٰ درجہ کا توکل ہے اور یہ عام لوگوں کے لئے نہیں ہے، بلکہ خاص لوگوں میں سے بھی خاص الخاص لوگوں کے لئے ہے۔

توکل کا درمیانہ درجہ مطلوب ہے

ہمارے لئے درمیانہ درجہ ہے، جو اس سے پہلے بیان کیا گیا، وہی آسان ہے، وہی پُر عافیت ہے اور وہی ہمارے لئے مناسب ہے اور قرآن وحدیث میں عام طور پر اسی کے اختیار کرنے کا ذکر ہے، لہٰذا اسی کو اختیار کرنا چاہئے۔

توکل سے پہلے سچی توبہ کریں

اس نصیحت میں اعلیٰ درجہ کے توکل کی تعلیم ہے اور توکل توحید وایمان کا تقاضہ ہے کہ آدمی اپنے چھوٹے سے چھوٹے کام میں بھی اور بڑے سے بڑے کام میں بھی اللہ ہی پر بھروسہ رکھے اور اللہ ہی پر نظر رکھے، جو بھی کام پیش آجائے اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر کہنے کا معمول بنالے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے آدمی اپنے گناہوں کی گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے، یہ کاموں میں جو رکاوٹ ہوتی ہے وہ گناہوں کی وجہ سے ہوتی ہے ورنہ آدمی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بھروسہ کرے، گڑگڑائے اور کام نہ ہو، یہ ممکن نہیں، یہ جو ہم دیکھتے رہتے ہیں کہ روتے بھی ہیں اور دعا بھی کرتے ہیں اور پھر بھی کام نہیں بنتے اس کی ایک وجہ یہ ہوتی ہے کہ ہمارے گناہ بہت ہیں اور وہ گناہ ہماری دعا کی قبولیت میں رکاوٹ بن جاتے ہیں، لہٰذا جب بھی کوئی تکلیف یا پریشانی آئے سب سے پہلے اپنے گناہوں کی جی بھر کے معافی مانگے اور جی بھر کر معافی مانگنے کا مطلب گناہوں کو چھوڑنا بھی ہے، یہ بہت بڑی کوتاہی ہم لوگ کرتے ہیں کہ توبہ کرتے ہیں لیکن پہلے سے دل میں یہ ارادہ ہوتا ہے کہ گناہ چھوڑیں گے نہیں، یہ لفظی اور زبانی توبہ ہوگئی،

حقیقی توبہ اس کو نہیں کہتے اور جب ہم حقیقی توبہ ہی نہیں کر رہے ہے تو ہم کیسے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مستحق بنیں گے، سچی توبہ کا مطلب یہ ہے کہ واقعی اس وقت دل میں ہم یہ تہیہ کرلیں کہ یا اللہ! اب گناہوں کے پاس بالکل نہیں جاؤنگا، اب آپ ہی کو راضی کرونگا، دل سے گناہ سے بچنے کا پکا عہد کرے، پرانے گناہوں پر نادم اور شرمندہ ہو اور آئندہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کر کے پھر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے تو وہ گناہ انشاء اللہ تعالیٰ معاف ہو جائیگا، پھر جب اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور توکل کر کے کہے گا کہ یا اللہ! میری یہ بگڑی بنا دیجئے، یہ پریشانی دور فرما دیجئے، یہ مشکل حل فرما دیجئے، تو ضرور اللہ تعالیٰ کی مدد آئیگی انشاء اللہ تعالیٰ۔

خلاصۂ نصیحت

ہمیں چونکہ توکل کا درمیانہ درجہ اختیار کرنا ہے اس لئے جتنے جائز اسباب وذرائع ہیں جن میں ذلت نہ ہو، جن میں بے عزتی نہ ہو، جن میں رسوائی نہ ہو یہاں تک کہ اپنے بے تکلف احباب ہوں یا اعزہ واقربہ ہوں، ان سے بھی اگر کوئی کام لینا چاہیں اس کی بھی اجازت ہے مگر اس میں بھی نظر اللہ تعالیٰ پر ہی رہے کہ یہ سب صرف ذرائع اور اسباب ہیں، ان سے میں کام لینا چاہتا ہوں لیکن یہ کام جب ہی کریں گے جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا، اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہوگا تو نہ بیوی کام آئیگی، نہ شوہر کام آئیگا، نہ ماں باپ کام آئیں گے، نہ بہن بھائی کام آئیں گے اور روزانہ ہم اپنی آنکھوں سے بھی اس کا مشاہدہ کرتے ہیں لیکن جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے تو ایسی جگہ سے کام ہو جاتا ہے جہاں وہم وگمان بھی نہیں ہوتا اور جب اللہ پاک نہیں چاہتے تو جہاں یقین ہوتا ہے وہاں پر بھی آدمی ناکام ہو جاتا ہے، دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس نصیحت پر ہمیں دل وجان سے عمل کی توفیق عطا فرمائیں اور باقی نصائح پر بھی عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین

امانت نہ رکھنا اور ثالث نہ بننا

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی دامت برکاتہم
نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ضبط و ترتیب

حبیب اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
دکان نمبر ۲۹، نایاب جامع مسجد، لیاقت آباد کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم

: گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی بیانات : جلد نمبر ۱۰

امانت نہ رکھنا اور ثالث نہ بننا

چوتھی اور پانچویں نصیحت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ○

(سورة الانعام: ۱۲۰)

تمہید

میرے قابلِ احترام بزرگو اور محترم خواتین! حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث جس میں نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پانچ نصیحتیں فرمائی تھیں، ان پانچ نصائح میں سے پہلی نصیحت یہ تھی کہ تم اپنے ظاہر اور باطن میں تقویٰ کا اہتمام کرو، دوسری نصیحت یہ فرمائی کہ جب تم سے کوئی بدی ہو جائے، گناہ اور غلطی ہو جائے تو اس کے فوراً بعد نیکی کرلو، وہ نیکی اس گناہ کو مٹا دیگی، تیسری نصیحت یہ فرمائی کہ تم مخلوق میں سے کسی سے کوئی چیز مت مانگو، کسی کے سامنے اپنی حاجت پیش نہ کرو، اپنی ضرورت کسی انسان سے مت طلب کرو یہاں تک کہ تمہارا کوڑا بھی زمین پر گر جائے تو خود اٹھالو، کسی سے اٹھانے کے لئے نہ کہو، ان تینوں نصائح کے بارے میں تفصیلاً باتیں بیان ہو چکی ہیں، چوتھی نصیحت آپ نے یہ فرمائی کہ تم کسی کی امانت اپنے پاس مت رکھو اور پانچویں نصیحت یہ فرمائی کہ تم دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ کرنے والا مت بنو۔

چوتھی نصیحت ''کسی کی امانت مت رکھو''

چوتھی نصیحت یہ ہے کہ ''کسی کی امانت اپنے پاس مت رکھو'' یہ بڑی ہی اہم نصیحت ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ بلاضرورت کسی کی امانت اپنے پاس مت رکھو، اس لئے کہ امانت کو حفاظت سے رکھنا اور اس میں ہر قسم کی خیانت سے پرہیز کرنا، یہ بڑی اہم ذمہ داری ہے، امانت رکھنا تو اتنا ضروری نہیں ہے لیکن جب رکھ لی تو اس کی ذمہ داری بڑی اہم ہے کہ اس کی حفاظت کرنے کا جس طرح حق ہے، اس طرح اس کی حفاظت کرے، سنبھال کر رکھے، دھیان سے رکھے اور اس کو اپنے ذاتی استعمال میں نہ لائے، نیز کسی اور کو استعمال کرنے کے لئے نہ دے، نہ اپنے گھر والوں کو دے، نہ اپنے دوستوں کو دے اور جس حالت میں کسی

نے امانت رکھوائی ہے، اسی طرح ٹھیک ٹھیک اس کو واپس پہنچادے۔

اب اس احتیاط کے ساتھ رکھنا کوئی معمولی ذمہ داری کی بات نہیں ہے، اس کے اندر ہر وقت امانت میں خیانت ہو جانے کا اور امانت کے ضائع ہو جانے کا خطرہ ہے، بعض صورتوں میں آدمی کی اپنی کوتاہی، غفلت اور لاپرواہی کی وجہ سے بھی امانت ضائع ہو جاتی ہے تو اس کا تاوان دینا پڑتا ہے، رکھنا تو کوئی ضروری نہیں تھا لیکن تاوان دینا اس کے ذمہ واجب ہوگا، اس لئے فرمایا جارہا ہے کہ بلاضرورت اور بلاوجہ کسی کی امانت اپنے پاس مت رکھو، اگر رکھو تو اچھی طرح سوچ سمجھ کر رکھو، ذمہ داری کو محسوس کرو، خیال کرو، دھیان کرو، اس کی حفاظت کرو جس طرح اس کی حفاظت کرنے کا حق ہے تاکہ اس کے اندر کسی قسم کی خیانت نہ ہو اور چونکہ ہمارے اندر تقویٰ نہیں ہے، طہارت نہیں ہے، خوف خدا جو ہونا چاہئے وہ نہیں ہے، تو اس بات کا بھی خطرہ ہے کہ کسی وقت آدمی خود خیانت نہ کر بیٹھے اور خیانت کرنا بھی بہت بڑا گناہ ہے، رکھنا ضروری نہیں تھا اور رکھ کر پھر خیانت کر بیٹھے تو ایک بہت بڑا سنگین گناہ ہو گیا۔

امانت رکھنے میں بدنامی کا خطرہ

امانت رکھنے میں بدنامی کا خطرہ بھی موجود ہے، بالفرض آپ نے کوئی خیانت نہیں کی لیکن بعض لوگ شکی مزاج ہوتے ہیں، آپ نے مروّت میں امانت رکھ لی اور انہوں نے آپ کو بدنام کرنا شروع کر دیا کہ فلاں کے پاس میں نے اپنی امانت رکھوائی تھی تو اس نے اس میں خیانت کر لی، بعض لوگ جھوٹے دعوے کر دیتے ہیں، رکھوائے ہزار روپے تھے لیکن دعویٰ ایک لاکھ کا کر دیا، اب لینے کے دینے پڑ گئے، کیسی مصیبت آ گئی، اس لئے امانت کا معاملہ بہت اہم اور سنگین معاملہ ہے، آدمی رکھے تو سوچ سمجھ کر رکھے۔

امانت رکھنے کا طریقہ

امانت پوری احتیاط کے ساتھ رکھے اور وہ احتیاط یہی ہے کہ ایک تو اس کو بعینہٖ رکھنے کی کوشش کرے، اگر کسی نے سو کا نوٹ امانت رکھوایا ہے تو جو اس نے سو کا نوٹ رکھوایا ہے، وہی نوٹ رکھے، اس کو اپنے استعمال میں نہ لائے، نیز اس کو لکھ کر رکھے، بہتر یہ ہے کہ جب امانت رکھے تو دو گواہ بنا لے، کیا پتہ کہ آگے چل کر مزید اضافہ کا دعویٰ کر دے، جتنی رقم اور جتنا زیور یا جو بھی چیز کسی نے امانت رکھوائی ہے، بہتر یہ ہے کہ اس کے بارے میں ایک دستاویز لکھ لے جس کے اندر ہر بات صاف صاف لکھی ہوئی ہو، گواہوں کی گواہی اس میں درج ہو، اس کے بعد اس دستاویز کو امانت کے ساتھ رکھدے، لیکن اگر دستاویز نہیں لکھ رہے، گواہ نہیں بنا رہے تو کم از کم جو امانت رکھنے والا ہے وہ اپنے پاس باقاعدہ اس کو لکھ کر رکھے، پیسوں کو، زیور کو، یا کسی مکان ودکان کے کاغذات کو یا جو چیز بھی بطور امانت ہو، اس کو اپنے پاس اپنے وصیت نامہ میں لکھ کر رکھ لے اور اس میں یہ وضاحت کر دے کہ فلاں فلاں شخص کی فلاں فلاں چیز فلاں جگہ پر بطور امانت رکھی ہوئی ہے اور اس میں اس شخص کا مکمل پتا درج ہو اور اگر وہ شخص گھر والوں کے لئے بالکل معروف ہو اور سب گھر والے نام سے ہی اس کو پہچان جاتے ہوں، تو صرف اس کا نام ہی لکھ لے اور جس چیز یا جس لفافے میں امانت رکھی ہوئی ہو، اس میں بھی ایک کاغذ لکھ کر رکھا ہوا ہو کہ یہ فلاں شخص کی امانت ہے جس کا یہ پتا اور فون نمبر ہے، کیونکہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے۔ یہ احتیاط ہے امانت رکھنے کی کہ بعینہٖ رکھیں، اس کا نام، پتا اور فون نمبر اس کے اندر ہو، پھر اس کو سنبھال کر ایک جگہ رکھیں اور خود کو بھی اور گھر میں بھی کسی ذمہ دار کو اس کے متعلق معلوم ہوتا کہ کل کو انتقال ہو جائے تو کوئی بتانے والا تو ہو کہ فلاں جگہ امانت رکھی ہوئی ہے تا کہ وہ امانتیں ان کے مالکوں تک واپس پہنچائی جائیں، امانت چاہے دشمن کی ہو، امانت

تو امانت ہی ہے، اس میں خیانت کرنا جائز نہیں ہے، اس میں غفلت وکوتاہی کرنا درست نہیں ہے۔

دشمنوں کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس امانت رکھوانا

دیکھو کفارِ مکہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتنے دشمن تھے کہ آپ کے خون کے پیاسے تھے، جب آپ ہجرت کرنے کے لئے تشریف لے گئے تو ان کفارِ مکہ نے آپ کو زندہ یا مردہ لانے والے کے لئے سو اونٹ انعام دینے کا اعلان کیا ہوا تھا لیکن آپ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں مدینہ طیبہ پہنچ گئے، ہجرت کے لئے تشریف لے جانے سے پہلے آپ پر قاتلانہ حملہ کرنے کے لئے آپ کے گھر کے باہر کفار جمع تھے اور اندر آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہی کافروں اور دشمنوں کی امانتیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حوالہ کر رہے تھے کہ تم یہ امانتیں ان تک پہنچا دینا، اسی لئے وہ آپ کو صادق وامین کہتے تھے، ان کو امانت رکھنے میں اپنوں پر بھروسہ نہیں تھا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی بھروسہ تھا، تو یہ صفت امتیوں میں بھی ہونی چاہئے، اس لئے نصیحت فرمائی جارہی ہے کہ بلاضرورت کسی کی امانت مت رکھو اور اگر رکھو تو پھر اس کی پوری پوری حفاظت ہونی چاہئے۔

ضرورت کے وقت امانتداری کا امتحان

خاص طور پر جب آدمی محتاج ہو، ضرورت مند ہو، اس وقت خیانت کا بہت خطرہ ہوتا ہے، کسی کے پیسے یا زیور رکھا ہوا ہے، اب جس کے پاس رکھا ہوا ہے، وہ محتاج ہے یا اچانک اس کو کوئی پریشانی پیش آگئی ہے اور پیسوں کی ضرورت پڑ گئی ہے، اس وقت اس کا امتحان ہوتا ہے اور پتا چلتا ہے کہ یہ امانت دار ہے یا نہیں، اس وقت اچھے اچھے آدمیوں کی امانت داری ختم ہوجاتی ہے، اب اگر مجبوری میں اس امانت رکھوانے والے سے پوچھے بغیر وہ پیسے یہ سوچ کر اپنے

استعمال میں لے لئے کہ جب وہ مانگے گا تو اپنے پاس سے دیدیں گے یا زیور یہ سوچ کر اپنے استعمال میں لے لیا کہ جب وہ مانگے گا تو ویسا ہی زیور مارکیٹ سے لے کر دے دیں گے، یہ درست نہیں ہے بلکہ امانت میں خیانت ہے۔ جس کو یہ خطرہ ہو کہ امانت میں خیانت ہو جائیگی اس کو تو رکھنا ہی نہیں چاہئے۔

امانت کی مختلف صورتیں

جو چیز کسی کے پاس بطور امانت رکھواتے ہیں وہ تو ہے ہی امانت، اس کی حفاظت کرنی چاہئے اور جیسی رکھوائی ہے ویسی ہی اس کو لوٹانے کی کوشش کرنی چاہئے لیکن اور بھی بعض چیزیں ایسی ہیں جن کے اندر امانت کا حکم ہوتا ہے مثلاً یہ کاریگر لوگ جو مختلف چیزیں بناتے ہیں، ان کے پاس جو چیزیں بننے کے لئے آتی ہیں وہ بھی امانت ہوتی ہیں، مثلاً رنگریز کے پاس کپڑا رنگنے کے لئے آتا ہے، دھوبی کے پاس کپڑا دھلنے کے لئے آتا ہے، درزی کے پاس کپڑا سلنے کے لئے آتا ہے، فیکٹری میں دھاگہ کپڑا بننے کے لئے آتا ہے، گھڑی ساز کے پاس گھڑی بننے کے لئے آتی ہے ایئر کنڈیشن اور فریج کاریگر کے پاس بننے کے لئے آتے ہیں، مکینک کے پاس گاڑیاں بننے کے لئے آتی ہیں، تو کاریگر لوگوں کے پاس چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی چیزیں بننے کے لئے آتی ہیں، ان سب کے پاس جو چیزیں بننے کے لئے آتی ہیں وہ سب امانت ہوتی ہیں۔

کاریگروں کی دو ذمہ داریاں اور ان کی خیانت

ان چیزوں میں ان کاریگر حضرات کی دو ذمہ داریاں ہوتی ہیں، پہلی ذمہ داری تو یہ ہوتی ہے کہ وہ اس کو صحیح صحیح امانت داری کے ساتھ بنائے، واقعتاً اس میں جو خرابی ہے اس کو سمجھ کر اس کو دور کرے اور دوسری ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ اسی خرابی کے مطابق پیسے طے کرے، یہ نہیں کہ خرابی تو اس کے اندر سو روپے

کی ہے اور کمانے کے چکر میں مالک کو ہزار روپے کا خرچہ بتادیا، جوڑنا خالی ایک تار ہی ہوگا اور مالک کو بتادیا کہ اس کا تو کمپریسر جل گیا ہے، اس کے دو ہزار لگیں گے اور اٹھارہ سو کا تو کمپریسر آئیگا، یہ بھی خیانت ہے لہٰذا ایک تو اس کی خرابی کی صحیح نشاندہی کریں اور پھر جو مناسب ہو، وہ اجرت لے لیں لیکن اگر اس میں خرابی کچھ ہو اور مالک کو کچھ اور خرابی بتلائیں اور اس طرح اس سے اجرت کے نام پر بڑی رقم وصول کرلیں، یہ سراسر خیانت ہے یا اسی طرح اگر اس کی خرابی کو عارضی طور پر ٹھیک کردیا کہ چند روز چل جائے تاکہ پھر واپس میرے پاس ہی آئے اور دانستہ طور پر مکمل صحیح نہیں کررہا حالانکہ پیسے بھی پورے لے رہا ہے اور بیچارہ مالک پریشان ہے، وہ بار بار چکر لگارہا ہے۔ لہٰذا اگر چیز صحیح ہو مگر خراب بتاکر پیسے لے لینا یا جس درجہ کی خرابی ہے اس سے بڑی خرابی بتاکر زیادہ پیسے لے لینا یا خرابی کو صحیح طور پر دور کرنے کی کوشش نہ کرنا اور اس میں دانستہ کوتاہی کرنا، یہ ساری باتیں بھی خیانت کی ہیں۔

اب آپ غور کیجئے کہ ہمارے معاشرے میں خیانت کتنے وسیع پیمانے پر ہورہی ہے، چاہے مکینک ہو، گھڑی ساز ہو، فریج بنانے والا ہو، درزی ہو، دھوبی ہو، غرض جہاں بھی جاؤ ''اندھیر نگری چوپٹ راج'' ہے پھر جہاں تعلقات اور جان پہچان ہو وہاں تو کام کچھ ٹھیک ہوجاتا ہے ورنہ جو چیز خراب ہوگئی تو پھر ان لوگوں کے ہاں چکر کاٹ کاٹ کر آدمی اتنا پریشان ہوجاتا ہے کہ پھر اس چیز کو اونے پونے دام میں بیچ کر نئی چیز لانے پر ہی مجبور ہوجاتا ہے۔

کاریگروں کی روزی میں برکت نہ ہونے کی وجہ

اسی لئے ان کی روزی میں برکت نہیں ہوتی الا ماشاء اللہ، کیونکہ دن رات دھوکہ دے رہے ہیں، جھوٹ بول رہے ہیں، خیانت کررہے ہیں، تو خیانت کرنے والے کے مال میں کہاں سے برکت ہوگی، خیانت تو بہت بڑا گناہ

ہے، ناجائز ہے، اللہ بچائے۔

کاریگروں کی ایک اور خیانت

ایک دوسری بڑی خیانت ان کے ہاں یہ ہوتی ہے کہ آپ نے گھڑی ساز کو گھڑی درست کرنے کے لئے دیدی یا سنار کو پرانا زیور بننے کے لئے دیدیا یا مکینک کو گاڑی بنانے کے لئے دیدی تو وہ ان چیزوں کو اپنی ذات کے لئے استعمال کر لیتے ہیں یا اپنے دوستوں کو دیدیتے ہیں، یہ سوچ کر کہ جب مالک آئیگا تو دیدیں گے، اسی طرح سنار اپنے گھر کی خواتین کو بننے کے لئے آیا ہوا زیور استعمال کرنے اور شادی بیاہ وغیرہ میں پہننے کے لئے دیدیتے ہیں، یہ بھی خیانت ہے اور جب مالک آتا ہے تو اس کو ٹرخا دیتے ہیں، مالک بیچارہ چکر پہ چکر لگا رہا ہے اور یہ اس کو ہر بار کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے بھیج دیتے ہیں، یہ کیا ہے؟ اللہ بچائے یہ سب خیانتیں ہیں۔

کاریگر اپنی آخرت کو بھی دیکھے

اللہ تعالیٰ سب دیکھ رہے ہیں، یہاں تو امانت میں خیانت کر لے گا لیکن آگے بھی تو جانا ہے، اپنی قبر کو بھی دیکھے، اپنی آخرت کو بھی دیکھے، اپنے حشر کو بھی دیکھے، اللہ تعالیٰ کے حساب وکتاب اور اس کی پکڑ کو بھی دیکھے، ہاں البتہ جو چیز ٹھیک ہونے کے لئے آئی ہے، اس چیز کو چیک کرنے کے مقصد سے چلا کر دیکھنا، یہ تو صحیح ہے اور ضروری بھی ہے لیکن ذاتی استعمال کے لئے اس کو رکھنا یا کسی دوسرے کو استعمال کے لئے دے دینا، یہ خیانت ہے کیونکہ مکینک کے پاس گاڑی، گھڑی ساز کے پاس گھڑی، سنار کے پاس زیور اور کاریگر کے پاس فریج یہ سب امانتیں ہیں اور امانت کو اپنے استعمال میں لینا خیانت ہے۔

گھروں میں بھی دوسروں کی چیزیں امانت ہوتی ہیں

اسی طرح گھر کے اندر والد صاحب کی ملکیت الگ ہوتی ہے، والدہ کی

ملکیت الگ ہوتی ہے، سب بہن بھائیوں کی ملکیتیں الگ الگ ہوتی ہیں، بہو بیٹوں کی ملکیتیں الگ الگ ہوتی ہیں، لیکن ان میں سے بعض چیزیں تو ایسی ہوتی ہیں کہ ان کی سب کو عام استعمال کی اجازت ہوتی ہے، ان کے بارے میں پوچھنے کی کوئی ضرورت نہیں، لیکن بعض چیزیں خاص خاص ہوتی ہیں، ان کے استعمال کی ہر ایک کو عام اجازت نہیں ہوتی، وہ چیزیں ایک دوسرے کے حق میں امانت ہوتی ہیں، اس میں ایک دوسرے کی اجازت کے بغیر استعمال کرنا منع ہے، اولاد ماں باپ کی چیز استعمال نہیں کرسکتی اور ماں باپ اپنی اولاد کی چیز استعمال نہیں کرسکتے، ماں باپ خوشحال ہیں، فارغ البال ہیں، مالدار ہیں، پیسوں کے محتاج نہیں ہیں، بیٹوں یا بیٹیوں کے کچھ پیسے ان کے پاس امانت رکھے ہوئے ہیں تو ماں باپ کے لئے بھی ان کی اجازت کے بغیر ان پیسوں کو استعمال کرنا جائز نہیں ہے، ورنہ یہ بھی امانت کے اندر کوتاہی ہوگی، ایسے ہی ماں باپ کی کوئی چیز اولاد کے پاس رکھی ہوئی ہے تو اولاد کو حق نہیں ہے کہ ان کی اجازت کے بغیر ان میں کوئی تصرف کرے، اسی طرح بہن بھائیوں کا معاملہ ہے۔

لیکن آج ہمارے گھروں کے اندر معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کوئی قاعدہ قانون ہی نہیں ہے اور کسی بھی چیز کا کوئی مالک ہی نہیں ہے، جس کا جو جی چاہتا ہے، جیسے جی چاہتا ہے، اس کو استعمال کر لیتا ہے، پتا ہی نہیں چلتا کہ کونسی چیز کس کی ملکیت ہے، یہ بڑی بدنظمی اور مزاجِ شریعت کے بالکل خلاف ہے، جس کی ملکیت میں جو کچھ ہے، دوسرے کے حق میں وہ امانت ہے، جب تک مالک کی طرف سے اجازت نہ ہو اس وقت تک اس کو استعمال کرنا درست نہیں ہے۔

نابالغ اولاد کی چیزیں بھی امانت ہوتی ہیں

یہاں تک کہ اگر ماں باپ نے اپنے نابالغ بچوں کے لئے کپڑے

بنائے ہیں، جوتے بنائے ہیں یا ان کو کوئی چیز خاص ان کے لئے لاکر دی ہے تو وہ ان بچوں کی ملکیت ہو جاتی ہے، ملکیت ہو جانے کے بعد ماں باپ وہ کپڑے دوسرے بچوں کو بھی نہیں پہنا سکتے، بچہ بڑا ہو گیا تو اس کے کپڑے چھوٹے بچے کو نہیں پہنا سکتے، کسی کو ہدیہ نہیں کر سکتے یہاں تک کہ خیرات بھی نہیں کر سکتے، کیونکہ بچہ کی ملکیت ایسی ہی ہے جیسے ہماری ملکیت ہے اور جیسے ہماری ملکیت کی چیز نہ تو گھر کا کوئی آدمی اس کو بیچ سکتا ہے نہ خیرات کر سکتا ہے اور نہ ہی کسی کو ہدیہ دے سکتا ہے۔

اسی طرح بچے کی ملکیت کی چیز بھی نہ تو گھر کا کوئی آدمی اس کو بیچ سکتا ہے نہ خیرات کر سکتا ہے اور نہ ہی ہدیہ دے سکتا ہے، کیونکہ ملکیت کا اپنا ایک احترام ہے، ماں باپ بھی اپنے نابالغ بچوں کی ملکیت کی چیزوں میں ایسا تصرف نہیں کر سکتے، اسی طرح جو تحفے بچوں کے لئے دیے جاتے ہیں اور جو رقم عید و بقر عید پر یا کسی خوشی کے موقع پر بچوں کو دی جاتی ہے وہ بچوں کی ملکیت ہوتی ہے، ماں باپ کے پاس تو وہ امانت ہے، ماں باپ کو چاہئے کہ اس قسم کی چیزیں ہر ہر بچے کی الگ الگ لفافے میں ڈال کر رکھیں، زیور ہے تو سب کا زیور الگ الگ رکھیں، ماں باپ اگر محتاج نہیں ہیں تو اپنی ذات پر بھی استعمال نہیں کر سکتے یہاں تک کہ کسی کو قرض بھی نہیں دے سکتے، ہاں اگر بچوں کے پیسے بچوں کی ضروریات پر خرچ کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔

شریعت میں ملکیت کا احترام

آپ اندازہ لگائیں کہ شریعت میں ملکیت کا کتنا احترام ہے اور اس کا کیا حکم بتایا ہے، جبکہ ہمارے ہاں آج کیا ہو رہا ہے، بچوں کے پیسے آرہے ہیں تو وہ بھی ماں باپ کے استعمال میں آرہے ہیں اور جو تحائف بطورِ خاص بچوں کو دیئے جارہے ہیں وہ بھی ماں باپ کی مرضی پر موقوف ہیں کہ جس کو چاہیں، جہاں

چاہیں، جسے چاہیں دے دیں اور جس طرح چاہیں، استعمال کریں، یہ طریقہ درست نہیں۔

بچوں کو صرف استعمال کی اجازت دیں

علماء نے اس کا حل لکھا ہے کہ جب ماں باپ بچوں کو کپڑے وغیرہ جو بھی بنا کر دیں تو اس کے متعلق شروع میں ہی کہدیں کہ بچوں کو صرف ان کے استعمال کی اجازت ہے لیکن ملکیت ہماری ہی ہے، اس لئے جب شادی ہو اور بچہ ہونے کا وقت آجائے تو ماں باپ یہ نیت کرلیں اور صاف واضح کردیں کہ آج کے بعد بچے کے لئے جو چیز بھی ہم لائیں گے سب ہماری ہی ملکیت ہوگی، بچوں کو صرف استعمال کی اجازت ہوگی، اس نیت سے ان کی چیزوں کے ماں باپ ہی مالک رہیں گے، اب اگر کپڑے چھوٹے ہوجائیں تو ماں باپ دوسروں کو پہنادیں، بیچ دیں، صدقہ یا خیرات کردیں، سب کچھ کرسکتے ہیں لیکن ماں باپ یہ نیت صرف ان چیزوں میں کرسکتے ہیں جو وہ خود اپنے بچوں کو دیں، البتہ جو چیزیں دوسرے لوگ بچوں کو تحفے میں دیں، اس میں یہ نیت نہیں کرسکتے، وہ چیزیں بچوں کی ملکیت ہی ہیں، ماں باپ ان میں کسی قسم کا تصرف نہیں کرسکتے۔

راستہ سے ملنے والی چیز بھی امانت ہے

اسی طرح اگر کسی شخص کو کسی دوسرے کی چیز راستہ میں کہیں گری پڑی مل جائے، کہیں سو روپے گرے ہوئے مل گئے، کہیں زیور گرا ہوا مل گیا یا کوئی اور قیمتی چیز گری ہوئی مل گئی اور اٹھالی تو یہ چیز اٹھانے والے کے پاس امانت ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ وہ اٹھانے والا اصل مالک کو تلاش کرے، ڈھونڈے اور جہاں تک اس کے اختیار میں ہو، اس کے بارے میں معلومات حاصل کرے اور کوشش کرکے اس چیز کو اصل مالک تک پہنچائے، یہ اٹھانے والے کی ذمہ داری ہے،

اس چیز کو اپنے استعمال میں لانا جائز نہیں ہے اور اگر اصل مالک نہ ملے تو اس کے وارثوں کو تلاش کرے اور وارثوں تک پہنچائے اور اگر اصل مالک بھی نہ ملے اور وارث بھی نہ ملیں اور وارثوں کے ملنے سے بالکل مایوس ہو جائے، تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اٹھانے والا خود محتاج و مسکین اور مستحق ہے تو وہ اس کو استعمال کر سکتا ہے ورنہ اصل مالک کی طرف سے نیت کر کے کسی مستحق کو خیرات کر دے، پھر اگر بعد میں مالک آجائے تو حکم یہ ہے کہ اس کو صحیح بات بتلا دے کہ میں نے آپ کو بہت تلاش کیا لیکن جب آپ نہیں ملے تو میں نے وہ چیز آپ کی طرف سے خیرات کر دی، اب اگر وہ خیرات پر راضی ہو گیا تب تو کام بن گیا اور اگر وہ راضی نہیں ہوا تو اٹھانے والا اس چیز کے پیسے مالک کو دیدے اور خیرات کرنے کا ثواب اس اٹھانے والے کو مل جائیگا۔

امانت کی ادائیگی کا عجیب قصہ

اس پر ایک عجیب قصہ یاد آیا، قاضی ابوبکر بن عبد الباقی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے عالم و فاضل اور علوم و فنون کے ماہر گزرے ہیں، انہوں نے اپنا عجیب وغریب واقعہ لکھا ہے کہ مجھ پر ایک زمانہ ایسا گزرا کہ بہت ہی زیادہ فقر و فاقہ میں مبتلا تھا اور کچھ اضطرار کی سی کیفیت مجھ پر طاری ہوگئی، ایک دن دوپہر کے وقت میں بھوک سے نڈھال ہو کر گھر سے باہر نکلا کہ شاید کوئی صورت کھانے پینے کی بن جائے، جب میں گھر سے باہر نکلا تو میں نے راستہ کے بیچ میں ریشمی کپڑے سے سلی ہوئی اور ریشم کے دھاگے سے بندھی ہوئی ایک خوبصورت تھیلی پڑی ہوئی دیکھی، میں گیا اور اس کو اٹھا کر جلدی سے اپنے گھر لے آیا، میں نے اس کو کھول کر دیکھا تو اس کے اندر اصلی موتیوں کا ہار تھا اور بڑا قیمتی تھا، اسی دوران باہر سے آواز آئی کہ اگر کسی کو ایسا ایسا ہار ملا ہو تو وہ میرا ہے، مجھے دیدے، میں اس کو اس کے بدلہ پانچ سو دینار دینے کے لئے تیار ہوں، میں سوچنے لگا کہ یہ تھیلی تو اسی کی معلوم ہوتی ہے

اور مجھے ابھی پیسوں کی ضرورت بھی ہے تو چلو اس سے نشانیاں معلوم کر کے یہ تھیلی اس کے حوالہ کر دوں اور بدلہ میں پانچ سو دینار لے لوں، میں باہر نکلا اور اس سے نشانیاں معلوم کیں تو اس نے بالکل صحیح صحیح نشانیاں بتائیں، میں فوراً گھر میں گیا اور ہار لا کر اس کو دکھایا تو وہ فوراً پہچان گیا اور نہایت خوشی سے اس نے پانچ سو دینار میرے ہاتھ میں تھما دیئے، یہاں پر یہ مسئلہ سمجھ لیں کہ امانت بغیر کسی عوض کے واپس کرنی چاہئے کیونکہ یہ تو ہماری ذمہ داری ہے، اس پر کسی قسم کا معاوضہ لینا درست نہیں ہے۔

میں نے وہ پانچ سو دینا لے لئے اور گھر آ گیا، اب گھر میں داخل ہوتے ہی میرے دل میں یہ کھٹک پیدا ہوئی کہ میں نے امانت کا معاوضہ کیسے لے لیا، یہ تو میرے لئے درست نہیں۔ اس کا نام ہے تقویٰ کہ ایک طرف فقر و فاقہ کا یہ حال ہے کہ بھوک سے نڈھال اور بے چین ہیں اور دوسری طرف ان کا ضمیر یہ گوارہ نہیں کر رہا کہ میں یہ پیسے لوں، امانت تو بلا کسی عوض کے ہی پہنچانی تھی، لہٰذا میں فوراً باہر نکلا اور ان تک پہنچ کر میں نے کہا کہ بھائی! یہ پانچ سو دینار بھی واپس لے لیں، اس نے بہت کہا کہ میں تمہارے لئے حلال کر کے دے رہا ہوں لیکن میرے ضمیر نے گوارہ نہ کیا، بالآخر زبردستی میں ان کو پانچ سو دینار دے کر واپس آ گیا۔

کچھ عرصہ کے بعد میرا ایک سمندر کا سفر شروع ہوا لیکن سمندر میں آگے جا کر کشتی بھنور میں پھنس گئی یہاں تک کہ کشتی ڈوب گئی اور تمام کشتی والے ڈوب گئے، صرف میں ہی زندہ بچا، بس ایک تختہ پر بیٹھ کر لہروں کے رحم و کرم پر چل دیا، چاروں طرف پانی ہی پانی تھا اور موجیں تختے کو ادھر سے ادھر لے جا رہی تھیں، میں اللہ پر بھروسہ کر کے اس پر بیٹھا رہا کہ اللہ کو جو منظور ہوگا وہی ہوگا یہاں تک کہ اس تختہ پر کئی دن گزر گئے اور پھر وہ ایک جزیرے پر جا کر لگ گیا، میں جزیرے پر اتر گیا اور اتر کر سب سے پہلے کچھ کھا پی کر اپنی جان کو بچایا، پھر

میں جزیرے کے اندر داخل ہوا تو یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ مسلمانوں کا جزیرہ تھا، میں سیدھا مسجد میں گیا اور جا کر مسجد میں ٹھہر گیا، وہاں کے لوگ آ کر مجھ سے ملے، چونکہ میں الحمدللہ خوش الحانی اور تجوید کے ساتھ قرآن شریف پڑھنا جانتا تھا، اس لئے انہوں نے جب میرے قرآن شریف کی تلاوت سنی تو سارے کے سارے میرے شاگرد بن گئے اور سب نے کہا کہ ہمیں بھی تجوید کے ساتھ قرآن شریف پڑھائیے، ہمیں تو تجوید کا علم ہی نہیں ہے، اب سارے جزیرے والے چھوٹے، بڑے، جوان، بوڑھے، سب مجھ سے قرآن شریف پڑھنے لگے اور انہوں نے میری خوب مالی مدد بھی کی اور میں اچھا خاصا مالدار بن گیا۔

اس کے بعد میں نے ایک دن ان سے پوچھا کہ تم لکھنا پڑھنا بھی جانتے ہو یا نہیں، انہوں نے نفی میں جواب دیا جبکہ اللہ کے فضل سے مجھے لکھنا پڑھنا بھی آتا تھا، اب میں نے ان کو لکھنا پڑھنا بھی سکھانا شروع کر دیا اور وہ پورا جزیرہ اچھا خاصا مدرسہ بن گیا اور میری آمدنی بھی اچھی خاصی ہوگئی اور میں اچھا خاصا مالدار ہو گیا، کچھ دن گزرے تھے کہ وہاں کے لوگوں میں یہ خواہش ہوئی کہ میری شادی کروائی جائے، میں نے ان سے کہا کہ میرا تو گھر بار بھی ہے اور بیوی بچے بھی ہیں، معلوم نہیں میں کب تک اس جزیرے پر رہونگا، لہٰذا یہ شادی وادی چھوڑو لیکن وہ بضد تھے کہ شادی تو آپ کو کرنی ہی پڑیگی، جب انہوں نے بہت ہی اصرار کیا تو میں نے اجازت دیدی، انہوں نے بتایا کہ اس جزیرے میں ایک بہت مالدار عورت رہتی ہے، اس سے ہم آپ کی شادی کروائیں گے، اس کے بعد نکاح ہو گیا اور نکاح کے بعد رخصتی ہوگئی، رخصتی کے بعد جب میری بیوی میرے گھر آ گئی تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ دلہن کے گلے میں وہی ہار تھا جو مجھے ملا تھا اور پھر میں نے اس کے مالک کو واپس کر دیا تھا، ایک تو ہار ہی اتنا خوبصورت تھا پھر وہ میری بیوی کے گلے میں تھا، میں ساری رات اس ہار کو ہی

دیکھتا رہا اور پورا قصہ میرے ذہن کے اندر گھومنے لگا اور سوچنے لگا کہ یا اللہ! یہ ماجرا کیا ہے، اسی میں صبح ہوگئی، جب صبح ہوئی تو جزیرے کے اندر باتیں بننی شروع ہوئیں کہ قاری صاحب تو رات بھر ہار ہی دیکھتے رہے، دلہن کی طرف تو کوئی توجہ ہی نہ دی، کچھ لوگ میرے پاس آئے اور وہ کہنے لگے کہ قاری صاحب! کیا بات ہے؟ میں نے کہا کہ میں تو خود حیران ہوں اور ساری رات حیرانی میں گزر گئی اور دلہن کی طرف توجہ ہی نہ کرسکا، ان کے معلوم کرنے پر میں نے سارا واقعہ سنایا، تو ایک دم مرحبا مرحبا کا نعرہ بلند ہوگیا اور مجھے دگنی مبارک بادیں دینے لگے، اب تو میں مزید حیران ہوگیا، میں نے ان سے پوچھا تو وہ مجھے بتانے لگے کہ دراصل وہ ہار جس شخص کو آپ نے واپس کیا تھا وہ اس لڑکی کا باپ تھا اور جب سے تم نے وہ ہار اس کے باپ کو واپس کیا تھا، اس وقت سے وہ روز تمہاری تعریف کرتا تھا، کہتا تھا کہ ایسا امانتدار آدمی میں نے نہیں دیکھا اور ہار کے بدلہ میں کچھ لئے بغیر ہی اس کو واپس کردیا، میری بیٹی سے شادی کے قابل تو صحیح معنی میں وہی شخص ہے، وہ تمنا کرتا تھا کہ کاش وہ شخص مجھے دوبارہ مل جائے تاکہ میں اپنی بیٹی کا نکاح اس سے کروں، آج اللہ تعالیٰ نے اس کی مراد پوری کردی اور اس کی بیٹی کا نکاح وہیں ہوگیا جہاں وہ چاہتا تھا اور اب وہ ہار بھی تمہارے پاس آگیا جو تم نے واپس کردیا تھا۔

اس کے بعد میں اس جزیرے میں رہا، اللہ پاک نے مجھے دو بیٹے عطا فرمائے، پھر میری بیوی کا انتقال ہوگیا تو وہ ہار میرے اور میرے بیٹوں کی ملکیت میں آگیا، پھر اللہ کی شان کہ یکے بعد دیگرے دونوں بچوں کا بھی انتقال ہوگیا، آخر میں ہار میری ملکیت میں آگیا، پھر مجھے ایسی ضرورت پیش آئی کہ مجھے وہ ہار بیچنا پڑا اور بیچنے کے بعد اب اس کے پیسوں سے ہی میرا گزارہ ہو رہا ہے۔

یہ دنیا کی بے ثباتی اور اس دنیا کی فنائیت ہے کہ دنیا فانی ہے، آخرت

باقی ہے، اللہ تعالیٰ کی شان باقی ہے اور سب چیزیں فنا ہونے والی ہیں۔

رنگ رلیوں کے زمانے کی نہ جانا اے دل یہ خزاں ہے جو باندازِ بہار آئی ہے

یہ چمن ویراں بھی ہوگا یہ خبر بلبل کو دو تا کہ اپنی زندگی کو سوچ سمجھ کر قربان کرے

اس دنیا میں آدمی سوچ سمجھ کر دل لگائے، یہ دھوکہ کا سامان ہے، اب دیکھیں کہ وہ ہار جوان کو ملا تھا، ان کے پاس سے مالک کے پاس گیا، مالک کے پاس سے بیٹی کے پاس گیا، بیٹی کے پاس سے بیٹوں اور شوہر کے پاس گیا، پھر بیٹوں سے شوہر کے پاس آیا، پھر شوہر کے پاس سے بھی چلا گیا، اس طرح دنیا آتی ہے اور چلی جاتی ہے لیکن جس نے خیانت کرلی، اس نے اپنی آخرت خراب کرلی، جس نے امانت کی حفاظت کی، اس نے اپنی آخرت کو سنوار لیا۔

امانت کی مزید ایک صورت

ایسے ہی ایک اور امانت ہوتی ہے، اس کے اندر بھی بے احتیاطی کی جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ عام طور پر آس پڑوس میں اور رشتہ داروں میں کھانے پینے کی چیزیں برتن میں ڈال کر بھیجی جاتی ہیں، جو کھانے پینے کی چیز ہے وہ تو اس کے لئے ہی ہے جس کے لئے بھیجی ہے لیکن برتن اس بھیجنے والے کی ملکیت ہیں اور جس کے پاس گئے ہیں اس کے پاس بطور امانت ہیں، ہمارے ہاں اس کے اندر بھی بڑی بے احتیاطی ہوتی ہے، وہ برتن اپنے گھر میں استعمال کئے جارہے ہیں، اب جن کے برتن ہیں، نہ تو وہ لینے کا اہتمام کر رہے ہیں اور جن کے پاس بھیجے ہیں نہ وہ واپس کرنے کا اہتمام کر رہے ہیں، اس چیز کو اور کہیں تو میں نے محسوس نہیں کیا لیکن کراچی میں دیکھا ہے کہ جس نے چیز بھیجی ہے وہ اللہ کا بندہ برتن واپس لیجانے کا نام ہی نہیں لیتا کہ وہ آئے اور کہے کہ میرے برتن آپ کے پاس آئے ہوئے

ہیں، لاؤ واپس کردو، بس بھیج دیئے تو بھیج دیئے، جس کے پاس ہیں وہی بیچارہ پریشان ہے کہ نہ معلوم یہ کس کے برتن ہیں، بعض اوقات اتا پتا بھی معلوم نہیں ہوتا اور وہ لینے بھی نہیں آتا لیکن زیادہ فکر اسی کو کرنی چاہئے جس کے پاس برتن گئے ہیں کیونکہ یہ تو اس کے پاس بطور امانت ہیں، کھانا برتن سے نکالنے اور برتن دھونے کے بعد اسی کی ذمہ داری ہے کہ وہ برتن مالک تک پہنچائے لیکن ہوتا یہ ہے کہ وہ برتن اپنے استعمال میں بھی لے آتے ہیں اور دوسروں کو بھی استعمال کے لئے دے دیتے ہیں، یہ بھی امانت میں خیانت ہے۔ اس لئے ہمیں بہت زیادہ اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم خیانت کے گناہ سے بچیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو خیانت کے گناہ سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

پانچویں نصیحت ''ثالث مت بنو''

پانچویں نصیحت یہ فرمائی کہ تم دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ کرنے والا اور ثالث مت بنو۔ اس لئے کہ فیصلہ کرنے کے لئے بڑی قابلیت اور صلاحیت کی ضرورت ہے، ہر آدمی فیصلہ کرنے کی صلاحیت کا نہیں رکھتا۔

ثالث بننے والا احکامِ شریعت معلوم کرے

اس کے لئے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ جس جھگڑے میں یا جس مسئلہ میں یا جس مقدمہ میں فیصلہ کرنا چاہتا ہے اور ثالث بننا چاہتا ہے، اس کے بارے میں شریعت کے سارے احکامات معلوم ہوں، کیونکہ آدمی اپنی عقل اور اپنی طبیعت سے تو فیصلہ کر ہی نہیں سکتا، کیونکہ عقل سے فیصلہ کرے گا تو وہ بسا اوقات غلط فیصلہ ہوگا جو کہ سنگین گناہ ہے جس سے آخرت خراب ہو جائیگی۔ اس لئے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اس فیصلہ سے متعلق شریعت کے احکامات اس کو معلوم ہوں۔

ثالث بننے والا فیصلہ کرنے کی طاقت رکھتا ہو

پھر وہ شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے کی طاقت بھی رکھتا ہو اور ان فریقین سے متعلق جو فیصلہ کرنے کے قواعد وضوابط ہیں اور آداب وشرائط ہیں، ان کو بروئے کار لانا جانتا ہو یعنی خالی ان قواعد کو جاننا کافی نہیں ہے بلکہ جاننے کے بعد ان کے استعمال کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو اور پھر ٹھیک ٹھیک انصاف سے فیصلہ کرے، تب تو کوئی شخص دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ کرا سکتا ہے اور ان کے جھگڑوں کو نمٹا سکتا ہے لیکن عام لوگوں میں اس کی صلاحیت کہاں ہے۔

موجودہ انجمنیں

آج قوموں، برادریوں، خاندانوں، محلوں، اداروں، فیکٹریوں کے اندر انجمنیں قائم ہیں جو بیچ میں ثالث بنتے ہیں لیکن فیصلہ صرف اپنی عقل سے یا اپنے بنائے ہوئے اصول وقواعد سے کرتے ہیں جو قرآن وحدیث سے ہٹ کر ہوتے ہیں، یہاں تک کہ ہماری عدالتوں کے اندر بھی بہت سے فیصلے اپنے بنائے ہوئے ضابطوں کے مطابق ہوتے ہیں، ہمارے ملک کے بہت سے قوانین وضوابط خلافِ شریعت اور خلافِ اسلام ہیں لیکن ہماری عدالتیں انہی قوانین کے مطابق فیصلے کرتی ہیں، رات دن ہمارے ہاں خلع کے فیصلے آتے رہتے ہیں، ان میں سے ننانوے فیصد خلع کے فیصلے خلافِ شرع ہوتے ہیں، ان کے اپنے قانون کے مطابق ہوتے ہیں لیکن وہ قانون خلافِ شرع ہے۔ اسی طرح فیملی قوانین کے اندر بہت سے قوانین خلافِ شرع ہیں، ہمارے ملک کی سطح پر حکومتِ پاکستان نے جو قوانین بنائے ہیں وہ بہت سے خلافِ شرع اور ناجائز ہیں، لہٰذا وہ جو فیصلے کریں گے وہ بھی خلافِ شرع ہوں گے۔

ثالث بننے والے کے لئے وعید

حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ جو شخص دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ

کرنے کے لئے قاضی (ثالث) بنادیا گیا یا ویسے ہی قاضی بن گیا تو وہ ایسا ہے جیسے بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا۔

ناجائز فیصلہ کرنا بڑا گناہ ہے

آج جرگے ہوتے ہیں، برادریوں کے اندر پنچائیت لگتی ہے اور جھگڑے نمٹائے جاتے ہیں اور ناجائز طریقہ سے نمٹائے جاتے ہیں حالانکہ ناجائز اور خلافِ شرع فیصلہ کرنا بہت بڑا گناہ ہے، اس کا بڑا عذاب اور وبال ہے، اس کے اندر ظلم ہوتا ہے، ناانصافی ہوتی ہے، زیادتی ہوتی ہے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ کرنے والا مت بنو، کیونکہ ثالث بننے کی بڑی بھاری ذمہ داری ہے اور ہر آدمی ثالث بننے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتا، بس مصالحت کرانے کی کوشش کر سکتا ہے۔

ثالث بننے کے لئے عمدہ طریقہ

لیکن اگر کہیں ثالث بننا ناگزیر ہو تو بہتر یہ ہے کہ دونوں فریق سے ایک بیان اور سوال لکھوالیا جائے اور اس کو دارالافتاء میں بھیج دیا جائے اور دارالافتاء سے جو فتویٰ ملے وہ دونوں کو سنا دیا جائے، بس اب اس پر عمل کرنا نہ کرنا ان پر موقوف ہے، آپ بری الذمہ ہوگئے، لیکن ایسا کہاں ہوتا ہے، نہ برادریوں میں ہورہا ہے، نہ خاندانوں میں ہورہا ہے، نہ انجمنوں میں ہورہا ہے، ہر جگہ من مانے فیصلے ہورہے ہیں، اپنی مرضی، طبیعت، عقل اور عادت کے مطابق فیصلے ہورہے ہیں اور اکثر ان کے فیصلے ناجائز اور خلافِ شرع ہوتے ہیں اور ان پر جو وعیدیں اور عذاب ہیں، قرآن وحدیث ان سے بھرے ہوئے ہیں، لہٰذا ثالث بننے سے بہت بچنا چاہئے۔

خلاصۂ حدیث

پس پانچ نصیحتیں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو فرمائی ہیں، پہلی نصیحت یہ تھی کہ تم اپنے ظاہر اور باطن میں تقوے کا اہتمام کرو، دوسری نصیحت یہ تھی کہ جب تم سے کوئی بدی ہو جائے، گناہ اور غلطی ہو جائے تو اس کے فوراً بعد نیکی کرلو، وہ نیکی اس گناہ کو مٹادیگی، تیسری نصیحت یہ تھی کہ تم کسی مخلوق میں سے کسی سے کوئی چیز مت مانگو، کسی کے سامنے اپنی حاجت پیش نہ کرو، اپنی ضرورت کسی انسان سے مت طلب کرو یہاں تک کہ تمہارا کوڑا بھی زمین پر گر جائے تو خود اٹھالو، کسی سے اٹھانے کے لئے نہ کہو، چوتھی نصیحت آپ نے یہ فرمائی کہ تم کسی کی امانت اپنے پاس مت رکھو اور پانچویں نصیحت یہ فرمائی کہ تم دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ کرنے والا (ثالث) نہ بنو۔

اللہ تعالیٰ ہمیں نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان پانچوں نصیحتوں کو یاد رکھنے کی بھی توفیق عطا فرمائے اور عمل کرنے کی بھی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

قدرت کی نشانیاں سوچیے

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی دامت برکاتہم
نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ضبط وترتیب
حبیب اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
دکان نمبر ۲۹، نایاب جامع مسجد، لیاقت آباد کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم
: گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی بیانات : جلد نمبر ۱۰

قدرت کی نشانیاں سوچیے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِیْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَیْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ یُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا كَثِیْراً۔

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۝ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝

(سورہ آلِ عمران: ۱۹۰،۱۹۱)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رات بھر رونا

میرے قابلِ احترام بزرگو اور محترم خواتین! اس وقت میں نے سورۂ آلِ عمران کے آخری رکوع کی چند آیات تلاوت کی ہیں اور ان آیات ہی کے بارے میں اس وقت انشاء اللہ تعالیٰ کچھ بیان کرنے کا ارادہ ہے اور وہ ارادہ اس وجہ سے ہوا ہے کہ ان آیات کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک عجیب وغریب بات منقول ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عطاء بن ابی رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ آپ مجھے سرکارِ دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی عجیب وغریب شان بیان فرمائیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کونسی شان اور حال بیان کروں، آپ کی تو ہر شان اور ہر حال ہی عجیب وغریب ہے، تاہم میں تم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک عجیب وغریب شان اور حال بیان کرتی ہوں، وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ رحمتِ کائنات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو میرے گھر تشریف لائے اور میرے ساتھ میرے بستر پر آرام فرما ہوگئے، تھوڑی دیر بعد آپ نے مجھ سے فرمایا کہ اے عائشہ! اگر تم مجھے اجازت دو تو میں اپنے رب کی عبادت کرلوں، میں نے عرض کیا کہ ضرور اپنے رب کی عبادت فرمائیے، آپ میرے پاس سے نیچے اترے اور آپ نے وضو فرمایا اور وضو فرمانے کے بعد آپ نماز میں مشغول ہوگئے اور نماز میں دورانِ قیام آپ اتنا روئے، اتنا روئے، اتنا روئے کہ آنسوؤں سے داڑھی مبارک تر ہوگئی، اس کے بعد آپ رکوع میں گئے، رکوع میں بھی آپ روتے رہے، پھر آپ سجدہ میں گئے، سجدہ میں بھی آپ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے روتے رہے، اسی طرح قعدہ میں بھی آپ روتے رہے، یہاں تک کہ اسی طرح روتے روتے آپ نے ساری

رات گزار دی، جب صبح صادق ہوگئی اور فجر کی نماز کا وقت ہوگیا تو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کو نماز کی اطلاع دینے کے لئے حاضر ہوئے کہ حضور! فجر کی جماعت کا وقت ہوگیا ہے، آپ تشریف لائیے اور نماز پڑھائیے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ اس وقت میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ آج ساری رات اتنا کیوں روئے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف فرمادئے ہیں، جس کے گناہ ہوں وہ روئے، جس کے سارے گناہ ہی معاف ہوں وہ کیوں روئے، نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ اے عائشہ! کیا میں اپنے رب کا شکر گزار بندہ نہ بنوں اور مجھ پر جو میرے رب کی بے شمار نعمتیں ہیں، کیا ان نعمتوں کے شکرانے میں اپنے رب کے سامنے آنسو نہ بہاؤں۔

ان آیات میں غور نہ کرنے پر وعید

پھر فرمایا کہ آج رات مجھ پر اللہ پاک نے سورۂ آلِ عمران کی یہ آیتیں نازل فرمائی ہیں اور پھر آپ نے وہ آیتیں پڑھکر سنائیں، اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ ہلاکت اور بربادی ہے اس شخص کے لئے جو ان آیات کو پڑھے اور پھر ان آیات کے مطابق اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں کے اندر غور وفکر نہ کرے۔ اس حدیث میں نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ پاک کی ان آیات کے مطابق کائنات کے اندر غور وفکر کرنے کی تاکید فرمائی ہے اور غور وفکر نہ کرنے پر ہلاکت وبربادی کی وعید بیان فرمائی ہے، اس وجہ سے ان آیات میں جو کچھ اللہ پاک نے بیان فرمایا ہے اور جن امور کی طرف توجہ دینے کے لئے فرمایا ہے، اس کا خلاصہ عرض کرنے کو جی چاہا، اسی لئے میں نے یہ آیات تلاوت کیں اور انشاء اللہ تعالیٰ اسی کے بارے میں کچھ عرض کرنے کا ارادہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عبادت کے لئے اجازت لینا

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ روایت جو ابھی میں نے آپ کے سامنے بیان کی ہے، اس میں بھی ہمارے لئے اہم سبق ہے، وہ یہ کہ سرکارِ دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے سردار اور اللہ جل شانہ کے نزدیک اور اس کائنات میں سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں، آپ سے بڑھ کر نہ کوئی نبی ہے، نہ کسی کا درجہ اور مقام ہے، آپ سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کو پہچاننے والا بھی کوئی نہیں ہے، آپ سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والا بھی کوئی نہیں ہے لیکن آپ کی شانِ مبارک یہ ہے کہ جہاں ایک طرف اللہ جل شانہ کی عبادت انجام دے رہے ہیں اور عبادت میں مشغول ہو رہے ہیں، وہاں دوسری طرف گھر والوں کے حقوق بھی ادا کر رہے ہیں، اپنی ساری بیویوں کے لئے باری مقرر کر رکھی ہے، باری باری ہر بیوی کے پاس تشریف لے جاتے ہیں، ان کا حق ادا فرماتے ہیں، اسی قاعدہ کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس بھی تشریف لائے اور ان کے ساتھ آرام فرمایا، لیکن چونکہ رات کو ان کے ساتھ رہنا ان کا ایک حق تھا، اس لئے آپ نے اپنے رب کی عبادت کے لئے بھی ان سے اجازت لی۔

گھر والوں اور رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی بھی عبادت ہے

لہٰذا گھر والوں کے حقوق ادا کرنا، بیوی بچوں کے حقوق ادا کرنا، ماں باپ کے حقوق ادا کرنا، یہ بھی دین ہے، اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی رضا ہے، یہ بھی بندہ کے لئے ذریعۂ نجات ہے، لہٰذا کوئی یہ نہ سمجھے کہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے نماز پڑھنے کا نام ہے، ذکر کرنے کا نام ہے، تلاوت کرنے کا نام ہے، تسبیح پڑھنے کا نام ہے، چاہے بیوی کی حق تلفی ہو، چاہے اس کے حقوق پامال ہوں،

اس کی کوئی خبر گیری نہ ہو، اس کے حقوق کی کوئی ادائیگی نہ ہو اور چاہے بچوں کی حق تلفی ہو، نہ ان کی تعلیم ہو، نہ ان کی تربیت ہو، نہ ماں باپ کا احترام ہو، نہ ان کے حقوق کی ادائیگی ہو، اس کا نام دین نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی عبادت میں جس طرح نماز ہے، روزہ ہے، زکوٰۃ ہے، حج ہے، ذکر و تلاوت ہے، اسی طرح ماں باپ کے حقوق کو ادا کرنا، اولاد کے حقوق کو ادا کرنا، بہن بھائیوں کے حقوق کو ادا کرنا، بیوی کے حقوق کو ادا کرنا، شوہر کے حقوق کو ادا کرنا، پڑوسیوں کے حقوق کو ادا کرنا، رشتہ داروں کے حقوق کو ادا کرنا، یہ بھی دین ہے اور عبادت ہے، اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اور اس کے بغیر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل نہیں ہوسکتی، بہر حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اجازت لی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر رونا

اس کے بعد پھر اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف متوجہ ہوئے اور اس میں بھی ساری رات جاگنا آپ کے ذمہ کوئی ضروری نہیں تھا لیکن جس پر جتنے زیادہ اللہ تعالیٰ کے احسانات ہوتے ہیں اور جس کو جس قدر اللہ تعالیٰ کے احسانات کا استحضار اور اس کا علم ہوتا ہے، اتنا ہی اس کا دل اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکتا ہے، سرکارِ دوعالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان تھی کہ آپ پر اللہ تعالیٰ کے سب سے بڑھ کر احسانات اور انعامات تھے اور ہیں اور آپ کو ان احسانات کا استحضار بھی سب سے بڑھ کر تھا، اس لئے ان احسانات کا شکریہ ادا کرنے کے لئے اور صرف شکریہ ادا کرنے کے لئے بلکہ ان انعامات اور ان احسانات پر شکریہ کے ساتھ ساتھ آنسو بہانے کے لئے آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے اور ساری رات اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے رہے، نماز میں مشغول رہے، اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں پر روتے رہے۔

ہم بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں سوچیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ عمل میں ہمارے لئے بہت بڑا سبق ہے کیونکہ ہم بھی ان کے امتی ہیں اور ہم پر بھی نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ وطفیل اللہ تعالیٰ کی بے شمار اور بے حساب رحمتیں ہیں، عنایتیں ہیں، نعمتیں ہی نعمتیں ہیں، لہٰذا ہمیں بھی اپنے آقا کی تابعداری میں اپنے رب کے حضور حاضری دینی چاہئے، شکرانے کے نفل پڑھنے چاہئیں اور اللہ تعالیٰ کی جو انگنت اور بے شمار نعمتیں ہمیں حاصل ہیں، کبھی ان کو بھی سوچنا چاہئے، اس سوچنے میں عجیب وغریب تاثیر ہے، جب ہم ان نعمتوں کو سوچیں گے تو شروع میں تو کچھ باتیں ہمیں سمجھ میں نہیں آئیں گی لیکن فطرت کا ایک اصول ہے کہ سوچنے سے سوچنا آتا ہے، بولنے سے بولنا آتا ہے، لکھنے سے لکھنا آتا ہے، کھانے سے کھانا آتا ہے، پینے سے پینا آتا ہے، جب ہم بار بار اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو سوچیں گے کہ مجھے اللہ پاک نے کیا کیا نعمتیں عطا فرمارکھی ہیں، میرے پاس ظاہر میں کیا کیا نعمتیں ہیں، باطن میں کیا کیا نعمتیں ہیں، گھر میں کیا کیا نعمتیں ہیں، گھر کے باہر کیا کیا نعمتیں ہیں، دکان میں کیا کیا نعمتیں ہیں، کارخانے میں کیا کیا نعمتیں ہیں، ملازمت میں کیا کیا نعمتیں ہیں، دن میں کیا کیا نعمتیں ہیں، رات میں کیا کیا نعمتیں ہیں، دوست، احباب، عزیز واقارب، خاندان، برادری کی سطح پر کیا کیا نعمتیں ہیں، ملکی سطح پر کیا کیا نعمتیں ہیں، عالمی سطح پر کیا کیا نعمتیں مجھے حاصل ہیں، تو یقین جانیں کہ ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ آپ کے سامنے ہوگا اور آپ اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ یا اللہ! آپ کی نعمتیں تو اتنی ہیں کہ میں کیا بلکہ ساری دنیا کے انسان بھی مل کر ان کو شمار کرنا چاہیں تو شمار نہیں کر سکتے اور اسی کو اللہ پاک نے اپنے کلام میں فرمایا ہے کہ ”وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَاتُحْصُوْهَا“ اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کر سکتے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو سوچنے کے فوائد

جب آدمی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو سوچے گا تو پھر ہر وقت اس کے اوپر اللہ تعالیٰ کی انگنت اور بے شمار نعمتوں کا استحضار ہوگا، اس کے نتیجہ میں اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت جوش مارنے لگے گی، قناعت اس کے دل میں آئیگی، حرص وہوس کا خاتمہ ہوگا اور اس کا دل واقعتاً اللہ تعالیٰ ہی کی طرف جھک جائیگا اور اسے محسوس ہوگا کہ میں تو بڑے آرام وراحت میں ہوں، مجھے اللہ پاک نے اتنا دیا ہے کہ شاید ہی کسی کو اتنا دیا ہو، میں بہت عزت سے ہوں، میں بہت عافیت وخیریت کے ساتھ ہوں اور اس کو جو فی الحال تکلیفیں درپیش ہونگی جس سے کوئی انسان خالی نہیں ہے اور جو اس کے لئے پہاڑ بنی ہوئی ہوں گی، وہ ایک ذرہ بن جائیں گی اور وہ ان تکلیفوں پر راضی ہو جائیگا اور محسوس کرے گا کہ تکلیف ایک ہے جبکہ نعمتیں سو ہیں، تکلیف معمولی ہے جبکہ راحتیں بڑی ہیں اور کہے گا کہ یا اللہ! آپ کا شکر ہے کہ ہزاروں مصیبتوں، ہزاروں آفتوں، ہزاروں بیماریوں اور تکالیف سے آپ نے بچایا ہوا ہے اور برائے نام ہی تھوڑی سی تکلیف ہے۔

نعمتوں کو سوچنے کا ایک اور عظیم فائدہ

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو سوچنے سے ہمارے ایک بہت بڑے مرض کا علاج بھی ہو جائیگا جس کے اندر فی الحال ہم مبتلا ہیں اور وہ مرض ہے ''حرص وہوس'' ہمارے اندر حرص وہوس کا ایسا مرض پایا جاتا ہے کہ ہر آدمی ہزاروں لاکھوں نعمتیں لیے ہوئے ہے، پھر بھی اس کو یہ خیال ہے کہ میرے پاس کچھ بھی نہیں، اس کی نظر اپنے سے اوپر والے شخص پر جمی ہوئی ہے، اس لئے رو رہا ہے اور کہتا ہے کہ میرے پاس یہ نہیں ہے اور میرے پاس وہ نہیں ہے حالانکہ اس کے پاس اللہ تعالیٰ کی بیش بہا نعمتیں ہیں، اب وہ حیران اور پریشان ہے کہ جو نعمتیں میرے پاس نہیں ہیں، وہ

کیسے حاصل کروں، کہاں سے حاصل کروں، کس طرح حاصل کروں، حالانکہ وہ جانتا ہے کہ دوسرے کے پاس جو کچھ ہے اس کی قسمت کا ہے اور میرے پاس جو کچھ ہے وہ میری قسمت کا ہے، اس کی قسمت کا مجھے نہیں مل سکتا اور میری قسمت کا اسے نہیں مل سکتا، پھر بھی دوسروں کی نعمتوں پر نظر ہے جو وہ اپنی محنت اور کوشش سے حاصل نہیں کرسکتا اور جو حاصل ہیں وہ فراموش کی ہوئی ہیں، لہٰذا پریشانی نقد اور یقینی ہے، اب وہ پریشان ہی رہیگا، اس کا رات دن کا سکون، چین آرام سب ختم اور ہر وقت بیماریوں، پریشانیوں کی تکلیف میں رہے گا کہ یہ چیز نہیں ہے اور وہ چیز نہیں ہے، بس دن رات اسی کا رونا ہے، جہاں جائیگا اپنی تکلیف و پریشانی کا رونا ہی روتا رہیگا، اس لئے کہ جو نعمتیں اس کو حاصل ہیں، وہ نعمتیں تو اسے یاد ہی نہیں جبکہ مصیبتیں اس نے یاد کر رکھی ہیں اور ان کو اس نے ازبر کیا ہوا ہے، نتیجہ یہ کہ اس کی زندگی اس حرص و ہوس کے مرض کی وجہ سے مصیبتوں کے اندر ڈوبی ہوئی رہے گی اور تکلیف و پریشانی کے سوا اس کے پاس کچھ بھی نہ ہوگا، وہ بے سکونی و بے اطمینانی کا شکار اور تکلیف ہی تکلیف میں مبتلا رہیگا، غرض پریشانی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا لیکن جب وہ اللہ تعالیٰ کی انگنت نعمتوں کو سوچنا شروع کریگا تو اس کے نتیجہ میں حرص و ہوس ختم ہوگی، قناعت پیدا ہوگی، اللہ تعالیٰ کی طرف دل جھکے گا، نعمتیں خوب سامنے ہونگی، مصیبتیں اس کے مقابلہ میں بہت ہی کم معلوم ہوں گی اور اس کی زندگی راحت و عافیت میں تبدیل ہو جائیگی، وہ سکون میں آجائیگا اور پھر وہ زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی طرف توجہ دے سکے گا۔

ان آیات پر ہم عمل کریں

ان انعامات میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ انعام بھی ملا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر سورۂ آلِ عمران کی یہ آیتیں نازل فرمائیں، ان آیات میں بھی اللہ

پاک نے اپنے بندوں کو غور و فکر کی دعوت دی ہے اور آخر میں آپ نے یہ بھی ارشاد فرمادیا کہ جو مسلمان ان آیات کو پڑھے اور غور و فکر نہ کرے اس کے لئے ہلاکت، تباہی اور بربادی ہے، تو ہمیں اس ہلاکت اور بربادی سے بچنے کی ضرورت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ہم بہت زیادہ اس پر غور و فکر نہ کرسکیں تو تھوڑا بہت ہی کرلیں تاکہ کسی حد تک ہمارا اس پر عمل ہو اور ان آیات میں اللہ پاک نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ ہمیں معلوم ہو اور اس کے مطابق ہمارا عمل ہو، اللہ پاک نصیب فرمائیں۔

آسمان و زمین عجائباتِ قدرت میں سے ہیں

ان آیات میں اللہ پاک نے سب سے پہلے آسمانوں اور زمین کی پیدائش کو بیان فرمایا ہے، یہ آسمان جو آپ دیکھتے ہیں، یہ زمین جس کے اوپر ہم رہتے ہیں، اللہ پاک فرمارہے ہیں کہ یہ میری قدرت کے عجائبات میں سے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ پاک کتنی زبردست قدرت والے ہیں، کیسے عظیم الشان ہیں اور کس قدر ان کو عظیم قدرت حاصل ہے جس کے نتیجے میں اتنا بڑا آسمان اور ایک نہیں سات آسمان پیدا فرمائے ہیں اور ایسی عظیم الشان زمین اور اس جیسی سات زمینیں پیدا فرمائی ہیں، جس میں اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ یہ آسمان و زمین جو ہماری بڑی مخلوقات ہیں، یہ تو ہماری قدرت کا نمونہ ہیں ہی، ان کے اندر جو ہزاروں دوسری اللہ تعالیٰ کی بے شمار اور بے حساب مخلوقات ہیں، آسمانوں میں بھی اور آسمانوں کے درمیان بھی، زمینوں میں بھی اور زمینوں کے درمیان بھی، زمین و آسمان کے درمیان خلا میں بھی مثلاً ستاروں کا نظام ہے، سیاروں کا نظام ہے، چاند سورج کا نظام ہے، کہکشاؤں اور ان کی گردش کا نظام ہے، کیسا مستحکم اور مربوط نظام ہے کہ ہزاروں سال سے چل رہا ہے لیکن رتی برابر اس میں کوئی خلل نہیں ہے، ایسا نہیں ہے کہ اگر روزانہ سورج نکل رہا ہے تو آج

نکل ہی نہیں رہا کہ آج سورج کی چھٹی ہے، ہم لوگ انتظار کررہے ہیں کہ کب سورج نکلے، روشنی ہو اور ہم کام پر جائیں، معلوم ہوا کہ سورج نکل ہی نہیں رہا، ایسا نہیں ہے، دنیا میں کچھ بھی ہورہا ہو مگر سورج اپنے وقت پر ہی نکل رہا ہے اور اپنے ہی وقت پر غروب ہورہا ہے، ایسا نہیں ہے کہ سورج نکل تو گیا مگر اب ڈوبنے کا نام ہی نہیں لے رہا، دنیا اِدھر سے اُدھر ہو جائے مگر سورج اپنے وقت پر ہی جا کر ڈوبتا ہے، اسی طرح چاند اپنے وقت پر نکل رہا ہے اور مقررہ وقت پر ہی غروب ہورہا ہے، زمین اپنی گردش پوری کررہی ہے، چاند اپنا چکر پورا کررہا ہے، سورج اپنے ہی مدار میں گھوم رہا ہے، اتنا بڑا انظام اور اتنی بڑی کائنات یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کا نمونہ ہیں، ذرا غور کریں کہ کس طرح اللہ پاک نے ان کو پیدا فرمایا کہ ہر مخلوق عجیب ہے، ہر مخلوق عظیم ہے، ہر مخلوق ایسی ہے کہ اس کی حقیقت تک پہنچنا انسان کے بس سے باہر ہے، کوئی ایک نہیں، دس نہیں، سو نہیں، ہزاروں اور لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں اور اربوں، کھربوں اللہ تعالیٰ کی مخلوقات ہیں جو اس کائنات کے اندر اللہ پاک نے پیدا کررکھی ہیں۔ ان میں سے کوئی مخلوق بھی بیکار نہیں، ہر چیز کے پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی کوئی نہ کوئی حکمت ہے، ان تمام مخلوقات کو پیدا کرنے کے بعد اللہ پاک نے دعوت دی کہ آسمان میں بھی غور کرو، زمین میں بھی غور کرو، ہماری قدرت کی یہ نشانیاں ہیں، ذرا ان پر غور کرکے ہماری عظمت کو پہچانو، ہمارے وحدہٗ لاشریک ہونے کو مانو۔

تمام انسان ایک دوسرے سے مختلف ہیں

جس زمین پر ہم رہتے ہیں، اس زمین میں کیا کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں، اس کو ہم شمار ہی نہیں کرسکتے، صرف انسان کو لے لیں، اس زمین پر اربوں انسان رہتے ہیں اور سارے حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں لیکن ایک کا بھی چہرہ دوسرے سے نہیں ملتا، کیا اللہ تعالیٰ کی شان ہے، سب آدم علیہ السلام

کی اولاد ہیں، باپ اور ماں ایک ہے، سب انہی کی نسل ہے لیکن اس کے باوجود کسی کی شکل دوسرے سے نہیں ملتی، کیا اللہ تعالیٰ کی عجیب وغریب قدرت ہے، بھائی بھائی ہیں، بہن بھائی بھی ہیں، پھر بھی شکل وصورت الگ الگ ہے، شکل وصورت تو پھر بھی بڑی چیز ہے کہ اس میں دو آنکھیں ہیں، ایک ناک ہے، دو کان ہیں، ایک منہ ہے، اتنے سارے دانت ہیں، صرف ایک انگوٹھا لے لیں، اس کے اندر جو باریک لکیریں ہیں، یہ بھی تمام انسانوں کی الگ الگ ہیں، کیا اللہ تعالیٰ کی شان ہے، اسی لئے جہاں دستخط ہوتے ہیں وہاں انگوٹھا بھی لگایا جاتا ہے، شناختی کارڈ اس کے بغیر نہیں بنتا، یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔

دنیا کی ہر چیز ایک دوسرے سے مختلف ہے

دنیا کی ہر چیز میں یہی بات ہے، ایک درخت کے ہزاروں پتے ہیں، بظاہر ہر پتا ایک دوسرے سے ملتا جلتا ہے لیکن ہر پتا حقیقت میں دوسرے پتے سے مختلف ہے، اسی طرح جتنے پھول آپ دیکھیں گے، بادی النظر میں سب ایک جیسے دکھائی دیں گے لیکن اگر غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ تمام پھول الگ الگ ہیں، بناوٹ الگ ہے، رنگ الگ ہے، خوشبو الگ ہے، ہر چیز الگ الگ ہے، اللہ پاک نے انسانوں کو یہ دعوت دی ہے کہ آسمان اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو ہم نے پیدا کیا ہے، ذرا دیکھو تو سہی کہ یہ کیا ہیں، یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کے شاہکار ہیں۔

رات اور دن کا آنا جانا بھی عجائباتِ قدرت میں سے ہے

دوسرے نمبر پر اللہ پاک نے اپنی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی "وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ" بیان فرمائی ہے یعنی رات اور دن کا آنا جانا، یہ بھی عجائباتِ قدرت میں سے ہے، کس طرح آہستہ آہستہ رات آتی ہے اور دیکھتے

ہی دیکھتے کائنات میں اندھیرا چھا جاتا ہے، دنیا کے سارے کاروبار بند ہو جاتے ہیں، دکانیں بند ہو جاتی ہیں، وہ بازار جہاں دن میں انسان چل پھر رہے تھے، رات ہوتے ہی سب چہل پہل ختم ہو جاتی ہے، لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں، پھر آہستہ آہستہ رات چلی جاتی ہے اور دن آجاتا ہے، صبح صادق ہوتی ہے، پھر سورج نکل آتا ہے اور پوری کائنات میں روشنی پھیل جاتی ہے، روزانہ اللہ تعالیٰ کی یہ عظیم قدرت کی کارستانی ہمارے سامنے ہوتی ہے، اللہ پاک فرما رہے ہیں کہ اس میں غور کرو کہ ہماری قدرت سے روزانہ کس طرح دن آتا ہے اور کس طرح روزانہ رات آتی ہے، نیز گرمیوں میں رات چھوٹی ہو جاتی ہے اور دن بڑا ہو جاتا ہے جبکہ سردیوں میں دن چھوٹا ہو جاتا ہے اور رات بڑی ہو جاتی ہے، غور کرو کہ کیسے دن بڑا ہوتا ہے اور رات چھوٹی ہوتی ہے اور کیسے رات بڑی ہوتی ہے اور دن چھوٹا ہوتا ہے، پھر دنیا کے مختلف حصوں میں قدرت کے مختلف نمونے ہیں، قطبِ شمالی کی طرف جتنا دور چلے جائیں گے، اتنے دن رات بڑے ہوتے چلے جائیں گے، بعض علاقے ایسے ہیں جہاں چھ مہینے رات ہوتی ہے اور چھ مہینے دن ہوتا ہے، جب دن آتا ہے تو چھ مہینے تک دن رہتا ہے، لوگ رات کے لئے ترستے رہتے ہیں اور جب سونے کا وقت آتا ہے تو سونے کے لئے مصنوعی رات بناتے ہیں، کمرہ بند کرتے ہیں، موٹے پردے لٹکاتے ہیں تاکہ کسی قسم کی روشنی اندر نہ آسکے اور کمرے میں اندھیرا ہو جائے اور جب رات آتی ہے تو چھ مہینے تک رات ہی رات رہتی ہے، اب سورج اور اس کی روشنی کے لئے ترستے رہتے ہیں، یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت ہی ہے، ایک ہی دنیا ہے لیکن کہیں چھ مہینے کی رات اور چھ مہینے کا دن ہے، کہیں بارہ گھنٹے کی رات اور بارہ گھنٹے کا دن ہے، کہیں آٹھ گھنٹے کی رات اور سولہ گھنٹے کا دن ہے، کہیں اس کے برعکس، اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ہمارے عجائباتِ قدرت دیکھو، ان میں غور وفکر کرو کہ کس طرح

ہم نے رات اور دن کو بنایا اور کس طرح یہ سلسلہ چلایا کہ تاریک رات سے روشن دن کو نکالا اور روشن دن سے تاریک رات کو نکالا۔

آسمان سے بلندی اور زمین سے پستی مراد ہے

آسمان وزمین کی پیدائش میں ایک اور بات علماء نے تحریر فرمائی ہے کہ اللہ پاک نے اپنی مخلوقات میں سے جو آسمان وزمین کا ذکر فرمایا ہے اس میں بھی ایک خاص نکتہ ہے اور وہ یہ ہے کہ آسمان سے رفعتیں اور بلندیاں مراد ہیں جبکہ زمین سے پستی اور ذلت مراد ہے، اس سے اللہ پاک یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ جیسے آسمان وزمین کا خالق اللہ جل شانہ ہے، اسی طرح بڑائی وبلندی اور پستی وذلت کو بھی اللہ پاک ہی پیدا کرنے والے ہیں اور وہی جس کو جب چاہیں، جہاں چاہیں، جتنی چاہیں بلندی اور رفعت سے نواز دیں اور جس کو جب چاہیں، جہاں چاہیں، جتنی چاہیں پستی اور ذلت میں گرادیں، عزت اور ذلت دونوں اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ اور اس کی عطا کردہ ہیں، وہی چاہتے ہیں تو رفعتیں عطا فرماتے ہیں اور عہدے اور منصب عطا فرماتے ہیں اور وہی چاہتے ہیں تو عہدے اور منصب سے ہٹا کر نیچے گرادیتے ہیں۔

کائنات میں ہر روز ایک انقلاب برپا ہے

ان سب میں روزانہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نمونے نظر آتے ہیں، روزانہ صبح سے شام تک اس کائنات میں انقلاب برپا ہے اور لوگ زیر وزبر ہور ہے ہیں، یہ سب اس لئے ہورہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ان نشانیوں میں غور وفکر کر کے اللہ تعالیٰ کو پہچانیں۔

دنیا کی ہر چیز اللہ پاک کے وجود کو بتارہی ہے

یہ پوری دنیا بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ایک باغ ہے جس میں ہر چیز یہ

بتا رہی ہے کہ اس دنیا کا بنانے والا کوئی ہے، یہ خود نہیں بنی بلکہ کوئی بنانے والا ہے اور وہ بنانے والا نہایت عظیم الشان ہے اور وہ ایک ہے دو نہیں، کیونکہ ہر پھول الگ ہے، ہر پودا الگ ہے، اس کی ہر شاخ الگ ہے، ہر ٹہنی الگ ہے، ہر مخلوق ایک دوسرے سے الگ ہے، جب الگ ہے تو بس ان کا بنانے والا ایک ہی ہے، جس نے ہر چیز کے اندر اپنا ایسا جلوہ رکھا ہے کہ جس کو دیکھ کر وہ اس کو مانے اور ایک ہی مانے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں دیکھ کر اللہ کو یاد کرو

اس آیت میں تیسری بات یہ فرمائی کہ '' لَاٰیٰتٍ '' اس میں نشانیاں ہیں، آیات آیۃ کی جمع ہے اور آیۃ نشانی کو کہتے ہیں، اللہ پاک فرمارہے ہیں کہ آسمان اور زمین کی پیدائش میں، رات دن کے آنے جانے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں، ان کو دیکھ کر اللہ کو یاد کرو اور ان کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کو سوچو۔

قدرت کی نشانیاں عقل والوں کے لئے ہیں

زمین و آسمان میں اللہ تعالیٰ کو پہچاننے اور اس کی معرفت حاصل کرنے کی نشانیاں ہیں لیکن کس کے لئے '' لِاُولِی الْاَلْبَابِ '' عقل والوں کے لئے ہیں، یعنی آسمان وزمین کی پیدائش میں اور ان کے اندر کی انگنت اور بے شمار مخلوقات میں اور رات دن کے آنے جانے میں اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی قدرت کی جو نشانیاں ہیں، یہ ہر ایک کے لئے نہیں ہیں بلکہ یہ عقل مندوں کے لئے ہیں، ہوش والوں کے لئے ہیں، بے عقلوں کے لئے نہیں ہیں۔

عقل مندوں کی نشانیاں

اب عقل مند کسے کہتے ہیں؟ دنیا میں ہر آدمی اپنے آپ کو عقل مند سمجھتا ہے، کوئی اپنے آپ کو بے وقوف ماننے کو تیار نہیں، بڑے سے بڑا بے وقوف بھی

یہی کہے گا کہ میرے سے بڑا کوئی عقل مند نہیں ہے بلکہ جو جتنا بڑا بے وقوف ہوگا وہ اتنا ہی زیادہ اپنے آپ کو عقل مند کہتا ہوگا، اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ انہوں نے فیصلہ فرمادیا کہ عقل مند کون ہے اور بے وقوف کون ہے، انہی آیات میں اللہ پاک نے عقل مندوں کی تین نشانیاں بیان فرمائی ہیں کہ جس کے اندر یہ تین نشانیاں ہونگی وہی عقل مند ہے اور جو اس کے مطابق عقل مند ہے وہی ہماری قدرتوں کو دیکھ کر ہم تک پہنچ سکتا ہے اور جس میں یہ تین نشانیاں نہیں ہیں وہ چاہے کتنا ہی اپنے آپ کو عقلمند کہے اور چاہے ساری دنیا اس کو عقل مند کہے، تعلیم یافتہ کہے، پڑھا لکھا کہے، سمجھدار کہے، ذہین کہے لیکن حقیقت میں وہ بے وقوف، احمق، بدھو اور اناڑی ہے۔

عقل مند کی پہلی نشانی ''صاحب ایمان ہونا''

ان نشانیوں میں سے پہلی نشانی یہ ہے کہ وہ صاحب ایمان ہو اور وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہو، اگر ایمان والا ہے تو عقل مند ہے اور اگر بے ایمان ہے تو چاہے چاند پر اتر جائے پھر بھی بے وقوف ہی ہے، وہ اس لئے بے وقوف اور احمق ہے کہ کائنات کو پیدا کرنے کا جو مقصد تھا اس کی اس کو ہوا بھی نہیں لگی، اس کائنات کو پیدا کرنے کا، آسمانوں اور پہاڑوں کو پیدا کرنے کا، بادلوں اور دریاؤں کو پیدا کرنے کا، سمندروں اور باغات کو پیدا کرنے کا اور انسانوں کو پیدا کرنے کا مقصد یہ تھا کہ ان کو دیکھ کر خدا کو پہچانے، اس کو مانے، اس پر یقین کرے، جب اتنی سی بات بھی وہ نہ سمجھ سکا تو اس سے بڑا بے وقوف کون ہوگا، دنیا کی چھوٹی سی چیز بھی ہو اور دس دفعہ آدمی اس کو دیکھے اور پھر بھی نہ مانے تو اس سے بڑی بے وقوفی کیا ہوگی۔

مثلاً آگ ہے، اب جو شخص آگ کو اور اس کی گرمی کو دس مرتبہ دیکھ کر بھی اس کو آگ نہ سمجھے اور کہے کہ یہ تو برف ہے، آپ اس کو عقل مند کہیں گے یا بے

وقوف؟ جیسے آگ کی علامتیں اتنی واضح ہیں کہ ان کو دیکھ کر آگ کا پہچاننا ایک فطری، بدیہی اور واضح بات ہے اور اس کو سمجھنے میں کوئی دیر نہیں لگتی، بالکل اسی طرح اس کائنات کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کو پہچاننے میں دیر نہیں لگتی، اس لئے کہ دس بیس نہیں، اللہ تعالیٰ کو پہچاننے کی اربوں کھربوں نشانیاں موجود ہیں۔

غار میں رہنے والے پر بھی ایمان لانا فرض ہے

بعض لوگ یہ سوال کیا کرتے ہیں کہ فرض کریں کہ ایک آدمی پہاڑ کے ایک غار میں ہے اور غار کے اندر بھی اندر در اندر ہے جہاں آج تک دوسرا کوئی انسان پہنچا ہی نہیں اور اس کو پتا ہی نہیں کہ دنیا کے اندر انبیاء کرام علیہم السلام کا بھی کوئی سلسلہ ہے اور یہ بھی اس کو پتہ نہیں کہ سرکار دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں او یہ بھی نہیں پتہ کہ مسلمانوں پر پانچ چیزیں فرض ہیں: ایمان لانا، نماز پڑھنا، روزے رکھنا، زکوٰۃ دینا اور حج کرنا اور نہ اس کو یہ پتہ ہے کہ حلال کس کا نام ہے اور حرام کس کا نام ہے اور اسی حالت میں وہ اس غار کے اندر مر جاتا ہے تو بتائیں آخرت میں اس کو عذاب ہوگا یا نہیں، وہ مومن شمار ہوگا یا کافر شمار ہوگا؟ اگر آپ کہیں وہ کافر ہے تو سوال یہ ہے کہ اس کے پاس دعوت پہنچی کہاں؟ آپ اس کو کافر کیوں کہہ رہے ہیں، اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کیوں دوزخ میں ڈال رہے ہیں، اس کا کیا قصور ہے اور اگر جنتی ہے تو یہ جنتی کیسے ہے؟ ایمان تو لایا نہیں۔ علماء نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اس پر بھی فرض ہے اور اللہ تعالیٰ کے وحدہٗ لاشریک ہونے کا یقین کرنا اس کے ذمہ بھی لازم ہے، اگر وہ اس ایمان کے ساتھ دنیا سے گیا تب تو بخشا جائیگا اور اگر وہ اس دنیا میں اور اس غار میں رہ کر اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لایا تو پھر وہ کافر سمجھا جائیگا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں جائیگا، اس لئے کہ یہ آسمان وزمین، یہ پہاڑ، وہ غار جس میں اس نے زندگی گزاری ہے، غرض کائنات کی ایک ایک چیز گواہی دے

رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ موجود ہیں اور وہ وحدہٗ لاشریک ہیں، لہٰذا اگر وہ اس پر ایمان نہیں لایا تو اس کا قصور ہے، جیسے میں نے کہا کہ دس جگہ آگ کو دیکھے اور پھر بھی یہ کہے کہ یہ برف ہے، دیکھ رہا ہے کہ ہاتھ جل رہا ہے پھر بھی کہہ رہا ہے کہ آگ نہیں ہے، برف کا گولہ ہے تو اس کے بے وقوف ہونے میں کوئی شبہ نہیں، ایسے ہی جب اس شخص نے دنیا کے ایک غار کے اندر اپنی زندگی کا ایک طویل عرصہ گزارا اور پھر بھی خدا کو نہیں پہچان سکا تو نہ پہچاننا اس کا قصور ہے، اس کی غلطی ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے عجائباتِ قدرت کے نمونے اور اس کے پہچاننے کے طریقے تو ہر جگہ موجود تھے اور چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے، ایک پتھر میں بھی غور وفکر کرتا تو اللہ تعالیٰ کا اقرار کر لیتا، ایک درخت کو بھی دیکھتا تو اللہ تعالیٰ کو مان لیتا اور ایمان لے آتا۔

نعمتِ ایمان کا شکر ادا کریں

لہٰذا عقل مند وہ آدمی ہے جس کی سب سے پہلی علامت یہ ہے کہ وہ صاحبِ ایمان ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان اور فضل ہے کہ اس نے ہمیں اپنے کرم سے اس نعمت سے سرفراز فرمایا ہوا ہے، اس نعمت کا جتنا شکر ادا کریں کم ہے، اتنی بڑی نعمت ہے کہ ''واللہ'' اس نعمت کے برابر کوئی نعمت نہیں، ہمیں اس نعمت کی قدر نہیں ہے، اسی وجہ سے ہمارے دل میں اس کی اہمیت نہیں ہے، اس کی اہمیت تو صحابہ کرام سے پوچھیں جنہوں نے جانیں قربان کر کے یہ نعمت حاصل کی۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نزدیک ایمان کی اہمیت

ایک چھوٹا سا قصہ ایمان کی نعمت کا آپ کو سناتا ہوں جو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک بار سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم مسجدِ نبوی میں نماز پڑھا کر باہر تشریف لا رہے تھے کہ درمیان میں ایک صاحب آگے بڑھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم! قیامت کب قائم ہوگی؟ آپ نے اس سے یہ پوچھا کہ تم یہ بتاؤ کہ تم نے قیامت کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے؟ کیونکہ اصل چیز تیاری ہے، قیامت تو اپنے وقت پر ہی آئیگی، اگر قیامت کی تیاری کر لی ہے تو قیامت جب بھی آجائے کوئی حرج نہیں ہے اور اگر تیاری نہیں کی تو پھر جب بھی قیامت آئیگی، اس کے حق میں تباہی ہی ہوگی، اللہ بچائے، انہوں نے سادگی سے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم! آخرت کی تیاری کے بارے میں اتنا عرض کرسکتا ہوں کہ میں فرائض و واجبات کی تو پابندی کرتا ہوں لیکن نوافل کا ذخیرہ میرے پاس زیادہ نہیں ہے، نفلی عبادات میں نے زیادہ نہیں کی ہیں لیکن ایک بات ہے کہ میں دل سے اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں، نبی اکرم جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ'' اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ '' یعنی جس کو جس کے ساتھ محبت ہوگی وہ قیامت میں اسی کے ساتھ ہوگا، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اس حدیث کے راوی ہیں وہ کہتے ہیں کہ جب آپ کی زبانِ مبارک سے یہ جملہ صادر ہوا اور آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ جس کو جس کے ساتھ محبت ہوگی وہ قیامت میں اسی کے ساتھ ہوگا، مجھے یہ الفاظِ مبارک سن کر اس قدر خوشی ہوئی کہ یا تو سب سے زیادہ خوشی مجھے اس دن ہوئی تھی جس دن اللہ پاک نے مجھے ایمان کی دولت سے سرفراز فرمایا تھا یا آج مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے خوشی ہوئی کہ جس کو جس کے ساتھ محبت ہوگی، وہ قیامت میں اسی کے ساتھ ہوگا، ان دو مواقع پر مجھے جتنی خوشی ہوئی اتنی خوشی مجھے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ دیکھئے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایمان کی نعمت پر سب سے زیادہ خوشی ہوئی کہ اللہ پاک نے کفر کی دلدل سے نکالا اور دولتِ ایمان سے سرفراز فرمایا، اس کے بعد اس پر سب سے زیادہ خوشی ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت کے نتیجہ میں قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی نصیب ہونے والی ہے، پھر فرمایا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم

سے محبت کرتا ہوں، ابوبکر و عمر سے محبت کرتا ہوں، عثمان و علی سے محبت کرتا ہوں اور مجھے امید ہے قیامت کے دن میں انہی کے ساتھ ہونگا۔

صحابہ کرام کی پریشانی کا حل ''اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ''

وجہ اس کی یہ ہے کہ صحابہ کرام دنیا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی رہتے تھے، اس لئے دنیا میں ان کو آپ کی ہمراہی کی دولتِ عظمیٰ حاصل تھی لیکن ان کو یہ فکر اور پریشانی تھی کہ کل آخرت میں کیا ہوگا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سب سے بڑے نبی اور پیغمبر ہیں، اللہ تعالیٰ کے سب سے بڑھ کر محبوب ہیں، آپ کا بہت اونچا مقام ہوگا، پتہ نہیں ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ بھی سکیں گے یا نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر نہ دیکھ سکے تو ہمیں جنت میں جانے کا کیا مزہ آئے گا، اس حدیث شریف نے صحابہ کرام کی اس فکر کو ختم کر دیا، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ جس کو جس کے ساتھ محبت ہوگی وہ قیامت کے دن اسی کے ساتھ ہوگا۔ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری اور جنت کے اندر ہمراہی کی نعمت کی طرف اشارہ ہوگیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جس کو سچی پکی محبت ہوگی وہ انشاء اللہ قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوگا اور جو جس کے ساتھ محبت کرنے والا ہوگا وہ اسی کے ساتھ ملا دیا جائیگا، اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایمان بہت بڑی نعمت ہے، اس لئے اس کا دل و جان سے شکر ادا کرنا چاہئے۔

کمزور مؤمن بھی اللہ پاک کا محبوب ہے

یاد رکھئے! صاحبِ ایمان پوری دنیا میں چاہے وہ مالی اعتبار سے، جان کے اعتبار سے، جسم کے اعتبار سے، ملک وملت کے اعتبار سے، طاقت وقوت کے اعتبار سے اور ظاہری خوبصورتی کے اعتبار سے کتنا ہی کم سے کمتر ہو، کمزور سے

کمزور ہو یا وہ کیسا ہی قلاش، فقیر اور محتاج ہو، کیسا ہی کالا کلوٹا اور حبشی شکل والا ہو اور دوسری طرف کافر، مشرک، ملحد، دہریہ، دنیوی اعتبار سے کتنا ہی مالدار ہو، سائنسی ترقیات کے اعتبار سے آسمان سے باتیں کررہا ہو، کیسا ہی جسمانی اعتبار سے لوہالاٹ ہو، کتنا ہی حسین وجمیل ہو، کیسا ہی دنیوی فراوانی کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہو، لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں صاحبِ ایمان کے مقابلہ میں اس کی مچھر کے پر کے برابر بھی حیثیت نہیں ہے، دنیا کے سارے کافر ایک طرف اور ایک بندۂ مؤمن ایک طرف، اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ بندۂ مومن محبوب ہے اور سارے کے سارے کافر اللہ تعالیٰ کی نظروں میں گرے ہوئے ہیں، مبغوض ہیں، ملعون ہیں، مردود ہیں، دشمنانِ خدا ہیں اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اللہ تعالیٰ کے عذاب وقہر کے مستحق ہیں، چاہے دنیا کی کتنی ہی ترقی ان کو حاصل ہوجائے۔

کافروں سے مرعوب ہونے کی ضرورت نہیں

یہ اس لئے عرض کررہا ہوں کہ آجکل بہت سے مسلمان کافروں سے مرعوب ہیں کہ انہوں نے اتنی ترقی کرلی، ان کی ایسی زبردست تہذیب ہے، اتنی اچھی صفائی ہے، اس قدر ان میں سچائی ہے۔ لیکن امریکا اور اس کے یہ اتحادی یورپ والے جو کچھ کررہے ہیں، ان سے مرعوب ہونے والے بتائیں کہ اب ان کی تہذیب کہاں گئی، جانور سے بھی بدتر اس وقت ان کا حال ہے، جانور بھی کسی دوسرے جانور کو اس طرح سے پامال نہیں کرتا جس طرح یہ ناحق انسانوں کا خون بہارہے ہیں، اس وقت یہ ہلاکو خان اور چنگیز خان کے باپ بنے ہوئے ہیں، لوگ امریکہ اور یورپ کی بڑی تعریفیں کرتے ہیں لیکن یادرکھو! یہ تعریف کافروں کی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی حیثیت مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہے جبکہ ایک بندۂ مومن بیشک ظاہری طور پر کسی شمار میں نہیں ہے لیکن دل میں ایمان ہے اگرچہ ایمان بھی بہت ہی کمزور درجہ کا ہے، پھر بھی یہ ان کافروں کے مقابلہ میں

کروڑ ہا کروڑ درجہ بہتر ہے، یہ مؤمن عقلمند ہے اور وہ کافر بے وقوف ہیں، اس لئے کہ اس کائنات میں آنے کے بعد انسان کا جو بنیادی مقصد ہے وہ یہ ہے کہ اس کائنات کو دیکھ کر ایمان لائے، مؤمن ایمان لایا اور یہ کافر ایمان نہیں لایا، لہٰذا مؤمن عقل مند ہوا اور کافر عقل مند نہیں ہوا، معلوم ہوا کہ ایمان بڑی اہم اور بنیادی چیز ہے۔

ایمان کے تقاضے

لہٰذا اب ایمان کے تقاضوں پر عمل کرنے کی طرف توجہ دیں اور ایمان کے دو بڑے بڑے تقاضے ہیں، ایک یہ کہ جتنے بھی فرائض وواجبات ہیں اور بندگانِ خدا کے حقوق ہیں، ان کی ادائیگی کی طرف متوجہ رہیں، دوسرا یہ کہ جو گناہ ہیں اور ناجائز اور خلافِ شرع باتیں ہیں، ان سے بچنے کی طرف خصوصی توجہ دیں، یہ ایمان کے دو بڑے بڑے تقاضے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو آسمان وزمین، چاند وسورج میں غور کرنے کا حکم دیا ہے، ان میں غور کریں اور غور کر کے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مشاہدہ کریں اور سوچیں کہ اللہ پاک کیسے عظیم الشان ہیں اور کیسی کیسی ان کی قدرت کی نشانیاں ہیں، یہ غور کرنا بھی اللہ تعالیٰ کی ذات تک پہنچنے کا اہم ذریعہ ہے، لہٰذا پہلی نشانی عقلمند کی یہ ہے کہ وہ صاحب ایمان ہو۔

عقل مند کی دوسری نشانی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا

عقل مند کی دوسری نشانی یہ بیان فرمائی کہ ”اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِھِمْ“ یعنی عقلمند وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں کھڑے بھی، بیٹھے بیٹھے بھی اور لیٹے ہوئے بھی۔ اس میں زبان سے ذکر کرنا بھی آگیا، دل سے ذکر کرنا بھی آگیا یعنی ذکرِ لسانی اور ذکرِ قلبی دونوں ہی آگئے، غرض ہر قسم کی عبادات اس میں آگئیں، کیونکہ ذکر اپنے اندر بہت ہی وسیع

مفہوم رکھتا ہے، جہاں زبان سے اللہ اللہ کہنا، سبحان اللہ اور الحمد للہ کہنا ذکر کے مفہوم میں شامل ہے، وہیں ہر طرح کی عبادات بھی اس میں شامل ہیں کیونکہ سب ذکر ہی ہیں۔ اور عقلمند کی علامت ذکر کو اس لئے بیان فرمایا ہے کہ ذکر ایسی چیز ہے جو تمام عبادات میں سب سے زیادہ آسان ہے، چونکہ سب سے زیادہ آسان ہے اسی لئے سب سے زیادہ کرنے کا بھی حکم ہے، یہاں پر جو فرمایا کہ لیٹے بھی، بیٹھے بھی اور کھڑے بھی اللہ کا ذکر کرتے ہیں، اس میں بھی کثرت سے اللہ کے ذکر کرنے کی طرف اشارہ ہے، دوسری آیات میں اللہ پاک نے صاف صاف فرمایا ہے کہ ''یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا'' اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرو، ایک جگہ اہلِ ایمان کی یہ صفت بیان فرمائی کہ ''وَالذّٰکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّالذّٰکِرٰتِ'' کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے مرد اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والی عورتیں، بہر حال عقلمند کی دوسری علامت یہ ہے کہ ذکر اللہ کثرت سے کرنے والا ہو۔

اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا ذکر کثرت سے کرے

کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا اور ان کی صفات کا ذکر کثرت سے کرے، کیونکہ ذکر کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات دونوں سے ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات کا ذکر جیسے'' لا الٰہ الا اللّٰہ ''یا'' الا اللّٰہ ''یا'' اللّٰہ ، اللّٰہ ''اور صفات کا ذکر جیسے اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں، یہ سب صفاتی نام ہیں، رزاق ہونا، ستار ہونا، رحمٰن ہونا، رحیم ہونا، جبار ہونا، قہار ہونا، وھاب ہونا۔

اللہ تعالیٰ کی صفت رَزّاق کو سوچے

پھر اللہ تعالیٰ کی جو صفات ہیں، ان کے بارے میں سوچے، جیسے صفتِ

رزاق کے بارے میں سوچے کہ کس کس طرح اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو روزی عطا فرماتے ہیں اور یہ سوچے کہ پوری کائنات میں اللہ پاک کس کس طریقہ سے اپنی مخلوقات کو روزی پہنچا رہے ہیں اور روزی پہنچانے کا کیسا عجیب وغریب نظام ہے جس سے ہم واقف نہیں ہیں حالانکہ روزانہ ہم جہاں کہیں ہوں ہمیں روزی پہنچ رہی ہے، ہم تو ہم ساری مخلوقات کو اللہ پاک روزانہ روزی پہنچاتے ہیں، کس طرح پہنچاتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی شانِ رزاقیت ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا واقعہ

حضرت سلیمان علیہ السلام کا قصہ مشہور ہے، اللہ پاک نے ان کو بڑی زبردست سلطنت عطا فرمائی تھی، ہوائیں بھی ان کے تابع تھیں، زمین بھی ان کے تابع تھی، جنگل کی مخلوقات بھی ان کے تابع تھیں، سب چیزیں اللہ پاک نے ان کے تابع فرمائی تھیں، ان کو ایسی حکومت عطا فرمائی تھی کہ نہ ان سے پہلے کسی کو دی اور نہ ان کے بعد کسی کو عطا فرمائی، جنات تک ان کے تابع تھے، ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ اجازت چاہی کہ یا اللہ! آپ نے مجھ کو عظیم سلطنت عطا فرمائی ہے اور آپ نے مجھے بڑے اختیارات عطا فرمائے ہیں تو آپ مجھے اجازت دیں کہ میں سمندری مخلوقات کی دعوت کروں کیونکہ ان کو بھی آپ نے میرے تابع کیا ہوا ہے، لہٰذا میں ان کی دعوت کرنا چاہتا ہوں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ ان کی دعوت نہیں کرسکیں گے، حضرت سلیمان علیہ السلام نے عرض کیا کہ یا اللہ! آپ مجھے اجازت دیدیجئے، یہ جنات جو میرے تابع ہیں، یہ رات دن پکائیں گے، انشاء اللہ تعالیٰ پورا ہوجائیگا، اللہ پاک نے فرمایا کہ آپ ان کو نہیں کھلاسکیں گے، عرض کیا کہ پروردگار! اجازت دیدیجئے، جب کئی مرتبہ عرض کیا تو اللہ پاک نے اجازت دیدی، اب حضرت سلیمان علیہ السلام نے

سمندر کے کنارے کئی میل تک جنات کو لگا دیا کہ سمندر کی مخلوقات کے لئے کھانا تیار کرو، جنات نے بڑے بڑے تانبے اور پیتل کے دیگچوں میں کھانا پکانا شروع کردیا اور پورے مہینے خوب پکایا، حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہوا کو حکم دیا کہ وہ کھانے کے اوپر اس طرح چلے کہ کھانا خراب نہ ہو، جب سب کھانا پک کر تیار ہوگیا اور میلوں تک سمندر کے کنارے کھانا لگا دیا گیا، حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہوا کو حکم دیا کہ وہ کھانے کے اوپر اس طرح چلے کہ کھانا معتدل رہے، نہ زیادہ گرم ہو اور نہ زیادہ ٹھنڈا ہو۔ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے سمندری مخلوق میں اعلان کیا کہ تمہارا کھانا تیار ہے، آجایئے اور کھانا کھالیجئے، اس اعلان کو سنتے ہی سمندر میں سے ایک مچھلی نکلی اور اس نے کہا کہ حضرت! آپ نے دعوت فرمائی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! یہ سارا کھانا اسی لئے ہے، لہٰذا کھاؤ، اب اس مچھلی نے کھانا شروع کیا اور ایک کونے سے دوسرے کونے تک اکیلے ہی سب صفایا کردیا، مہینے بھر کا پکا ہوا کھانا ایک ہی مچھلی نے پورا کردیا، جب وہ فارغ ہوئی تو اس مچھلی نے کہا اے اللہ کے نبی! یہ آپ نے کیسی دعوت کی ہے، میرا پیٹ تو بھرا ہی نہیں، میں تو بھوکی رہ گئی، کیونکہ اللہ تعالیٰ اتنے بڑے بڑے تین لقمے روزانہ مجھے عطا فرماتے ہیں، آج ایک ہی لقمہ ملا ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام نے عرض کیا کہ یا اللہ! بیشک آپ ہی اپنی مخلوق کو روزی پہنچا سکتے ہیں، ہم ان کو نہیں کھلا سکتے۔ سارا کھانا ایک ہی مچھلی نے کھالیا اور اس کو بھی ایک ہی لقمہ ملا اور باقی سمندر کی ساری مخلوقات ابھی باقی ہی تھیں، بہرحال اللہ تعالیٰ ہی اپنی مخلوقات کو روزی پہنچاتے ہیں۔

روزی پہنچانے سے متعلق عجیب واقعہ

ایک بزرگ کا عجیب واقعہ یاد آیا کہ وہ کہتے ہیں کہ میں دریا کے کنارے بیٹھا ہوا تھا کہ میں نے دیکھا کہ ایک مینڈک خشکی کی طرف سے اپنے منہ میں ایک

ہرا پتا لے کر دریا کے کنارے کی طرف دوڑتا چلا جا رہا ہے، مجھے تجسس ہوا کہ یہ پتا لے کر کہاں جا رہا ہے اور کیوں جا رہا ہے؟ میں اس کے پیچھے پیچھے چلا، وہ سیدھا دریا کے کنارے پر پہنچا، جیسے ہی وہ کنارے پر پہنچا تو میں نے دیکھا کہ ایک کچھوا دریا کے اندر کنارے پر کھڑا ہے، یہ مینڈک اچھل کر کچھوے کی کمر پر بیٹھ گیا، اس کے بیٹھتے ہی وہ کچھوا پانی میں تیرنے لگا، مجھے اور حیرانی ہوئی کہ یہ کیا ماجرا ہے، میں نے سوچا کہ ضرور اس میں کوئی نہ کوئی بات ہے، میں نے بھی جلدی سے ایک کشتی والے کو پیسے دیئے اور اس کو کہا کہ مجھے ذرا آہستہ آہستہ دریا کے پار لے کر چلو، میں کشتی میں بیٹھ گیا، میری نظر مستقل کچھوے پر تھی جس کی کمر پر مینڈک بیٹھا ہوا تھا جو برابر دریا کے دوسرے کنارے کی طرف بڑھ رہا تھا، آہستہ آہستہ میں بھی کشتی کے ذریعہ دوسرے کنارے تک پہنچ گیا اور وہاں اتر گیا، میرے سامنے ہی وہ کچھوا کنارے پر آیا اور جو ہی وہ کنارے پر لگا اسی دم مینڈک اچھل کر خشکی پر آگیا، پھر وہ سیدھا دوڑنے لگا، اب میں اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا، چلتے چلتے میں نے دیکھا کہ وہ مینڈک ایک درخت کے پاس پہنچا اور اس درخت پر چڑھا، میں بھی دوسرے درخت پر چڑھ گیا تا کہ دیکھ سکوں کہ وہ اس درخت میں کہاں جاتا ہے، میں نے دوسرے درخت پر چڑھ کر دیکھا کہ اس درخت کی ایک شاخ پر ایک کالے رنگ کا ناگ بیٹھا ہے جو اندھا ہے، وہ مینڈک گیا اور وہ پتا اس کے منہ میں ڈال دیا۔ وہ پتا اس کالے ناگ کی خوراک تھی، اللہ پاک نے ایک مینڈک کے ذریعہ اس کی خوراک اور غذا وہاں پہنچائی، میں دیکھ کر حیران رہ گیا کہ یا اللہ! آپ کی کیسی قدرت ہے، کس طرح آپ اپنی مخلوقات کو روزی پہنچاتے ہیں۔ اب آپ دیکھیں کہ وہ سانپ اندھا تھا، کچھ کر نہیں سکتا تھا، کہیں سے اپنی غذا حاصل نہیں کر سکتا تھا، اللہ پاک نے اس کنارے سے دوسرے کنارے تک مینڈک اور کچھوے کی ڈیوٹی لگا کر اس تک روزی پہنچانے کا انتظام فرمایا، پس

عقل والوں کی دوسری علامت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات کا بھی ذکر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی صفات میں بھی غور کرتے ہیں۔

ذکر میں تین باتوں کا اہتمام ضروری ہے

جو آدمی ذکر میں تین باتوں کا اہتمام کرلے، نمبر ایک: ذکر کثرت سے کرے، نمبر دو: پابندی سے کرے، نمبر تین: توجہ سے کرے، تو آگے آنے والی عقلمند کی تیسری علامت خود بخود انشاء اللہ اس کو حاصل ہو جائیگی۔ ہمیں جو ذکر کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا، وہ ان تین باتوں میں سے کسی نہ کسی بات کے نہ ہونے کی وجہ سے حاصل نہیں ہوتا، اول تو ہم ذکر ہی نہیں کرتے، کریں تو پتا چلے کہ کتنی بڑی دولت ہے اور اگر کرتے ہیں تو کثرت سے نہیں کرتے اور کثرت سے کرتے ہیں تو توجہ اور پابندی سے نہیں کرتے حالانکہ ذکر کے فوائد حاصل کرنے کے لئے تینوں باتوں کی ضرورت ہے کہ ذکر کثرت سے بھی ہو، اس میں پابندی بھی ہو اور اس کو توجہ سے بھی کیا جائے۔

عقل مند کی تیسری نشانی

جب مذکورہ بالا تین باتوں کے ساتھ اللہ کا ذکر کیا جائیگا تو تیسری علامت حاصل ہو جائیگی اور وہ علامت یہ ہے کہ "وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" "یعنی آسمان و زمین کی بناوٹ میں غور وفکر کرتے ہیں، صرف ذکر ہی نہیں کرتے بلکہ ہماری قدرت کی نشانیوں میں غور وفکر بھی کرتے ہیں، فکر تفکر سے ہے اور تفکر کہتے ہیں "غور کر کے کسی چیز کی حقیقت تک پہنچنا" ذکر کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے اور فکر کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ کی مخلوقات سے کہ اللہ پاک نے جو مخلوق پیدا فرمائی ہے، ان میں غور کر کے اللہ تعالیٰ

تک پہنچیں، اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مشاہدہ کریں، ایک شعر یاد آ گیا۔

جگ میں آکر اِدھر اُدھر دیکھا تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

گلستان میں جاکر ہر ایک گل کو دیکھا جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تو ہے

پس جب تفکر ہوگا تو پھر چھوٹے پتھر سے بھی اللہ تعالیٰ نظر آئیں گے اور بڑے سے بڑے پہاڑ کو دیکھ کر بھی اللہ تعالیٰ نظر آئیں گے، زمین و آسمان کو دیکھ کر بھی خدا یاد آئے گا۔

تفکر بہت بڑی عبادت ہے

یہ تفکر بھی بہت بڑی عبادت ہے، جیسے ذکر عبادت ہے اور باعثِ ثواب ہے، اسی طرح تفکر بھی ایک اہم عبادت ہے، ایک روایت میں ہے کہ تھوڑی دیر فکر کرنا ساری رات جاگ کر عبادت کرنے سے بہتر ہے اور ایک روایت میں ہے کہ تھوڑا سا تفکر ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

ذکر کرنے اور مخلوقات میں غور وفکر کا نتیجہ

جب آدمی کثرت سے، پابندی سے اور توجہ سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں غور وفکر کرتا ہے تو آہستہ آہستہ اللہ تعالیٰ کی یاد دل ودماغ میں بس جاتی ہے اور پھر ہر چیز سے اس کو اللہ تعالیٰ نظر آنے لگتے ہیں، قدم قدم پر ہر چیز اس کو اللہ تعالیٰ کی یاد دلانے لگتی ہے، ہر چیز اس کو اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والی بن جاتی ہے، ہر چیز سے اس کو عبرت ہوتی ہے، ہر چیز سے اس کو سبق ملتا ہے، ہر چیز اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی معرفت کا ذریعہ بنتی ہے، چاند، سورج، زمین، آسمان، درخت، باغات، غرض ہر چیز جس پر بھی اس کی نظر جاتی ہے، بس وہ نظر نظر معرفت ہوتی ہے، ہم چیزوں کے ظاہر کو دیکھتے ہیں اور وہ اس چیز کے

باطن کو دیکھتا ہے، اور بے ساختہ اس کی زبان سے نکلتا ہے '' رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا '' کہ اے ہمارے رب! یہ کائنات آپ نے بیکار پیدا نہیں کی، اس کے پیدا کرنے میں، اس کے بنانے میں اور اس کو وجود میں لانے میں آپ کی ہزاروں حکمتیں ہیں، اس میں ہر طرف آپ کی قدرت کے نمونے پھیلے ہوئے ہیں اور جو کچھ بھی اس میں وقوع پزیر ہو رہا ہے، وہ سب آپ کے حکم کے تحت ہو رہا ہے اور اس میں آپ کی کوئی نہ کوئی حکمت ضرور موجود ہے۔

پہلی درخواست

اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اعتراف کرنے کے بعد عقلمند آدمی اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجز بن جاتا ہے، اپنی گردن جھکا لیتا ہے اور فرمانبردار ہو جاتا ہے، پھر پہلی درخواست یہ کرتا ہے کہ '' فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ '' یا اللہ! جہنم کے عذاب سے بچا، یہ دنیا تو فانی ہے، صرف آپ کی ذات باقی ہے، اسے چھوڑ کر جانا ہے تو وہاں جہنم سے بچائیے۔

دوسری درخواست

دوسری درخواست یہ کرتا ہے کہ یا اللہ! آخرت کی رسوائی سے بچا، اس لئے کہ آخرت کی رسوائی سب سے بڑی رسوائی ہے، جو شخص بھی دوزخ میں چلا گیا، سب سے بڑھ کر ذلت اس کے لئے ہوگی، سب سے زیادہ رسوائی اسی کی ہوگی، سب سے بڑی بدنامی اسی کی ہوگی، لہٰذا یا اللہ! ہمیں دوزخ سے بھی بچائیے اور آخرت کی ذلت و رسوائی سے بھی بچائیے اور دنیا کی رسوائی سے بھی بچائیے۔

تیسری درخواست

اس کے بعد تیسری درخواست یہ کرتا ہے کہ یا اللہ! ہم نے سرکارِ دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایمان کی دعوت دیتے ہوئے سنا، بالواسطہ یا بلا

واسطہ، بلا واسطہ تو صحابہ کرام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس دعوت اور پکار کو سنا اور ان کے بعد سے قیامت تک آنے والے مسلمان صحابہ کرام، تابعینؒ، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین اور سلفِ صالحین کے واسطہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہی پیغام اور ایمان کی دعوت سن رہے ہیں، یا اللہ! ہم نے وہ دعوت قبول کر لی اور ہم ایمان لے آئے، لہٰذا آپ ہمیں دوزخ میں داخل نہ فرمائیں۔ اس لئے کہ مؤمن کے دوزخ سے بچنے کی دو صورتیں ہیں، ایک صورت تو یہ ہے کہ شروع سے ہی دوزخ میں نہ جانا پڑے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی انہی میں شامل فرمادیں، دوسری صورت یہ ہے کہ دوزخ میں داخل تو کر دیا جائے لیکن یہ دخول عارضی ہو، اپنے کئے کی سزا پانے کے لئے اس کو دوزخ میں ڈالا گیا ہو، پھر سزا پانے کے بعد اس کو نکال دیا گیا، اس تیسری درخواست کا منشاء یہ ہے کہ مرتے ہی آپ ہمیں نیک لوگوں میں شامل فرمادیجئے تاکہ دوزخ کا دروازہ ہی نہ دیکھنا پڑے، کہیں ایسا نہ ہو کہ جہنم میں چلے جائیں اور پھر اس کے بعد نکالے جائیں، اگرچہ وہ نکلنا بھی غنیمت ہے لیکن ذلت اور عذاب تو اس میں بھی ہے، یا اللہ! آپ ہمیں اس سے بھی بچایئے، ہم آپ کے محبوب پر ایمان لائے ہیں، ان کے صدقہ اور طفیل آپ ہمارے ساتھ یہ کرم کا معاملہ فرمایئے کہ بس جیسے ہی ہمارا انتقال ہو، ویسے ہی آپ ہمیں اپنے نیک بندوں میں شامل کر لیجئے اور شامل کر کے انہی کے ساتھ رکھئے، وہ دوزخ میں نہیں جائیں گے، ان کے صدقہ ہم بھی دوزخ میں جانے سے بچ جائیں گے۔ یہ تین درخواستیں تو وہ ہیں جس کے اندر وہ عقلمند بندۂ مؤمن اللہ تعالیٰ سے ہر قسم کے خطرات وخدشات، آخرت کے نقصانات، ذلت ورسوائی سے بچنے کی درخواست کر رہا ہے۔

چوتھی درخواست

چوتھی درخواست ایک اور ہے وہ یہ کہ یا اللہ! جو آخرت کی عظیم عظیم نعمتیں

ہیں، یعنی آپ کی رضا، آپ کا قرب، عرشِ الٰہی کا سایہ، جنت میں داخلہ اور اس کی نعمتیں اور جنت میں انبیاء کرام علیہم السلام کی ہمراہی وغیرہ وغیرہ، یا اللہ! آپ نے اپنے نبیوں کے ذریعہ ان نعمتوں کے عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے، لہٰذا ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ ہم تو ان نعمتوں کے لائق نہیں ہیں مگر آپ نے عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے، لہٰذا آپ اپنی رحمت سے یہ نعمتیں بھی عطا فرما دیجئے اور اگر ہم میں ان کے حاصل کرنے کی صلاحیت ولیاقت نہیں ہے تو وہ لیاقت بھی عطا فرما دیجئے اور وہ صلاحیت بھی پیدا فرما دیجئے تا کہ ان نعمتوں کے ہم مستحق بن جائیں اور یہ نعمتیں ہمیں بھی مل جائیں، اس طرح ہم دنیا میں بھی فلاح یاب ہو جائیں گے اور آخرت میں بھی کامیاب ہو جائیں گے۔

پس یہ خلاصہ ہے جو ان آیات میں بیان کیا گیا ہے، آگے پھر اللہ پاک نے قبولیت کے وعدہ کا اعلان فرمایا ہے کہ جو یہ درخواستیں ہم سے کریگا، ہم اس کو قبول کریں گے۔

تہجد میں یہ آیات پڑھنی چاہئیں

سرکارِ دو عالم جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی طریقہ تھا کہ جب آپ تہجد میں اٹھا کرتے تھے تو یہ ''سورۂ آلِ عمران'' کی آخری آیات تلاوت فرمایا کرتے تھے، لہٰذا جب تہجد میں کوئی شخص اٹھے تو کبھی کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں یہ آیات تلاوت کر لینی چاہئیں۔

عراق کے اوپر امریکا کا حملہ

دوسری بات یہ عرض کرنی ہے کہ ہر مسلمان جانتا ہے کہ عراق کے اوپر امریکا اور اس کے اتحادیوں نے حملہ کیا ہوا ہے جس کی وجہ سے تمام مسلمانوں کے دل دکھے ہوئے ہیں۔

دل دکھنا ایمان کی علامت ہے

یہ دل دکھنا بھی مومن کے ایمان کی علامت ہے، کیونکہ نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ساری دنیا کے مسلمان ایک جسم کی طرح ہیں اور ایک جسم کے کسی حصہ میں درد ہو تو سارے جسم میں درد ہوتا ہے، مثلاً اگر سر میں درد ہو تو سارے جسم میں درد ہوتا ہے، آنکھ میں تکلیف ہو تو سارے جسم کو تکلیف ہوتی ہے، پیٹ میں درد ہو تو سارے جسم کو اس کا احساس ہوتا ہے، ساری دنیا کے مسلمان بھی اسی طرح ایک جسم کی مانند ہیں، اگر دنیا کے کسی خطہ کے مسلمانوں کو تکلیف ہوتی ہے تو دنیا کے سارے مسلمان اس تکلیف کو محسوس کرتے ہیں، اس وقت دنیا بھر کے مسلمان بے چین اور بے قرار ہیں اور سب کا دل دکھا ہوا ہے کہ عراق کے اوپر امریکا اور اس کے اتحادیوں نے حملہ کیا ہوا ہے، بموں کی بارش ہو رہی ہے اور مسلمان بے چارے شہید ہو رہے ہیں اور یہ دل دکھنا ایمان کی علامت ہے اور دل دکھنا بھی چاہئے، کیونکہ اگر کسی کا دل نہیں دکھ رہا تو وہ اپنے ایمان کی خیر منائے۔

ہمہ وقت دعا میں مشغول رہیں

اس وقت ہر مومن مرد و عورت کو چاہئے کہ ہمہ وقت دعا میں مشغول رہے، اس لئے کہ یہ تکلیف ایسی ہے کہ ہر وقت ذہن پر چھائی ہوئی ہے، نہ کھانے کا مزہ ہے، نہ سونے کا مزہ ہے، نہ ملنے جلنے کا مزہ ہے، نہ شادی کا مزہ ہے، نہ غمی کا کوئی غم ہے، سارے غموں اور خوشیوں کو اس نے بھلا دیا ہے، ہمہ وقت دل و دماغ وہیں لگا ہوا ہے کہ ان پر کیا قیامت بیت رہی ہوگی، یہ کفار ان پر کس طرح بربریت کا مظاہرہ کر رہے ہیں، لہٰذا ہر وقت دعا میں مشغول رہیں کہ اے اللہ! عراق کے مسلمانوں کی حفاظت فرما اور ان کی مدد فرما۔

دعا کو معمولی نہ سمجھیں

بعض لوگ دعا کو معمولی سمجھتے ہیں لیکن یاد رکھئے کہ دعا معمولی چیز نہیں ہے، اس لئے کہ دنیا میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی حکمت کے تحت ہی ہو رہا ہے، جب ان کے حکم وحکمت سے ہو رہا ہے تو دعا بھی تو انہی کی بارگاہ میں ہو رہی ہے، اللہ تعالیٰ اس پر بھی قادر ہیں کہ جس حکم وحکمت کی بنیاد پر کوئی کام ہو رہا ہے، وہ حکمت کو بدل کر اپنا حکم بھی بدل دیں، حدیث شریف میں یہاں تک ہے کہ دعا ایسی چیز ہے کہ اس سے تقدیر بھی بدل جاتی ہے اور یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے، کیونکہ تقدیر لکھنے والے بھی تو اللہ پاک ہیں اور دعا بھی انہی کی بارگاہ میں ہو رہی ہے، ہم تو تقدیر کے سامنے عاجز ہیں لیکن اللہ تعالیٰ تو تقدیر سے عاجز نہیں ہیں، انہوں نے ہی تقدیر لکھی ہے تو جب دعا ہوگی تو وہ تقدیر بدل بھی دیں گے، اسی طریقہ سے عراق پر جو کچھ ہو رہا ہے، اللہ تعالیٰ کے حکم وحکمت سے ہو رہا ہے، ہم دعا میں لگ جائیں، جب سارے عالم کے مسلمان دعائیں کریں گے تو اول تو سب کی دعا قبول ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ، کیونکہ دعا رد نہیں ہوتی ورنہ ان دعا کرنے والوں میں کوئی تو اللہ کا بندہ ایسا بھی ہوگا کہ اس کی دعا عرش سے جا کر ٹکرائے گی اور ہاتھوں ہاتھ قبول ہوگی اور انشاء اللہ پانسہ پلٹ جائیگا۔ اس لئے یہ دعا کرنا معمولی بات نہیں ہے کیونکہ یہ رب العالمین کی بارگاہ میں درخواست ہے جو قادرِ مطلق ہیں، ان کے سامنے نہ ایٹم بم کچھ ہے نہ ان کے میزائل کچھ ہیں، کافروں کی ساری طاقتیں تو اللہ تعالیٰ کے سامنے مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ کی طاقت سب سے بڑی طاقت ہے، اس لئے جب سب کچھ ان کے قبضۂ قدرت میں ہے تو گڑگڑا کر ان سے درخواست کریں کہ یا اللہ! ہماری بھی مدد فرما اور حفاظت فرما اور عراق کے مسلمانوں کی بھی مدد فرما اور حفاظت فرما۔ یاد رکھئے! وہاں کے مسلمان ہمارے بھائی ہیں، ان کی تکلیف

ہماری تکلیف ہے اوران کے اوپر جو کچھ بیت رہی ہے وہ ہم پر بیت رہی ہے، للہذا فرض نماز کے بعد بھی، تہجد کے وقت بھی، اشراق کے وقت بھی، چلتے بھی، بیٹھے بھی، لیٹے بھی، آتے بھی، جاتے بھی، جہاں بھی ہوں ان کے حالات سے بھی باخبر رہیں اور دل و جان سے دعا میں لگے رہیں۔

استغفار کا اہتمام کریں

اس کے ساتھ ساتھ استغفار کا بھی اہتمام کریں، کیونکہ عمل اور ردِ عمل ایک ایسا قانون ہے کہ جب سے دنیا بنی ہے یہ چلا آرہا ہے اور قیامت تک چلتا رہیگا، حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ اس پر بہت ہی زیادہ بیان فرمایا کرتے تھے۔

مکافاتِ عمل ایک اٹل قانون ہے

یاد رکھیے! مکافاتِ عمل اللہ تعالیٰ کا ایک اٹل قانون ہے، جو جیسا کرتا ہے ویسا ہی بھرتا ہے، مجموعی طور پر مسلمانوں کے حالات انتہائی ناگفتہ بہ ہیں، دینی اعتبار سے بہت سے مسلمانوں کی موجودہ حالت انتہائی خستہ ہے، مسلمان اپنے دین سے دور، آخرت سے غافل، عیش وعشرت میں ڈوبے ہوئے ہیں اور جب بھی مسلمانوں کی حالت ایسی ہوئی ہے، دشمن ان پر مسلط ہوئے ہیں۔ یہی بغداد جس پر آج امریکا اوراس کے اتحادی ٹوٹ پڑے ہیں، کچھ عرصہ پہلے تاتاریوں نے اس کے اوپر حملہ کیا تھا اور خون کی ندیاں بہائی تھیں، گلی کوچے کھوپڑیوں سے بھرے ہوئے تھے، ایک کروڑ چھ لاکھ آدمیوں کو ذبح کیا گیا تھا، ہلاکو خان نے کھوپڑیوں کے مینار بنائے تھے، یہ کیوں ہوا تھا؟ کیونکہ اس وقت کا حکمران عیش وعشرت میں ڈوبا ہوا تھا، دینداروں کا بھی یہ حال تھا، آج بھی بغداد کا وہی حال ہے جو اس وقت آگ میں جل رہا ہے، جیسے حالات ہوتے ہیں ویسے ہی انجام

ہوتا ہے، حدیث میں آتا ہے کہ ''اَعْمَالُکُمْ عُمَّالُکُمْ'' تمہارے حاکم تمہارے اعمال ہیں، جیسے تمہارے اعمال ویسے ہی تمہارے حاکم۔

گناہوں کی معافی اور دعائیں مانگیں

اس وقت توبہ اور استغفار کرنے کی ضرورت ہے، عراق والے نہ کریں تو ہم تو کرلیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ کوئی بھی توبہ استغفار کرلے، اللہ تعالیٰ سب کو معاف فرمادیتے ہیں، ہم بھی اپنے گناہوں کی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں کیونکہ ہم بھی تو عالم کے اندر ہیں، ہمارے گناہوں کا بھی تو اثر ہے، لہٰذا پہلے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں، پھر پورے عالم کے خصوصاً عراق کے مسلمانوں کے گناہوں کی معافی مانگیں، ہدایت کی دعا کریں، دین پر استقامت کی دعا کریں، سنت پر جمنے کی دعا کریں، شریعت پر چلنے کی دعا کریں اور ہر قسم کی عافیت وسلامتی کی دعا کریں، فتح ونصرت اور کامرانی کی دعا کریں اور یہ دعا کریں کہ یا اللہ! ہم کیسے بھی ہیں، نکمے ہیں، نالائق ہیں، خطا کار ہیں، سیاہ کار ہیں، ہم اپنی ہر غلطی کا اقرار کرتے ہیں، اقراری مجرم ہیں، ہم آپ سے معافی چاہتے ہیں، آپ ہمیں معاف فرمادیجئے اور سارے مسلمانانِ عالم کو معاف فرمادیجئے اور اس قہر وعذاب کو دور فرمادیجئے، یہ دشمن جو ہم مسلط ہوگئے ہیں ان کو ہم پر سے دفع فرمادیجئے اور ہم کو ان کے ظلم وستم سے نجات دیدیجئے اور ان کے مقابلہ میں مسلمانوں کو فتحِ مبین عطا فرمادیجئے۔

قنوتِ نازلہ کا اہتمام کریں

نیز اپنی اپنی مساجد میں قنوتِ نازلہ کا اہتمام کریں، یہ بھی بہت اہم ہے، کل چار کام ہوگئے، اللہ تعالیٰ توفیقِ عمل عطا فرمائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین

غلط توہمات اور غلط نظریات

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی دامت برکاتہم
نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ضبط و ترتیب
حبیب اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
دکان نمبر ۲۹، نایاب جامع مسجد، لیاقت آباد کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم

: گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی بیانات : جلد نمبر ۱۰

غلط توہمات اور غلط نظریات

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کثیراً کثیراً۔

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَمَا اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوْ عَنْ کَثِیْرٍ ○ صدق اللّٰہ العظیم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غلط نظریات کا قلع قمع فرمایا

میرے قابلِ احترام بزرگو! سرکارِ دوعالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دنیا میں تشریف لائے اور اللہ جل شانہ نے آپ کو اپنا نبی بنا کر مبعوث

فرمایا اور آپ نے اپنا منصبِ رسالت ادا فرمانا شروع کیا تو آپ نے جہاں لوگوں کو اللہ جل شانہ پر، اپنے نبی اور پیغمبر ہونے پر، آخرت کے برحق ہونے پر، جنت و دوزخ کے برحق ہونے پر، حساب وکتاب کے برحق ہونے پر اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے برحق ہونے پر لوگوں کو دعوت دی اور جہاں آپ نے لوگوں کو کفر وشرک سے باز رہنے کی تلقین فرمائی، توحیدِ خالص ان کے سامنے پیش کی اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کی دعوت دی، وہاں اس زمانے کے انسانوں میں جو طرح طرح کی غلط باتیں، غلط نظریات، وہم کی باتیں، توہم پرستی کی باتیں پائی جاتی تھیں، ان کا بھی قلع قمع فرمایا، ان کو بھی دور فرمایا اور ان سے بھی بچنے کی تاکید فرمائی۔

غلط نظریات کافروں کی طرف سے آئے

ان توہمات، غلط نظریات، جاہلانہ خیالات، بے بنیاد اور بے حقیقت باتوں میں سے بعض باتیں ایسی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منع کرنے کے باوجود وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے لے کر آج تک بعض لوگوں میں پائی جاتی ہیں اور وہ تمام باتیں دراصل کافروں کی طرف سے چلی آرہی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی وہ باتیں کافروں کے اندر پائی جاتی تھیں، وہ تمام غلط باتیں، توہم پرستی کی باتیں، غلط غلط نظریات کافروں ہی کے تھے، جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے وہ ان باتوں سے بالکل پاک صاف، ان سے مبراء ہوگئے اور وہ سارے کے سارے موحد اور اللہ کے سچے نام لیوا ہوگئے، لیکن جو ایمان نہیں لائے وہ اسی طرح ان غلط باتوں کے اندر مبتلا رہے جیسے کفر وشرک میں مبتلا رہے، گمراہی میں ڈوبے رہے، توہمات میں بھی مبتلا رہے اور وہی توہمات کافروں کے اندر آج تک چلے آرہے ہیں، لہٰذا آج بھی کافروں کے اندر وہ باتیں پائی جاتی ہیں، وہیں سے مسلمانوں کے اندر بھی

منتقل ہوتی رہتی ہیں اور مسلمان بھی اپنی نادانی، جہالت اور ناسمجھی کی وجہ سے ان سے متاثر ہوکر ان پر عمل کرنا شروع کر دیتے ہیں، اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ ایسی باتوں کی طرف کچھ توجہ دلائی جائے، اگر خدانخواستہ کسی مسلمان مرد یا کسی مسلمان عورت میں وہ خرابی موجود ہو تو وہ اس کو دور کرلے اور جس میں نہیں ہے وہ بھی احتیاط رکھے۔

پہلا غلط نظریہ "بیماری کا ایک دوسرے کو لگنا"

ان غلط نظریات میں سے ایک غلط نظریہ کافروں کا یہ تھا کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ بعض بیماریاں ایسی ہوتی ہیں جو ازخود ایک سے دوسرے کو لگتی ہیں، ایسی بیماریوں کو اہلِ عرب "عَدْوٰی" کہتے تھے، عَدْوٰی اس بیماری کو کہتے تھے جو اگر کسی کے ہوجائے تو جو آدمی اس کے پاس بیٹھے گا، اس کے ساتھ کھانا کھائیگا، اس سے ملنے جائیگا، تو اس مریض کی وہ بیماری اس کے ساتھ کھانے والے کو اور اس سے ملنے والے کو بھی ہوجائیگی، یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے کافر عربوں کا نظریہ تھا اور ان کا یہ خیال اور تصور تھا، اس لئے وہ لوگ جب کسی شخص کو کسی خطرناک بیماری میں مبتلا پاتے تو اس سے بالکل دور ہٹ جاتے تھے اور اس سے ملنا جلنا، اس کے ساتھ بیٹھنا اٹھنا، اس کے پاس آنا جانا، اس کے ساتھ کھانا پینا بند کر دیتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ بہت خطرناک بیماری میں مبتلا ہے، اگر ہم اس کے پاس جائیں گے، اس کے پاس بیٹھیں گے، اس سے ملیں گے اور اس کے ساتھ کھائیں گے تو جو بیماری اس کے ہورہی ہے، وہ بیماری ہمارے بھی لگ جائیگی، پھر ہم بھی بیمار ہوجائیں گے۔

انسان تو انسان وہ لوگ جانوروں کے اندر بھی یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ایک جانور کی بیماری دوسرے جانور کو لگ جاتی ہے، جیسے اونٹ کو خارش کی بیماری ہوتی ہے، تو ان کا عقیدہ یہ تھا کہ خارش کی بیماری پہلے اس کے ہونٹ کے نیچے ہوتی

ہے، پھر وہاں سے پھیلتے پھیلتے سارے جسم میں خارش ہو جاتی ہے، پھر اس کی یہ خارش دوسرے اونٹوں کے لگ جاتی ہے اور اس طرح سے ایک اونٹ کو خارش ہونے کی وجہ سے اونٹوں کا پورا ریوڑ خارش کے اندر مبتلا ہو جاتا ہے اور پہلے اونٹ کی خارش سب کو لگ جاتی ہے، اس لئے جس اونٹ کو خارش ہو جاتی تھی، وہ لوگ اپنے سارے اونٹ اس سے دور لے جاتے تھے، اس کو الگ تھلگ کہیں باندھ دیتے تھے، کسی اونٹ کو اس کے پاس جانے نہ دیتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ اس اونٹ کے جب خارش ہوگئی تو اب یہ اونٹ جس کے پاس بھی جائیگا اس کے بھی خارش لگائیگا اور جو اونٹ اس کے پاس آئیگا، اس کے بھی خارش لگ جائیگی اور اس کے اندر بھی خارش کی بیماری پیدا ہو جائیگی۔

آج بھی یہ نظریہ پایا جاتا ہے

جس طرح زمانۂ جاہلیت میں خارش کو وبائی بیماریوں کے اندر اور لگنے والی بیماریوں کے اندر شمار کیا جاتا تھا، اسی طرح آج بھی شمار کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی بیماریاں ہیں جیسے ڈائریا، نزلہ، زکام، طاعون، برص وغیرہ، ان کے بارے میں بھی یہی نظریہ ہے کہ ان بیماریوں میں سے کوئی اگر کسی کے اندر ہو جائے تو بس ان کے گھر والوں کی خیر نہیں ہے، پھر سب گھر والوں کو ہوگی، ایک سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے کو لگتی چلی جائیگی، نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غلط نظریہ، غلط عقیدہ اور بے بنیاد تصور کی نفی فرمائی اور اپنے ایک، دو، تین نہیں بلکہ بہت سارے ارشادات کے ذریعہ بتادیا کہ ہرگز ہرگز کسی بیماری کے اندر یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ ازخود کسی دوسرے کے لگ جائے، چاہے وہ کتنی ہی خطرناک سے خطرناک بیماری ہو جیسے ہمارے زمانے میں کینسر کا مرض ہے اور چاہے بالکل معمولی مرض ہو جیسے نزلہ زکام اور چاہے وہ ایسا مرض ہو جس کی وجہ سے بہت سے آدمی ہلاک ہو جاتے ہیں جیسے

طاعون، جذام۔ جتنی بیماریوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں وبائی بیماری اور ایک دوسرے کو لگنے والی بیماری کہا جاتا تھا یا آج کے ڈاکٹر کہتے ہیں جو انگریزوں کے مقلد ہیں، جو انگریزوں نے کہہ دیا بس اس کو پتھر کی لکیر سمجھتے ہیں، اپنے دین کی تعلیمات کی ان کو خبر ہی نہیں کہ ہمارے دین میں کیا ہے، بیماریوں کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کیا ہیں، اس کی انہیں خبر نہیں، بچپن سے بڑھاپے تک جو کچھ پڑھا وہ سب انگریزوں سے پڑھا تو اب انگریزوں کی باتیں ان کے لئے پتھر کی لکیر ہیں، لہٰذا جس بیماری کے متعلق انگریزوں نے کہہ دیا کہ یہ بیماری لگتی ہے تو بس ہمارے مسلمان ڈاکٹر بھی یہ سمجھتے ہیں کہ یہ لگنے والی بیماری ہے الا ماشاء اللہ، یہ کافروں کا عقیدہ ہے اور کافروں کا عقیدہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے، ان کا نظریہ کیسے درست ہو سکتا ہے، نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے تمام خیالات، نظریات، عقائد اور اس قسم کی ساری باتوں کو بے بنیاد قرار دیا، ان کو بے حقیقت فرمایا، بے اصل فرمایا اور غلط قرار دیا۔

خارش کے متعدی نہ ہونے سے متعلق حدیث

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے کافر عرب خارش کی بیماری کو متعدی بیماری سمجھتے تھے، لہٰذا جب آپ نے اس بات کو بیان کیا کہ کسی کی بیماری از خود کسی کو نہیں لگ سکتی تو عرب کے بدوؤں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضور! آپ یہ کیسے فرما رہے ہیں کہ ایک کی بیماری دوسرے کو نہیں لگتی، ہم تو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں کہ ایک اونٹ کو خارش کی بیماری ہوتی ہے، خارش کی بیماری پہلے اس کے ہونٹ کے نیچے ہوتی ہے، پھر وہاں سے پھیلتے پھیلتے سارے جسم میں خارش ہو جاتی ہے، پھر اس کی یہ خارش دوسرے اونٹوں کے لگ جاتی ہے اور اس طرح سے سارے کے سارے اونٹ خارش کے اندر مبتلا ہو جاتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ غلط ہے، جب تم یہ کہتے ہو کہ

خارش کی بیماری ایک سے دوسرے کو لگتی ہے تو بتاؤ پہلے اونٹ کو کس کی بیماری آکر لگی؟ معلوم ہوا کہ جب پہلے اونٹ کو کسی کی بیماری نہیں لگی تو دوسرے اونٹوں کو بھی پہلے کی بیماری نہیں لگی بلکہ ہر ایک کے اندر الگ الگ پیدا ہوئی، جس کے بارے میں اللہ پاک کو منظور ہوا اس کو خارش ہوگئی اور جس کے بارے میں منظور نہیں ہوا اس کو نہیں ہوئی۔ آپ نے اس نظریہ کی جڑ ہی کاٹ دی کیونکہ پہلے اونٹ کو کس کی خارش لگی؟ ظاہر ہے اس سے پہلے تو کوئی خارش والا اونٹ ہے ہی نہیں، جب نہیں تو اس کے اندر خارش خود ہی پیدا ہوئی ہے، کسی کی آکر نہیں لگی اور جب پہلے اونٹ کو کسی کی خارش نہیں لگی تو اس سے کسی اور کو بھی نہیں لگی، لہٰذا باقی اونٹوں کے اندر جو خارش پیدا ہوئی وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خود ہی پیدا ہوئی۔

صحت و بیماری تقدیر کے مطابق ہوتی ہے

آپ نے یہ تعلیم فرمادی کہ صحت، تندرستی، مرض اور بیماری سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہے، اس میں بھی توحید کی تعلیم ہے، وحدانیت کی تعلیم ہے، اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی تعلیم ہے کہ اللہ پاک قادرِ مطلق ہیں، مالک الملک ہیں، وہی صحت دینے والے ہیں، وہی بیماری دینے والے ہیں، جب ان کا حکم ہوتا ہے اور جس کے بارے میں حکم ہوتا ہے اور جتنا ہوتا ہے اور جہاں ہوتا ہے بس صرف اسی کے اندر اللہ تعالیٰ کے حکم سے بیماری پیدا ہوتی ہے، اگر اللہ پاک نے اس کی تقدیر میں بیماری لکھی ہے تو چاہے وہ سو فیصد تندرستوں کے اندر ہو، نہ دائیں کوئی مریض ہو، نہ بائیں کوئی مریض ہو، نہ آگے مریض ہو، نہ پیچھے مریض ہو، ہر جگہ صحت منداور صحت بخش فضاء کے اندر رہتا ہو اور صحت مند انسانوں کے درمیان رہتا ہو پھر بھی اس کو بیماری ہو جاتی ہے، خطرناک سے خطرناک بیماری بھی ہو جاتی ہے اور معمولی سے معمولی تکلیف بھی ہو جاتی ہے، اب وہاں کوئی دوسرا بیمار ہے ہی نہیں، اگر بیماری ایک کی دوسرے کو لگتی ہے تو پھر اس کو کہاں سے ہوئی،

معلوم ہوا کہ اللہ کے حکم سے ہوئی۔

تقدیر دنیا بننے سے پہلے لکھدی گئی ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو تلقین فرمائی اور اس کی تعلیم دی کہ اللہ پاک نے جتنے بھی انسان پیدا فرمائے ہیں، ان سب کی تقدیر اللہ پاک نے ان کے دنیا میں آنے سے پہلے ہی لکھدی تھی، بلکہ زمین و آسمان کے بنانے سے بھی پہلے اور ایک قول یہ ہے کہ دنیا اور زمین و آسمان کے پیدا کرنے سے بھی پچاس ہزار سال پہلے اللہ پاک نے سارے آنے والے انسانوں کی تقدیر لکھدی اور اس تقدیر میں ہر آدمی کی بیماریاں بھی لکھدیں، صحت بھی لکھدی، عزت بھی لکھدی، روزی بھی لکھدی، زندگی بھی لکھدی، خوشی اور غمی بھی لکھدی، غرض سب ہی کچھ لکھ دیا، اب اس دنیا میں آنے کے بعد جس کے ساتھ جو کچھ ہورہا ہے، وہ سب اس کی تقدیر کے مطابق ہورہا ہے، اگر دس آدمیوں کی تقدیر کے اندر ایک بیماری لکھی ہوئی ہے تو ہر ایک کو وہ بیماری اس کی تقدیر کے مطابق مستقل ہوگی، ایک کو دوسرے کی نہیں لگے گی، دوسرے کو تیسرے کی نہیں لگے گی اور جن کی قسمت میں بیماری لکھی ہوئی نہیں ہے وہ چاہے ان بیماری والوں سے گلے ملیں، چاہے ساتھ کھانا کھائیں اور چاہے ساتھ اٹھیں بیٹھیں، ان کو یہ بیماری قطعاً نہیں ہوگی اور یہ چیز ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ جن علاقوں میں کوئی بیماری عام ہوجاتی ہے تو اس بیماری کی وجہ سے سارے نہیں مرتے، جس طرح ہزاروں مرتے ہیں تو ہزاروں بچتے بھی ہیں، اگر بیماری کے لگنے کا نظریہ صحیح ہوتا تو کسی کو بھی نہیں بچنا چاہئے تھا لیکن ہر جگہ جہاں بھی کوئی بیماری ہوتی ہے، کبھی بھی نہ سارے مرتے ہیں نہ سارے جیتے ہیں، اس سے اسی بات کی تائید ہوتی ہے کہ دراصل یہ سب تقدیر کا کام ہے، ان ہزاروں انسانوں میں سے جس جس کی قسمت میں اللہ پاک نے وہ بیماری لکھی تھی، ان کو وہ بیماری ہوگئی اور اس بیماری کے ذریعہ ان کا انتقال

ہو گیا اور جن لوگوں کی تقدیر میں اللہ پاک نے وہ بیماری نہیں لکھی تھی ان کو کچھ بھی نہ ہوا، وہ صحیح سلامت رہے، وہاں موجود ہونے کے باوجود بھی بچ گئے، تو غم بھی مقدر ہے، مرض بھی مقدر ہے، صحت بھی مقدر ہے، مالداری بھی مقدر ہے، روزی بھی مقدر ہے، عزت و ذلت بھی مقدر ہے، ہر چیز مقدر ہے، لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تقدیر پر ایمان لانے کا حکم فرمایا کہ جو کچھ اچھا برا ہوتا ہے وہ تقدیر کے مطابق ہوتا ہے۔

جذامی سے بچنے اور طاعون زدہ علاقہ میں نہ جانیکی کی حکمت

بعض روایات کے اندر یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی جذام کی بیماری کے اندر مبتلا ہو جس میں عام طور پر آدمی مر جاتا ہے تو تم اس سے اس طرح بچو جیسے شیر سے بچتے ہو اور بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ جس شہر میں یا جس بستی میں طاعون پھیلا ہوا ہو وہاں مت جاؤ اور جو لوگ اس شہر کے اندر ہیں ان کو یہ حکم ہے کہ باہر مت نکلو۔ ان ارشادات کے ظاہر سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بیماری کچھ نہ کچھ تو لگتی ہی ہے، یاد رکھو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ چونکہ ایک کی بیماری دوسرے کو لگتی ہے، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا بلکہ جذامی آدمی سے جو بچنے کا حکم دیا جا رہا ہے اس کی وجہ دوسری ہے، اسی طرح جس علاقہ میں طاعون ہے وہاں جانے کی ممانعت کی وجہ اور جو وہاں موجود ہیں ان کے نکلنے سے ممانعت کی وجہ اور ہے، وہ وجہ یہ ہے کہ سارے مسلمان ایمان کے اعتبار سے برابر نہیں ہیں، قوی ایمان والے بھی ہیں، درمیانے درجے کا ایمان رکھنے والے بھی ہیں اور ضعیف ایمان والے بھی ہیں، اس جیسے جتنے بھی آپ کے ارشادات ہیں، یہ کمزور ایمان والوں کے ایمان کی حفاظت کے لئے ہیں کہ جس آدمی کو جذام کی بیماری ہے یا جو طاعون کے مرض میں مبتلا ہے تو یہ بیماری اس کے اندر اللہ کے حکم سے ہے، کسی اور کو بھی لگ نہیں سکتی، اگر تقدیر میں ہو گی تو لگے گی اور اگر تقدیر میں نہیں ہو گی تو کچھ

بھی ہو جائے، کوئی بیماری لگ نہیں سکتی۔

اب اگر کوئی کمزور ایمان والا ہے اور وہ کسی جذامی کے پاس چلا گیا اور جا کر اس کے ساتھ کھانا کھالیا یا اس کا جھوٹا پانی پی لیا یا اس کے ساتھ بیٹھ گیا اور اس بیٹھنے والے کی قسمت میں بھی وہ بیماری لکھی ہوئی تھی جس کے نتیجے میں اس کے اندر بھی وہ بیماری پیدا ہوگئی تو ظاہر میں ایمان کی کمزوری کی وجہ سے وہ یہ سمجھے گا کہ چونکہ میں اس جذامی کے پاس بیٹھا تھا یا میں نے اس کا جھوٹا پانی پیا تھا، اس لئے اس کی بیماری میرے لگ گئی اور جب وہ یہ سمجھے گا تو اس کے ایمان میں خلل واقع ہوگا اور تقدیر پر جو ایمان تھا وہ ڈانوا ڈول ہو جائیگا، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احتیاطاً اس کو اس کے پاس جانے سے منع فرمادیا کہ تمہارا ایمان کمزور ہے، اگر تم اس کے پاس چلے گئے اور تمہاری تقدیر میں بیماری لکھی ہوئی تھی اور تم اپنی تقدیر کے مطابق بیمار ہو گئے اور غلطی سے یہ سمجھ بیٹھے کہ اس کی بیماری مجھے لگ گئی تو تمہارا ایمان ہی خطرے میں پڑ جائیگا، لہٰذا اس کے پاس جانے سے احتیاط کرو تا کہ تمہارا ایمان سلامت رہے اور تمہارے ایمان میں خلل واقع نہ ہو، اس لئے آپ نے جذامی کے پاس جانے سے منع فرمایا ہے۔

اسی طرح جس علاقہ، شہر، گاؤں، دیہات میں کوئی بیماری عام لوگوں کو ہو رہی ہے تو ان سب کو اپنی اپنی تقدیر کے مطابق ہو رہی ہے، ایک کی بیماری دوسرے کو ہرگز ہرگز نہیں لگ رہی، لیکن باہر والوں کو وہاں جانے سے منع فرمایا، اس لئے کہ اگر یہ باہر والا وہاں چلا گیا اور اس کی تقدیر میں پہلے سے ہی وہ بیماری لکھی ہوئی تھی جو اس علاقہ میں آئی ہوئی ہے اور وہاں جا کر اس کی تقدیر کے مطابق اس کو بھی وہ بیماری ہو گئی تو ایمان کے کمزور ہونے کی بناء پر وہ یہ سمجھے گا کہ میں چونکہ اس علاقہ میں چلا گیا تو میرے بھی یہ بیماری لگ گئی، نہ جاتا تو نہ لگتی اور جب وہ یہ سمجھے گا تو اس کے ایمان میں خلل واقع ہوگا اور تقدیر پر جو ایمان تھا وہ

متزلزل ہو جائے گا، تو اس کے ایمان کے تحفظ کے لئے آپ نے یہ تلقین فرمائی کہ تم وہاں مت جاؤ، احتیاط کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا ایمان ہی خطرے میں پڑ جائے اور اس میں خلل واقع ہو جائے۔

اسی طرح جو لوگ اس بستی کے اندر ہیں، وہ لوگ دیکھ رہے ہیں کہ دو آدمی اس گھر میں مر گئے، تین آدمی دوسرے گھر میں مر گئے، چار آدمی تیسرے گھر میں مر گئے اور کثرت سے لوگوں کی موت واقع ہو رہی ہے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان بستی والوں کو حکم یہ ہے کہ کوئی بھی اپنے علاقہ سے باہر نہ جائے، اسی وبائی علاقہ کے اندر ہی سب لوگ رہیں، کسی کو بھی وہاں سے باہر جانے کی اجازت نہیں، اس میں بھی یہی حکمت ہے کہ اگر کوئی شخص اس بستی سے نکل کر باہر چلا گیا حالانکہ اس کی تقدیر میں وہ بیماری لکھی ہوئی ہی نہ تھی اور اس کو وہ بیماری نہ ہوئی تو اس کا ایمان اس طرح خطرے میں پڑ جائیگا کہ وہ یہ سمجھے گا کہ میں چونکہ اس بستی سے نکل آیا تو بچ گیا، اگر میں وہاں ہوتا تو میں بھی مر جاتا۔ یہ ہے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دور اندیشی کہ کس کس طریقہ سے ہمارے ایمان کی حفاظت فرما رہے ہیں کہ اس بستی کے اندر رہنے کی صورت میں بھی اس کی تقدیر میں اگر بیماری نہیں ہے تو نہیں ہوگی اور جب وہاں نہیں ہوگی تو باہر بھی نہیں ہوگی لیکن اگر وہ باہر چلا گیا اور وہ بیمار نہ ہوا تو باہر آ کر وہ یہ سمجھے گا کہ باہر آنے کی وجہ سے میں بیماری سے بچ گیا اس سے اس کا تقدیر پر ایمان خراب ہو جائیگا، اس طرح سے آپ نے اندر والوں کے ایمان کی حفاظت فرمائی، اب اندر جتنے بھی ہیں جس جس کی تقدیر میں یہ بیماری لکھی ہوئی ہے اس کو تو ہوگی اور جن کی قسمت میں نہیں لکھی وہ اندر رہتے ہوئے بھی بیماری سے محفوظ رہیں گے، جن ارشادات میں آپ نے منع فرمایا ہے وہ احتیاط کے طور پر ایمان کے تحفظ کے لئے منع فرمایا ہے ورنہ اصل بات وہی ہے کہ بیماری اور صحت مقدر ہے، حادثات اور سانحات

سارے تقدیر میں لکھے ہوئے ہیں، جس کے لئے جس وقت مقدر ہیں اسی وقت وہ رونما ہونگے۔

اسلام احتیاطی تدابیر اختیار کرنے سے منع نہیں کرتا

نیز ان احادیث سے ہمارے لئے یہ سبق بھی مل گیا کہ احتیاطی تدابیر اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اسلام ہرگز اس سے منع نہیں کرتا مگر نظریہ کا صحیح رکھنا ضروری ہے، اعتقاد کا درست رکھنا لازم ہے، ایمان کے مطابق ہمارا اعتقاد یہی ہونا چاہئے کہ بیاری اللہ کے حکم سے آتی ہے اور اللہ ہی کے حکم سے جاتی ہے، اگر اللہ کا حکم ہوگا تو آپ کتنا ہی وبائی علاقہ سے دور ہوں، آپ کو بیاری ہوکر رہیگی اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں ہے تو آپ مریض کے منہ کا نوالہ اپنے منہ میں رکھ لیں تب بھی آپ کا کچھ نہیں ہوگا، البتہ احتیاطی تدابیر اعتدال کے ساتھ اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، انجیکشن لگوانا بھی صحیح ہے اور دوسری تدابیر بھی اختیار کرسکتے ہیں لیکن عقیدہ کا صحیح رکھنا ضروری ہے اور مریض سے چھوت چھات کا معاملہ کرنا جائز نہیں ہے کہ بالکل اس کو ہم انتہائی خطرناک قرار دیکر اس کے پاس آنا جانا چھوڑ دیں، اس سے ملنا جلنا چھوڑ دیں، اس کے پاس اٹھنا بیٹھنا چھوڑ دیں، اس کے ساتھ کھانا پینا چھوڑ دیں یہ بالکل غلط ہے، احتیاطی تدابیر کریں لیکن مریض کے پاس آئیں جائیں، اس کی خدمت کریں اور اس بات کو ذہن نشین کرلیں کہ بیاری اللہ کے حکم سے ہی ہوتی ہے، اگر میری تقدیر میں لکھی ہے تو میں اس کے پاس جاؤں یا نہ جاؤں، وہ ہوکے رہے گی اور اگر میری تقدیر مین نہیں ہے تو لاکھ اس کے پاس بیٹھوں، کچھ نہیں ہوسکتا اور یہ بالکل برحق ہے۔

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ

اس پر حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ مجھے یاد آیا

جو حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بھانجے ہیں اور بڑے بزرگ اور عالم ہیں، پاکستان بننے کے بعد مشرقی پاکستان میں انہوں نے ہی پاکستان کا پرچم لہرایا تھا جبکہ کراچی میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے پاکستان کا سبز ہلالی پرچم لہرایا تھا، ان حضرات کی پاکستان بنانے کی کوششیں ناقابلِ فراموش ہیں، جب پاکستان بن گیا تو ہندوستان سے وہ پاکستان آگئے اور تقریباً ساری زندگی انہوں نے ''ٹنڈو الہ یار'' میں گزاری، پاکستان آنے کے کچھ عرصہ بعد وہ واپس ہندوستان اپنے عزیز واقارب سے ملنے کے لئے گئے، سب جانتے ہیں کہ ہندوستان کے اندر ہندو اور مسلمان آپس میں ملے جلے رہتے تھے، بعض ہندوؤں سے کافی گہرے مراسم بھی ہوتے ہیں، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے بھی کسی ہندو سے بہت دوستانہ تعلقات تھے اور اس سے کافی میل جول تھا، جب حضرت اپنے آبائی وطن پہنچے تو حضرت نے اس ہندو کے بارے میں بھی پوچھا کہ وہ زندہ ہے یا نہیں، کس حال میں ہے اور کہاں ہے، لوگوں نے بتایا کہ ''لالہ جی'' بہت سخت بیمار ہیں، ان کو بڑی خطرناک بیماری ہوگئی ہے اور گھر میں پڑے ہیں، کوئی ان کا پُرسانِ حال نہیں ہے، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے کیونکہ کافر کی عیادت بھی جائز ہے، جب ان کے گھر پہنچے تو گھر والوں سے پوچھا کہ ''لالہ جی'' کہاں ہیں؟ انہوں نے گھر کے ایک کونے کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ وہاں ہیں۔ حضرت فرماتے ہیں کہ میں نے عجیب ماجرا دیکھا کہ ان کے گھر والوں نے گھر کے ایک طرف دور ایک کونے میں ان کی چارپائی ڈالی ہوئی ہے، اس پر وہ پڑے ہوئے ہیں، نہ کوئی اس کے پاس ملنے جاتا ہے، نہ اس کے پاس کوئی خیریت پوچھنے جاتا ہے، نہ کوئی اس کو کھانا دینے جاتا ہے، نہ اس کو کوئی دوا پہنچانے جاتا ہے، کیونکہ سارے گھر والے یہ کہتے تھے کہ اس کو بڑی خطرناک

بیماری لگی ہوئی ہے، اگر ہم اس کے پاس جائیں گے تو ہمارے بھی لگ جائیگی، یہ تو مر ہی رہا ہے ساتھ میں ہم بھی مریں گے، چھوت چھات کا تصور ہندوؤں میں بہت زیادہ ہے، لہٰذا سارے گھر والوں نے اس کو ایک طرف ڈالدیا اور سب اپنی جان بچانے کے لئے دوسری طرف ہوگئے، حضرت فرماتے ہیں کہ میں سیدھا ''لالہ جی'' کے پاس چلا گیا اور جا کر اس کے سامنے بیٹھ گیا، اس نے مجھے پہچانا اور حیران ہوکر مجھ سے کہنے لگا کہ آپ میرے پاس آکر بیٹھ گئے کیونکہ وہ بھی یہ سمجھ رہا تھا کہ میں اتنا خطرناک مریض ہوں کہ میرے پاس کوئی آہی نہیں سکتا اور حضرت کیسے بے خوف وخطر آکر بیٹھ گئے، حضرت نے فرمایا کہ ہمارا دین تو کہتا ہے کہ کسی کی بیماری کسی کو نہیں لگتی، لہٰذا تمہارے پاس آنے سے تمہاری بیماری مجھے کوئی لگے گی، حضرت فرماتے ہیں کہ میں اس کے پاس بیٹھا رہا، باتیں کرتا رہا، وہ بہت خوش ہوا، پھر اس نے کہا کہ میں جس بیماری میں مبتلا ہوں وہ تو ہے ہی ناقابلِ برداشت لیکن اس سے بڑھ کر میرے لئے غم یہ ہے کہ میرے گھر والے بھی مجھ سے دور ہوگئے، اب میں تو زندگی ہی میں مرگیا، اس لئے کہ جس طرح قبر میں چھوڑ کر سب لوگ چلے جاتے ہیں، اسی طرح میرے گھر والے مجھے یہاں ڈال کر چلے گئے، نہ میرے بیوی بچے میرے پاس آتے ہیں، نہ بہن بھائی آتے ہیں اور نہ ہی ماں باپ میرے پاس آتے ہیں، غرض کوئی بھی میرے پاس نہیں آتا، ایک تو میں بیمار اور دوسرا یہ غم ہے کہ میرا اپنا کوئی بھی نہیں رہا، ساری زندگی میں نے جن کے لئے کمایا، آج ان کی شکلوں کو دیکھنے کے لئے بھی میں ترس گیا، حضرت فرماتے ہیں کہ جب دوا کا وقت ہوا تو میں نے عجیب معاملہ دیکھا کہ ایک لمبا بانس جس کے آگے ایک اینگل لگا ہوا ہے، گھر والوں نے اس کے اندر بالٹی لٹکائی، دوا اس میں ڈالی اور وہ دوا اس بانس کے ذریعہ سے اس تک پہنچائی، لالہ جی نے وہ بالٹی اس بانس سے نکالی اور پھر اس بالٹی سے دوا نکالی اور اس کو پیا اور پھر بالٹی واپس اس

بانس میں لٹکا دی جس کو ان کے گھر والوں نے کھینچ لیا۔ یعنی ڈر کی بھی کوئی انتہاء ہے، عقیدہ کی خرابی کی بھی کوئی حد ہے، اسی طرح لالہ جی کو کھانا پینا اور چائے وغیرہ بھی پہنچائی جارہی تھی، گھر والے اتنا ڈر رہے تھے کہ مریض کے قریب بھی نہیں جاتے تھے، یہ معاملہ دیکھ کر مجھے بڑا افسوس ہوا اور میں نے ان کو تسلی دی کہ بھائی! یہ سب باتیں غلط ہیں، کسی کی کوئی بیماری کسی دوسرے کو نہیں لگتی، پھر میں تھوڑی دیر اس کے پاس بیٹھا رہا، اس کے بعد اس نے ایک عجیب بات کہی کہ حضرت! میرا دل تو یہ کہہ رہا ہے کہ تمہارا مذہب سچا ہے اور ہمارا مذہب جھوٹا ہے، اس لئے کہ تم میرے پاس بیٹھے ہو، یہ اس کے سچے ہونے کی علامت ہے، اگر ہمارا مذہب سچا ہوتا تو میرے گھر والے اس طرح میرے سے دور نہ ہوتے، میں تو گھر والوں سے دور ہوگیا، ساری برادری سے کٹ گیا، جیتے جی مرگیا، میرا دل یہ کہہ رہا ہے کہ تمہارا مذہب سچا ہے، لہٰذا جلدی سے مجھے کلمہ پڑھاؤ، میں نے فوراً کلمہ پڑھایا، اس کے کلمہ پڑھنے کے تھوڑی دیر بعد ہی اس کا انتقال ہوگیا۔ اندازہ کرو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک تعلیم پر عمل کرنے سے ایک کافر کو ایمان نصیب ہوگیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پر عمل کرنے کا اثر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری باتیں ایسی سچی، پکی اور اٹل ہیں کہ دنیا اِدھر سے اُدھر ہوجائے مگر آپ کی بات اپنی جگہ پہاڑ کی طرح مضبوط اور پختہ ہے، ہم جو طرح طرح کی مصیبتوں اور پریشانیوں میں مبتلا ہیں، یہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات چھوڑنے کی وجہ سے ہیں ورنہ آپ کی تو ایک ایک تعلیم ایسی ہے کہ کافر کو بھی مسلمان کردے اور زندگی بھر کا کفر ختم کردے، دیکھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک تعلیم پر عمل کرنے کی بدولت ''لالہ جی'' کو ایمان نصیب ہوگیا، تو ہم اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ان باتوں پر عمل کریں گے تو ہمارا ایمان مکمل

ہو جائیگا اور اس میں جو کمی ہے وہ انشاء اللہ تعالیٰ دور ہو جائیگی، اس لئے اپنا عقیدہ درست کر لینا چاہئے کہ ایک کی بیماری کسی دوسرے کو نہیں لگتی، جس کی تقدیر میں اللہ نے وہ بیماری لکھدی ہے وہ ہو کر رہیگی، اس کو اللہ کے سوا کوئی بچانے والا نہیں ہے اور جس کی تقدیر میں بیماری نہیں لکھی، اس کو کسی کی بیماری لگ نہیں سکتی، زمین اِدھر سے اُدھر ہو جائے، آسمان اپنی جگہ سے ہٹ جائے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات اپنی جگہ قائم رہیگی۔ اور یہ میں عرض کر چکا ہوں کہ احتیاطی تدابیر اعتدال کے ساتھ اختیار کرنے کی اجازت ہے، اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

مزید دو غلط نظریے

ایک بات اسی سلسلہ کی اور یاد آئی کہ ہندوؤں کے اندر یہ بھی ایک نظریہ پایا جاتا ہے کہ جس عورت کے بچے زندہ نہیں رہتے، اس کے پاس کسی کنواری یا نو بیاہتی لڑکی کو جانے نہیں دیتے، کہتے ہیں کہ وہ تو ہے ہی بے اولاد، اس کی یہ بے اولاد ہونے کی بیماری کسی دوسرے کو نہ لگ جائے، اس لئے جس کی نئی نئی شادی ہوئی ہوتی ہے، اس کو اس عورت کے پاس جانے کی ممانعت ہوتی ہے اور کوئی کنواری لڑکی بھی اس کے پاس نہیں جا سکتی، عقیدہ وہی ہے کہ اس کی بیماری اس کو نہ لگ جائے اور پھر اس کے ہاں بھی اولاد نہیں ہوگی، اسی طرح ایک نظریہ یہ بھی پایا جاتا ہے کہ جس کی اولاد پیدا ہوتے ہی مر جاتی ہے، اسے کہتے ہیں ''مرت بیاہی'' اس کے پاس بھی کسی کو جانے نہیں دیتے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے بچے مرنے کی بیماری کسی دوسرے کو لگ جائے۔

بھائیوں! یہ تو ہندوؤں کی باتیں ہیں، خواتین خاص طور پر سمجھ لیں کہ یہ ساری باتیں بے بنیاد، غلط، جاہلانہ اور ہندوانہ ہیں، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب باتوں کو غلط قرار دیا ہے، آپ نے فرمایا کہ ''لَا عَدْوٰی'' جس

کے معنی ہیں کوئی بیماری کسی کے نہیں لگتی، بیماری اللہ کے حکم کے تابع ہے، جب اللہ کا حکم ہوتا ہے تو بیماری ہوتی ہے اور جب اللہ کا حکم نہیں ہوتا تو بیماری نہیں ہوتی۔

ماہِ صفر کو منحوس سمجھنا یہ بھی غلط نظریہ ہے

ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو کافر تھے، ان کے طرح طرح کے نظریات میں سے ایک نظریہ یہ بھی تھا کہ وہ صفر کے مہینے کو بھی منحوس اور برا سمجھتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے کافروں کا یہ تصور آج بھی مسلمانوں کے اندر پایا جاتا ہے، آج بھی بعض مسلمان بے چارے یہ سمجھتے ہیں کہ صفر کا مہینہ بلاؤں کے نازل ہونے کا مہینہ ہے اور اپنی طرف سے غلط غلط باتیں بنا کر لوگوں میں پھیلا رکھی ہیں یہاں تک کہ یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ کُل دس لاکھ بیماریاں ہیں جن میں سے نو لاکھ اسی ہزار بیماریاں صفر کے مہینے میں اترتی ہیں۔

اب آپ بتائیں کہ خدانخواستہ اگر یہ بات سچی ہو تو کوئی دنیا میں زندہ بچے گا؟ لیکن اللہ کا شکر ہے کہ صفر کا مہینہ ہر سال آتا ہے اور ہم سب الحمد للہ سلامت ہی رہتے ہیں۔ یہ محض جاہلانہ تصور ہے اور یہ بھی اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے کہ کُل دس لاکھ بیماریاں ہیں اور پھر نو لاکھ اسی ہزار صفر کے مہینے میں اترتی ہیں، اسی لئے بعض مسلمان ڈر کے مارے اس مہینے میں بڑا صدقہ خیرات کرتے ہیں اور شادی بیاہ بھی نہیں کرتے کہ یہ تو مصیبتوں کا مہینہ ہے، خوشی کا مہینہ نہیں ہے، لہٰذا اگر صفر میں شادی ہوگی تو وہ صِفر ہوگی، صرف ڈر کے مارے وہ اس مہینے میں شادی ہی نہیں کرتے خاص طور پر یکم صفر سے تیرہ صفر تک کو زیادہ منحوس سمجھتے ہیں کہ ان تیرہ دنوں میں زیادہ بلائیں اترتی ہیں، زیادہ پریشانیاں آتی ہیں اور طرح طرح کی بیماریاں نازل ہوتی ہیں، لہٰذا ان تیرہ دنوں میں لوگ زیادہ صدقہ خیرات کر کے اپنی جان کی امان چاہتے ہیں۔

ماہِ صفر خیر و برکت کا مہینہ ہے

سرکارِ دو عالم جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صفر کے بارے میں فرمایا کہ "لَا صَفَرَ" کہ صفر کے بارے میں جو لوگوں کا عقیدہ اور تصور ہے کہ یہ مہینہ منحوس مہینہ ہے، بلاؤں کے نازل ہونے کا مہینہ ہے، آفات و بلیات، بیماری و سانحات کا مہینہ ہے، یہ بالکل غلط ہے، صفر کا مہینے کا مکمل نام ہے "صفر المظفر" مظفر کے معنی کامیابی کے آتے ہیں یعنی کامیابی کا مہینہ، اس کو صفر الخیر بھی کہتے ہیں یعنی خیر و برکات کا مہینہ، اسلام کا تصور یہ ہے کہ یہ خیر کا مہینہ ہے، کامیابی کا مہینہ ہے، ہرگز ہرگز منحوس مہینہ نہیں ہے۔

کسی مہینے میں نحوست نہیں

جب اللہ پاک نے آسمان و زمین بنائے تو اسی وقت اللہ پاک نے سال کے بارہ مہینے بھی بنائے اور اسلامی جنتری کے اعتبار سے سال کے بارہ مہینوں کے تین سو ساٹھ دن ہوتے ہیں، یہ سب اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ہیں، کسی رات میں کوئی نحوست نہیں، کسی دن میں کوئی نحوست نہیں، کسی مہینہ میں کوئی نحوست نہیں، کسی سال میں کوئی نحوست نہیں، سارے اللہ پاک کے بنائے ہوئے پاک وصاف مہینے اور دن ہیں، البتہ سال میں چار مہینوں کو اللہ پاک ہی نے محترم قرار دیا ہے، جن میں سے تین مہینے تو لگا تار ہیں، ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم الحرام اور ایک مہینہ رجب المرجب کا ہے جو شعبان سے پہلے آتا ہے، یہ چار مہینے محترم ہیں لیکن کوئی مہینہ غیر محترم نہیں، لہٰذا یہ ماہِ صفر کے متعلق لوگوں کا تصور صحیح نہیں ہے۔

غلط نظریات کی وجہ دین سے دوری ہے

یہ جو غلط غلط عقائد مسلمانوں کے اندر پائے جاتے ہیں، اس کی بنیادی وجہ دین سے دوری ہے، مسلمان جتنا دین سے قریب رہیں گے اتنا ہی ان کا ایمان

مضبوط رہیگا اور جس کا ایمان مضبوط ہوتا ہے، اس کے اعتقاد میں ایسی بے بنیاد، من گھڑت اور غلط باتیں آتی ہی نہیں ہیں، یہ آتی ہی ایسے لوگوں کے اندر جن کا رشتہ دین اور اہلِ دین اور علماءِ دین سے کمزور ہوتا ہے اور جاہلوں کے ساتھ ان کا اٹھنا بیٹھنا اور ملنا جلنا ہوتا ہے اور جاہلوں کے عقائد اور نظریات خراب ہوتے ہیں، لہٰذا ان کا بھی عقیدہ خراب ہو جاتا ہے۔

"سحر و آسیب کا وہم" ایمان کے کمزور ہونے کی علامت ہے

چنانچہ اسی سلسلہ کا ایک اور پہلو بھی قابلِ توجہ ہے اور وہ بھی ہمارے دین و ایمان کے کمزور ہونے کی وجہ سے بہت زیادہ تیزی کے ساتھ پھیل چکا ہے اور نجانے کتنے خواتین و حضرات اس کا شکار ہیں اور شکار ہونے کی بناء پر ان کی دنیا و آخرت تباہ ہو رہی ہے اور وہ ہے سحر و آسیب کا وہم، آج ذرا سا کسی مسلمان کا کاروبار ٹھپ ہو جائے، یا کسی کی ترقی موقوف ہو جائے، یا ملازمت نہ ملے، یا ذریعۂ معاش اس کو حاصل نہ ہو، یا کسی ضروری اور اہم کام میں کوئی رکاوٹ پیدا ہونے لگے یا گھر کے کچھ افراد بار بار بیمار ہونے لگیں یا پے در پے پریشانیاں پیش آنے لگیں، ہر شخص کا خاص طور پر عورتوں کا ذہن اس طرف جاتا ہے کہ کسی نے ہمارے اوپر جادو کر دیا ہے، کسی کی نظر لگ گئی ہے یا کوئی جن آ گیا ہے اور یہ ساری حرکتیں اسی کی ہیں، ہمارے گھر میں آسیب ہے، سایہ ہے، بچے کو جھپٹا ہو گیا ہے، اس لئے وہ بیمار ہے، رشتہ نہیں آ رہا تو کہیں گے کہ کسی نے رشتے باندھ دیئے ہیں، دکان نہیں چل رہی یا نوکری نہیں مل رہی تو کہتے ہیں کہ کسی نے روزی باندھ دی۔

اکثر عامل ڈاکو اور چور ہیں

اس کے بعد سیدھے کسی عامل کے پاس جائیں گے اور عاملوں کی دنیا میں اکثر عامل ڈاکو اور چور ہیں، ان کے ہاں یہ باتیں پائی جاتی ہیں کہ کسی کے

واقعتاً جادو نہ ہو، آسیب نہ ہو، نظر نہ ہو، کچھ بھی نہ ہو ان کے پاس جاؤ تو وہ کچھ نہ کچھ اپنے پاس سے نکال ہی دیں گے اور کہیں گے کہ تم کو جادو ہے، آسیب ہے، اس لئے کہ ان کا مقصد دکانداری ہے، جیسے آپ کسی دکان پر چلے جائیں تو وہ دکاندار آپ کو خالی ہاتھ جانے نہیں دیگا، ایک دفعہ آپ کسی دکان میں داخل ہوجائیں، اگر وہ دکاندار ہوشیار ہے تو وہ آپ کو خالی ہاتھ نہیں جانے دیگا، سو روپے کی چیز پچاس کی بتادیگا اور دوسری سو والی چیز دوسو میں دیدیگا، آپ سمجھیں گے کہ بڑی سستی چیزیں دے رہا ہے، یہ معلوم نہیں کہ دوسری طرف سے اس نے جیب کاٹ لی، جیسے تاجروں کا یہ حال ہے کہ آیا ہوا گاہک واپس نہیں جانا چاہئے، اسی طرح عاملوں کا حال بھی یہ ہے کہ کوئی مریض واپس جانا نہیں چاہئے، خالی آیا ہے تو بھرا ہوا جائے، بھرا ہوا آیا ہے تو دیگر جائے، یعنی اگر واقعی اس کے اوپر جادو یا آسیب ہے تو اس کے چکر پہ چکر لگوائیں گے اور ہر مرتبہ اس سے مشک، زعفران، عنبر منگوائیں گے اور وہ بھی اصلی اور اصلی ملتا نہیں ہے تو وہ مریض ان کو پیسے ہی دیدیگا کہ عامل صاحب! آپ ہی منگوالیجئے گا، ہمیں تو ملتا نہیں، بس اب عامل کے پاس آنے جانے کا سلسلہ شروع ہوگیا اور پھر گھر کا کوئی فرد ایسا نہیں ہوگا جس پر آسیب نہ ہو، جادو نہ ہو، عامل صاحب نے علاج کردیا مگر پھر بھی وہی حال، دکان ویسی کی ویسی، عامل صاحب کہیں گے کہ پھر دوبارہ حملہ ہوگیا ہے، میں نے تو جادو کاٹ دیا تھا اور علاج کردیا تھا مگر اب دوبارہ جھپٹا ہوگیا اور کسی نے دوبارہ جادو کردیا، اب میں اس کا بھی توڑ کرونگا، اب یہ ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوگیا اور یہ ایسی دلدل ہے جو اس کے اندر گرگیا پھر اس کا نکلنا مشکل ہے۔

یاد رکھیں! جادو اور آسیب بلاشبہ ایک حقیقت ہے لیکن وہ ایک فیصد ہے جبکہ ننانوے فیصد یہ بالکل مصنوعی اور من گھڑت ہے اور عامل بھی اکثر ایسے ہی

ہیں جن کا اصل مقصد دکانداری ہے، ان کے پاس جانے سے پیسہ، صحت، ذہن، گھر سب کچھ برباد ہی ہوتا ہے کیونکہ ایسے عاملوں کا یہ بھی ایک وطیرہ ہے کہ وہ آپ کو یہ بھی بتائیں گے کہ آپ کا گھر باندھ دیا، آپ کی بیٹیوں کے رشتہ باندھ دیئے، آپ کے گھر والے سارے۔کے سارے بیمار ہیں اور یہ سب اس لئے ہے کہ آپ کے فلاں رشتہ دار نے آپ پر جادو کروایا ہے یہاں تک کہ یہ عامل لوگ بعض اوقات گھر والوں ہی کو اس میں ملوث قرار دیتے ہیں کہ تمہارے باپ، ماں، بھائی، بہن، بیوی یا شوہر نے جادو کروایا ہے، اس کو تو پیسے مل گئے اور آپ کا گھر برباد ہو گیا، یاد رکھئے! جو لوگ ان عملیات کے سلسلہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں ان کی زندگی کی کوئی خیر نہیں کیونکہ علاج تو تب ہو جب کوئی بیماری ہو، واقعی جادو ہو، واقعی آسیب ہو، واقعی نظر ہو اور علاج کرنے والا بھی واقعی علاج کرنا جانتا ہو، اکثر تو بیماری ہی نہیں ہوتی، نہ جادو ہوتا ہے، نہ آسیب ہوتا ہے، لوگ اپنے خیال سے جادو سوچ لیتے ہیں اور پھر جب کسی عامل کے پاس جاتے ہیں تو وہ بھی تصدیق کر دیتا ہے کہ ہاں سب کچھ ہے بلکہ جتنا تم نے سوچا اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے، لہٰذا اب نتیجہ یہ ہے کہ گھر کے گھر تباہ و برباد ہو رہے ہیں، یہ جو ہمارے معاشرے کے اندر زبردست تباہی پھیلی ہوئی ہے، اس کی اصل وجہ ایمان کی کمزوری ہے، یاد رکھو! جنات برحق ہیں لیکن ان کی مجال نہیں کہ کسی انسان کو تکلیف پہنچادیں جب تک کہ اللہ کا حکم نہ ہو۔

انسان کی حفاظت کے لئے فرشتے مقرر ہیں

اللہ پاک نے ہر انسان کی حفاظت کے لئے اس کے دائیں بائیں طرف فرشتے مقرر کئے ہوئے ہیں، سامنے اور پیچھے بھی مقرر کئے ہوئے ہیں، بعض روایات کے مطابق تین تین سو فرشتے مقرر ہیں جو چاروں طرف سے انسان کی جنات، آسیب، نظر، جادو اور تمام ایذاء پہنچانے والی چیزوں سے حفاظت کرتے

ہیں، یہاں تک کہ حادثہ اور گرنے پڑنے سے بھی حفاظت کرتے ہیں، جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے اور اس کی تقدیر کا لکھا ہوا سامنے آجاتا ہے تو یہ فرشتے ہٹ جاتے ہیں اور جو تکلیف پہنچنی ہوتی ہے وہ پہنچ جاتی ہے، اس لئے نہ کسی کا جادو کسی پر چل سکتا ہے نہ کوئی جن کسی کو تکلیف پہنچا سکتا ہے الّا باذن اللّٰہ مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔

اپنا ایمان مضبوط کریں

جب ہر نفع ونقصان اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے تو اللہ تعالیٰ پر ایمان کو مضبوط کرنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ پر ہی یقین کرنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ پر اعتقاد کر کے اور اپنے ایمان کو صحیح کر کے اس بات کو ذہن میں نقش کرنا چاہئے کہ ہرگز ہماری روزی کسی نے نہیں باندھی، ہرگز ہم پر کوئی جادو نہیں ہے، ہرگز ہم پر کوئی آسیب نہیں ہے، ہرگز ہمارے رشتوں کو کسی نے نہیں باندھا ہے جو کچھ ہے سب تقدیر کا لکھا ہے، بس اللہ تعالیٰ سے رجوع کریں اور اگر کبھی واقعتاً کسی پر سچ مچ آسیب یا جادو ہو جائے تو کوئی صحیح عامل تلاش کرو اور اس سے علاج کروالو لیکن یہ کہ ہر چیز میں ہمارا خیال ادھر جانے لگے جیسا کہ فی زمانہ یہی حالت ہے، ذرا سا کچھ ہو جائے تو فوراً یہ خیال آتا ہے کہ کسی نے کچھ کر دیا ہے، کوئی اثر ہو گیا ہے، یہ سب ایمان کی کمزوری ہے، اس سے بچنے کی ضرورت ہے اور ان باتوں کی اصلاح کی ضرورت ہے، اللہ جل شانہ اپنے کرم سے ہمارے ایمان کو کامل فرمائیں، توحیدِ خالص عطا فرمائیں، توکلِ صادق عطا فرمائیں، تقدیر پر کامل اور راسخ ایمان عطا فرمائیں اور اپنے فضل سے ہم کو عافیت نصیب فرمائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

عرشِ عظیم کے برابر ثواب

اَللّٰھُمَّ

صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

مِّلْأَ السَّمٰوٰتِ وَمِلْأَ الْاَرْضِ

وَمِلْأَ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ

اس درود شریف کے پڑھنے والے کو آسمان وزمین بھر کر اور عرشِ عظیم کے برابر ثواب ملتا ہے۔

(ص ۱۸۲)

لعنت والے کام

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی دامت برکاتہم
نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ضبط و ترتیب
حبیب اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
دکان نمبر ۲۹، نایاب جامع مسجد، لیاقت آباد کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم

: گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی بیانات : جلد نمبر ۱۰

لعنت والے کام

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كثيراً كثيراً۔

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ○

وَقَالَ تَعَالٰى مَلْعُوْنِيْنَ اَيْنَمَا ثُقِفُوْا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ○

صدق اللّٰہ العظیم

مفید اور نقصان دہ چیز کا بتلانا اللہ پاک کی رحمت ہے

میرے قابلِ احترام بزرگو! اللہ جل شانہ نے اپنے کلامِ پاک میں اور رحمتِ کائنات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات میں کوئی اہم سے اہم اور مفید سے مفید تر بات ایسی نہیں چھوڑی جس کو بیان نہ کیا ہو، اسی طرح جو بات انسانوں خصوصاً مسلمانوں کے لئے دنیا و آخرت میں خطرناک، خوفناک اور نقصان دہ تھی، اس کو بھی بتلا دیا اور اس سے بھی آگاہ کر دیا اور یہ محض اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر شفقت اور رحمت ہے کہ اس نے انسانوں کو تمام مفید اور نقصان دہ باتوں سے آگاہ کر دیا ہے، چاہے وہ مفید اور نقصان دہ باتیں دنیا کی ہوں یا آخرت کی ہوں اس لئے کہ یہ ایک انسان کی فطرت ہے کہ اس کو جس سے محبت ہوتی ہے، اس کو اس کے نفع اور نقصان سے ضرور آگاہ کرتا ہے جیسے ماں باپ کو اپنی اولاد سے فطری محبت ہوتی ہے، اس لئے ماں باپ اپنی اولاد کو اس کے نفع و نقصان سے آگاہ کر دیتے ہیں، اولاد مانے یا نہ مانے، یہ اس کی مرضی کی بات ہے لیکن شفیق ماں باپ اپنی اولاد کو اس کے اچھے برے اور نفع و نقصان سے آگاہ کر دیتے ہیں، اسی طرح جس کو بھی جس سے محبت ہوتی ہے وہ محبت میں آ کر اس کو اچھے اور برے سے آگاہ کر دیتا ہے، اس فطرت کو پیدا کرنے والے اللہ پاک ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ کی شان بھی یہی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ان تمام باتوں سے آگاہ کر دیا جو ان کے لئے دنیا و آخرت میں نافع ہیں اور ان سب باتوں سے بھی آگاہ کر دیا جو دنیا و آخرت میں ان کے لئے نقصان دہ ہیں۔

جہنم کا تذکرہ بھی اللہ پاک کی مہربانی ہے

حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بات مجھے یاد آئی، اللہ تعالیٰ حضرت کے درجات بلند فرمائے اور آپ کے علوم و فیوض سے ہم سب کو

مالا مال فرمائے، ایک دفعہ حضرت نے اپنے بیان میں ایک عجیب بات ارشاد فرمائی کہ سورۂ رحمٰن کے اندر اللہ پاک نے دنیا کی نعمتوں کا بھی ذکر فرمایا اور آخرت کی نعمتوں کا بھی ذکر فرمایا اور جنت کی نعمتوں کا بھی ذکر فرمایا، پھر جنت کی خاص خاص نعمتوں جن میں باغات، حور وغلمان ہیں ان کا بھی ذکر فرمایا اور ساتھ ساتھ اللہ پاک نے جہنم کا بھی ذکر فرمایا اور جتنی نعمتیں ذکر فرمائی ہیں، ان کے ساتھ ساتھ بار بار اللہ پاک نے ''فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ'' فرمایا ہے، جس کا مطلب ہوتا ہے کہ اے انسان و جنات! تم اللہ تعالیٰ کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے، حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ دنیا و آخرت کی نعمتوں کا تذکرہ کر کے یہ فرمانا کہ تم اللہ تعالیٰ کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے، سمجھ میں آتا ہے، کیونکہ ہم انکار ہی نہیں کر سکتے، ہر مؤمن کو چاہئے کہ اس آیت کے جواب میں اللہ پاک سے عرض کرے کہ یا اللہ! میں آپ کی ہر نعمت کا اقرار واعتراف کرتا ہوں، آپ کی کسی نعمت کا انکار نہیں کرتا۔ حضرت فرماتے تھے کہ اس سورت میں جہنم کا بھی ذکر فرمایا ہے اور اس کے بعد بھی ''فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ'' فرمایا ہے تو جہنم کونسی نعمت ہے کہ اس کے تذکرہ کے بعد بھی فرمایا کہ اے انسان و جنات! تم اللہ تعالیٰ کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے، پھر حضرت رحمۃ اللہ علیہ خود ہی اس کا یہ جواب دیا کرتے تھے کہ دراصل اللہ پاک اپنے بندوں پر اتنے مہربان ہیں کہ کوئی کسی پر اتنا مہربان ہو ہی نہیں سکتا، جتنی اللہ پاک کو اپنے بندوں سے محبت ہے اتنی محبت کسی کو بھی کسی سے نہیں ہو سکتی، بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ اللہ پاک کو ہم سے اتنی محبت ہے کہ اتنی ہمیں بھی اپنے آپ سے نہیں ہے، اس محبت کے نتیجے میں اللہ پاک نے جہنم سے باخبر کر کے فرمایا کہ دیکھو یہ بھی ہمارا احسان ہے کہ تم کو اس خطرناک اور خوفناک جگہ سے آگاہ کر دیا، بتاؤ شکر ادا کرو گے یا نہیں، اللہ پاک نے جہاں نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے جو ان کی محض

عنایت اور مہربانی ہے، ایسے ہی انسانوں اور مسلمانوں کو جہنم کے حالات سے باخبر کر دینا اور اس کے عذابوں سے ہوشیار کر دینا اور اس کے عذاب اور وبال سے باخبر کر دینا، یہ بھی اللہ پاک کی عنایت اور شفقتِ کاملہ ہے اور ان کی خصوصی مہربانی ہے تاکہ تم ان کاموں سے بچو جس کی وجہ سے جہنم میں جانا پڑے۔

پس دنیا اور آخرت کی جو نعمتیں مسلمانوں کے لئے ہو سکتی تھیں، ان سب کو قرآن وحدیث نے بیان کر دیا اور ان کے حاصل کرنے کے طریقے بھی بتا دیئے، اسی طرح جتنی چیزیں نقصان دہ، مضر اور تباہ و برباد کرنے والی تھیں، ان سب سے بھی آگاہ کر دیا اور ان سے بچنے کے طریقے بھی بتا دیئے، اسی طرح جو چیزیں موجبِ رحمت ہیں وہ بھی بیان فرما دیں اور جو چیزیں موجبِ لعنت ہیں، وہ بھی بیان فرما دیں۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت والے کام

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ذکر اور اس کا تذکرہ تو اکثر سنتے ہی رہتے ہیں، اللہ پاک نے کلامِ پاک میں جگہ جگہ اپنی رحمت کا ذکر فرمایا ہے، ایک آیت میں فرمایا'' اِنَّ رَحْمَةَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ '' اللہ تعالیٰ کی رحمت نیک روش اختیار کرنے والوں کے قریب ہے یعنی جو لوگ اس دنیا میں پاکیزہ زندگی اختیار کرتے ہیں، نیک زندگی اپناتے ہیں، نیک طریقے اختیار کرتے ہیں، بس اللہ تعالیٰ کی رحمت کی آغوش میں ہیں۔ اسی طرح درود شریف پڑھنے والے کے بارے میں حدیث شریف میں ہے کہ جو آدمی ایک مرتبہ درود شریف پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ کی اس کے اوپر دس رحمتیں نازل ہوتی ہیں، دس گناہ معاف ہوتے ہیں، دس درجے بلند ہوتے ہیں اور جو دس مرتبہ درود شریف پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے اوپر سو رحمتیں نازل ہوتی ہیں، سو گناہ معاف ہوتے ہیں، سو درجے بلند ہوتے ہیں اور جو سو مرتبہ درود شریف پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے

اوپر ہزار رحمتیں نازل ہوتی ہیں، ہزار گناہ معاف ہوتے ہیں اور ہزار درجے بلند ہوتے ہیں اور ایک روایت میں اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب تمہاری مرضی، چاہے درود شریف زیادہ پڑھو یا کم۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کے غضب پر غالب ہے

دیکھئے! اللہ تعالیٰ کی رحمت کا قرآن وحدیث میں بڑا تذکرہ ہے اور اللہ کے نیک بندوں کے پاس بھی عام طور پر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں ہی کا تذکرہ ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ پر ان کے غصہ کے مقابلے میں رحمت غالب ہے ''سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ عَلٰی غَضَبِیْ'' میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے، تو جو اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ہوتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے اثر کی وجہ سے رحمت ہی کا غلبہ ہوتا ہے، اس لئے وہ بھی زیادہ تر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی کو بیان کرتے رہتے ہیں، اگرچہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا بھی ذکر کرتے ہیں اور خوفِ خدا اور خشیتِ الٰہی کو بھی بیان کرتے ہیں مگر رحمتِ الٰہی کو زیادہ بیان کرتے ہیں۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

اس پر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ مجھے یاد آیا جو ہمارے سیدی ومولائی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سنایا تھا، اللہ تعالیٰ ہمارے حضرت کے درجات بلند فرمائے، ان کی خدمات کو زیادہ سے زیادہ قبول فرمائے اور ان کے علوم وفیوض سے ہم سب کو مالا مال فرمائے، حضرت نے ایک مرتبہ سنایا تھا کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے موضوع پر چالیس سال تک بیان کرتے رہے، جب چالیس سال تک مسلسل اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی سناتے رہے تو ان کو خیال آیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو سن سن کر جری ہو جائیں اور نڈر اور بے خوف

ہو جائیں کہ جب اللہ تعالیٰ کی رحمت اتنی بڑی اور اسقدر زیادہ ہے تو ہمیں کیا ضرورت ہے نماز پڑھنے کی اور روزہ رکھنے کی اور دیگر عبادات کی، کھاؤ پیو اور موج کرو، اللہ تعالیٰ تو بڑے غفور ورحیم ہیں، معاف کردیں گے، تو ان کو خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی، ان کے غضب اور ان کی خشیت وخوف کا بھی بیان ہونا چاہئے تاکہ لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور ڈر کر گناہ ونافرمانی سے بچیں، نمازوں کی پابندی کریں۔ لہٰذا ایک دن حضرت نے بجائے اللہ تعالیٰ کی رحمت بیان کرنے کے اللہ تعالیٰ کے خوف اور خشیتِ الٰہی پر بیان فرمایا، اس بیان کا اتنا اثر ہوا کہ مجمع میں سے کئی آدمیوں کا اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے انتقال ہوگیا اور جب حضرت کی مجلس برخاست ہوئی تو مجمع میں سے کئی جنازے اٹھے اور حضرت نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور ان کو دفنایا گیا، جب وہ دن گزرا اور رات آئی اور حضرت سوئے تو خواب میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ جل شانہٗ کی طرف سے عتاب ہوا اور اللہ پاک نے فرمایا کہ اے عبدالقادر! کیا ہماری رحمت چالیس سال میں ختم ہوگئی، ہمارے بندوں کو اتنا کیوں ڈراتے ہو، بس ہماری رحمت ہی بیان کرتے رہو۔

جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات ابدی اور سرمدی ہے، ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفات بھی ابدی اور سرمدی ہیں، ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گی، لہٰذا اللہ پاک ہمیشہ سے رزاق ہیں اور ہمیشہ رزاق ہی رہیں گے، ہمیشہ سے غفار ہیں اور ہمیشہ غفار ہی رہیں گے، ایسے ہی وہ ہمیشہ سے رحمٰن ورحیم ہیں اور ہمیشہ ہی رہیں گے، اسی طرح یہ رحمت بھی ان کی صفت ہے، جیسے ان کی ذات دائمی ہے ایسے ہی ان کی صفتِ رحمت بھی دائمی اور ابدی ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کی رحمت کو ساری عمر بھی انسان بیان کرتا رہے تو بھی ختم نہ ہو، کیونکہ انسان کی زندگی محدود ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت لامحدود ہے، بندہ ختم ہو جائیگا

لیکن ان کی رحمت کا تذکرہ ختم نہیں ہوگا، اس لئے اللہ پاک نے فرمایا کہ اے عبد القادر! کیا ہماری رحمت چالیس سال میں ختم ہوگئی، ہمارے بندوں کو اتنا کیوں ڈراتے ہو، بس ہماری رحمت ہی بیان کرتے رہو۔

لعنت والے کام

اللہ تعالیٰ کی رحمت بلاشبہ ان کے غضب پر غالب ہے لیکن اس کے باوجود اللہ پاک نے اپنے کلامِ پاک میں جگہ جگہ رحمت والے کاموں کے علاوہ لعنت والے کاموں کا بھی ذکر فرمایا ہے اور یہ اس لئے ذکر فرمایا تاکہ ان لعنت والے کاموں سے ہم اپنے آپ کو بچائیں، ان لعنت والے کاموں سے بچیں گے تو رحمت کے مستحق بنیں گے جیسے رحمت والے کام کرنے سے رحمت حاصل ہوتی ہے، ایسے ہی لعنت والے کاموں سے بچنے سے بھی رحمت حاصل ہوتی ہے، لہٰذا لعنت والے کاموں کا ذکر فرمانا بھی ان کی رحمت ہے، بس اب بچنا ہمارا کام ہے، اللہ پاک تو یہی چاہتے ہیں کہ رحمت والے کام بھی کرتے رہو اور لعنت والے کاموں سے بھی بچتے رہو تاکہ تم پر لعنت اور اللہ کا غضب نہ ہو اور اس کی ناراضگی کا وبال بھی نہ ہو، بس تم پر رحمت ہی رحمت برسے اور تم ان کی بارانِ رحمت میں رہو اور دنیا و آخرت میں فلاح پاؤ۔

لعنت کے معنیٰ

لعنت کے معنیٰ آتے ہیں اللہ کی رحمت سے دور، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم، اللہ تعالیٰ کی مدد سے محروم، اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت اور نظرِ کرم سے محروم، جب کہا جاتا ہے کہ فلاں پر اللہ کی لعنت ہو، اس کا مطلب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہو، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہو، اللہ تعالیٰ کی مدد سے محروم ہو، اللہ تعالیٰ کی شفقت سے محروم ہو، اللہ تعالیٰ کی نظرِ کرم سے محروم ہو۔

لعنت بڑی خطرناک چیز ہے

اس سے معلوم ہوا کہ لعنت بڑی خطرناک اور خوفناک چیز ہے، اس لئے کہ لعنت کے مستحق بننے کا مطلب یہ ہوا کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی رحمت، شفقت، عنایت اور مدد سے محروم ہو گیا۔

ہر انسان اللہ تعالیٰ کی مدد اور رحمت کا محتاج ہے

اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر کون اس دنیا میں جی سکتا ہے اور کون آخرت میں فلاح حاصل کر سکتا ہے، ہر انسان اس دنیا کے اندر بھی، مرنے کے بعد قبر و آخرت میں بھی، محشر میں بھی اور اس کے بعد کے مراحل میں بھی ہر جگہ اللہ تعالیٰ کی مدد اور رحمت کا محتاج ہے اور سو فیصد محتاج ہے، اگر کسی کا بیڑا پار ہوگا اور کشتی پار لگے گی تو وہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہی لگے گی، اللہ تعالیٰ کے فضل سے لگے گی، اللہ تعالیٰ کی رحمت اور ان کی عنایت سے لگے گی، جو بھی اس دنیا اور آخرت میں کامیاب ہوا ہے، محض اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہوا ہے، یہاں تک کہ جنت میں داخلہ بھی محض اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہوگا۔

حضور ﷺ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی سے جنت میں داخل ہونگے

ایک موقع پر جب اللہ تعالیٰ کی رحمت کا تذکرہ ہو رہا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ حضور! یہی بات ہے نا کہ آپ بھی جنت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر نہیں جائیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک جھکا لیا اور تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد فرمایا کہ ہاں عائشہ! میں بھی اس وقت تک جنت میں نہیں جاؤنگا جب تک اللہ تعالیٰ کی رحمت مجھے نہ ڈھانپ لے، دیکھئے! جو مقصودِ کائنات ہیں، رحمۃ للعالمین ہیں، تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے سردار ہیں اور محبوبِ رب العالمین ہیں، جب وہ یہ

فرمارہے ہیں کہ میں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر جنت میں نہیں جاسکتا تو پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر کون جاسکتا ہے، لہٰذا اگر خدانخواستہ کسی پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوجائے تو اس کا کیا حال ہوگا، اس لئے لعنت بڑی خطرناک اور خوفناک چیز ہے، ضرورت ہے کہ ہم اس لعنت سے اپنے آپ کو بچائیں۔

"جھوٹ بولنا" موجب لعنت عمل ہے

جیسا میں نے عرض کیا تھا کہ اللہ پاک نے کلام پاک میں ان لوگوں کا تذکرہ بھی کیا ہے جو اللہ پاک کی لعنت کے مستحق ہیں اور نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تفصیل سے ان لوگوں کا بیان کردیا جن پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے، ان لوگوں میں ایک جھوٹا آدمی ہے، جس کے بارے میں قرآن کریم کہہ رہا ہے کہ "لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ" جھوٹ بولنے والوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے، معلوم ہوا کہ جھوٹ بولنا ایسا بدترین گناہ اور فعل ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت ہے، اس لئے جھوٹ سے ہر قیمت پر بچنا ضروری ہے، سوائے خاص خاص صورتوں کے جہاں شریعت نے رخصت دی ہے، عام حالات میں جھوٹ بولنے سے بچنا لازم ہے ورنہ جھوٹ بولنے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے، اس لئے ہر مسلمان مرد وعورت کو چاہئے کہ وہ سچ بولنے کا عادی ہو اور اتنا سچ بولے کہ بس وہ سچ کے مقام پر فائز ہوجائے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائیں۔

پہلے سچ بولنا مسلمان کی علامت تھی اور اب جھوٹ بولنا علامت ہوگئی

ایک زمانہ وہ تھا کہ سچ بولنا مسلمان کی علامت تھی، مسلمان ہو اور جھوٹ بولے، یہ ممکن نہ تھا، سچ بولنا مسلمان ہونے کی علامت اور نشانی تھی، اللہ کرے کہ یہ نشانی دوبارہ بحال ہو اور ہم سچ بولنے کو اپنا معمول بنالیں، اب ایسا زمانہ آگیا

کہ جھوٹ بولنا مسلمان کی علامت ہوگئی۔

ایک واقعہ

حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ سنایا تھا کہ یورپ کے اندر کسی شہر میں ایک عیسائی اور ایک مسلمان میں دوستی تھی اور دوستی اتنی کہ سگے بھائیوں سے بڑھ کر، دونوں ایک دوسرے سے بے تکلف اور ہر دم ایک دوسرے کے ساتھ رہتے تھے، اسی دوران انہوں نے مشترکہ طور پر کوئی کاروبار شروع کیا، عیسائی نے بھی سرمایہ لگایا اور مسلمان نے بھی سرمایہ لگایا، چونکہ دونوں میں پکی دوستی تھی اور شیر وشکر تھے، لہٰذا کوئی تحریر بھی نہیں لکھی، کوئی دستاویز بھی تیار نہیں کی، بس زبانی ہی آپس میں باہمی رضامندی سے شرکت کرلی اور کاروبار شروع کردیا اور کاروبار بھی خوب چلا، لاکھوں سے کروڑوں اور کروڑوں سے اربوں ہوگئے، جب یہ کاروبار بہت پھیل گیا اور اسقدر نفع بخش ہوگیا تو عیسائی کی نیت بدل گئی، ایک دن اس نے مسلمان سے کہدیا کہ تیرا تو کچھ بھی نہیں ہے تو کون ہے، میرا تیرا کیا واسطہ؟ مسلمان یہ سن کے دیکھتا کا دیکھتا ہی رہ گیا، اس بیچارے کے طوطے اڑ گئے، اس نے کہا بھئی ہم دونوں دوست ہیں اور دوستی میں ہم نے یہ کاروبار مشترکہ طور پر شروع کیا ہے جو یہاں تک پہنچا ہے، اب تم یہ کیسی بات کررہے ہو؟ عیسائی نے کہا کہ میں صحیح کہہ رہا ہوں، اب چونکہ مسلمان باہر کا تھا اور وہ عیسائی اسی ملک کا تھا، لہٰذا جہاں بھی مسلمان جائے، اس کی بات کو رد کرکے عیسائی کی بات ہی مانی جائے، مسلمان کے پاس کوئی ثبوت ہی نہیں تھا، ایک تحریر کا پُرزہ بھی نہیں تھا کہ جس میں ان کا آپس میں کوئی معاہدہ لکھا ہوا ہو اور شرکت لکھی ہوئی ہو، جبکہ زبان کا کوئی اعتبار نہیں، اس لئے ہر جگہ یہ مسلمان ناکام ہوا، عدالت میں بھی ناکام ہوا، ثالثوں کے سامنے بھی ناکام ہوا، بیچارہ مسلمان ہر جگہ سے ناکام، نامراد اور مایوس ہوگیا اور عیسائی نے پورے کاروبار پر قبضہ کرلیا، اس

عیسائی کو دوسرے عیسائیوں نے بھی بہت سمجھایا کہ ہم سب جانتے ہیں، تمہارا آپس میں جو تعلق ہے ہمیں معلوم ہے، تم یہ کیا کررہے ہو اور کیسی باتیں کررہے ہو، دنیا کی چند روزہ زندگی کی خاطر اپنے ایک دوست اور بھائی سے ایسا معاملہ کررہے ہو جو کسی طرح بھی درست نہیں ہے، یہ تم کیوں کررہے ہو؟ مگر اس کی عقل میں نہ آنی تھی اور نہ آئی، بہرحال وہ قبضہ کرکے بیٹھ گیا اور مسلمان مایوس ہوکر بیٹھ گیا، پھر یہ مسلمان اتنا مفلس ہوگیا کہ اس کے پاس رہنے کی جگہ بھی نہیں تھی اور کرایہ دینے کے لئے پیسے بھی نہیں تھے، وہ کھانے پینے کا بھی محتاج ہوگیا، اس لئے کہ اس کے پاس جو کچھ تھا وہ سب اس نے کاروبار میں لگادیا تھا جو سارا ہی چلا گیا، اس واقعہ کو ابھی کچھ روز گزرے ہی تھے کہ ایک دن اس مسلمان کو ایک دوست نے ایک ترکیب بتائی کہ تم ایسا کرو کہ ان عیسائیوں کا جو سب سے بڑا پوپ ہے، اس کے پاس جاؤ اور اس کو اپنا پورا قصہ بتاؤ، وہ ان کے چونکہ مذہبی پیشوا اور رہنما ہیں، شاید ان کی بات اس کے دل پر اثر کرجائے اور وہ اس کو سمجھائیں اور یہ مان لے، اس طرح سے تمہاری بگڑی بن جائے اور تمہاری مشکل حل ہوجائے، میرے سے تمہارا حال دیکھا نہیں جاتا، پہلے تمہاری کیا شان تھی اب کس حال میں ہو، اس نے کہا کہ آؤ چل کر دیکھ لیتے ہیں، بہت کچھ کیا امید تو نہیں ہے، تم کہہ رہے ہو تو چلو دیکھ لیتے ہیں، لہٰذا اس عیسائی کے شہر میں جو سب سے بڑا پوپ تھا، اس سے اس نے وقت لیا اور وقت لے کر اس کے پاس گیا اور وہاں جاکر اس نے شروع سے آخر تک اپنا سارا قصہ سنایا کہ اس طریقہ سے ہماری دوستی ہوئی اور پھر ہم دوستی میں اتنے آگے بڑھ گئے اور ہمارے تعلق میں اتنا اعتماد پیدا ہوگیا کہ ہم نے آپس میں سرمایہ لگا کر کاروبار کیا لیکن کوئی تحریر نہیں لکھی اور جب کاروبار چمک گیا اور کامیاب ہوگیا تو اس نے طوطے کی طرح آنکھیں پھیر لیں اور انکار کردیا کہ اس کاروبار میں تیرا کوئی پائی پیسہ نہیں ہے، یہ جو کچھ ہے سب

میری محنت ہے، اب میرے پاس کوئی ثبوت ہی نہیں ہے، اس لئے میں تمام مقامات پر ثبوت نہ دینے اور گواہ پیش نہ کرنے کی وجہ سے ناکام ہو گیا اور وہ جیت گیا، اب آپ کے پاس آیا ہوں کہ آپ اس سلسلے میں میری کچھ مدد کر سکتے ہیں تو کر دیں۔ پوپ نے دراز میں سے ایک چھوٹا سا کاغذ نکالا اور اس میں ایک سطر لکھی اور اس کو موڑ کر اس مسلمان کو دیا اور کہا کہ یہ جا کر اس عیسائی کو دیدینا، یہ مسلمان چھوٹی سی پرچی لے کر چلا، وہ عیسائی اپنے آفس میں بیٹھا کاروبار کر رہا تھا، یہ اس کے آفس میں گیا اور اس کو یہ پرچی دیتے ہوئے بتایا کہ میں فلاں پوپ کے پاس گیا تھا اور اس نے یہ پرچی دی ہے، اس نے پرچی پڑھی اور فوراً اپنی دراز سے چیک بک نکالی اور مسلمان کی اصل رقم اور کاروبار کے آغاز سے اب تک جتنا بھی نفع ہوا تھا، وہ سب جوڑ کر اس کو پوری رقم کا چیک دیدیا، یہ مسلمان ایک تو اس وقت حیران ہوا تھا جب اس نے انکار کیا تھا اور اب یہ چیک دیکھ کر حیران ہو رہا تھا، عیسائی نے کہا کہ تم بے فکر رہو، جو ہوا سو ہوا، اب تمہاری پائی پائی جوڑ کر اس کا چیک بنا دیا ہے اور یہ کیش ہو جائیگا، مسلمان کو یقین نہ آئے، اس نے کہا کہ اللہ کے بندے! ہر کسی نے تجھ کو بتایا اور سمجھایا لیکن تو اپنی بات پر اڑا رہا، اب پوپ نے ایسا کیا تعویذ دے دیا کہ تو ایک منٹ میں سیدھا ہو گیا اور پائی پائی دینے کے لئے تیار ہو گیا، بس مجھے وہ تعویذ دکھا دے تاکہ میں اس کو پڑھ لوں، عیسائی نے کہا کہ اس کو پڑھنے کی کیا ضرورت ہے، تمہارا مقصد تو پورا ہو گیا لیکن مسلمان بضد رہا کہ میں تو ضرور پڑھوں گا، آخر اس میں ایسا کیا لکھا ہے کہ تم ذرا سی دیر میں پائی پائی دینے کے لئے تیار ہو گئے، عیسائی نے کہا کہ اچھا یہ لو اور پڑھ کر دیکھ لو، اس مسلمان نے جب وہ پوپ کی پرچی کھول کر پڑھی تو اس میں لکھا ہوا تھا کہ کیا تو بھی مسلمانوں کی طرح جھوٹ بولنے لگا ہے۔

کہاں مسلمان کی شان تو یہ تھی کہ وہ صرف اور صرف سچ ہی بولتا تھا،

جھوٹ بولنے کا تو اس کے ہاں خانہ ہی نہیں تھا اور اب یہ حال ہوگیا کہ پوپ بھی عیسائی سے کہہ رہا ہے کہ کیا تو بھی مسلمانوں کی طرح جھوٹ بولنے لگا، حقیقت تو یہی ہے کہ آج کونسا جھوٹ ہے جو مسلمان نہیں بولتے، کس کاروبار میں مسلمان جھوٹ نہیں بولتے، دھوکہ نہیں دیتے، دغا نہیں کرتے، ملاوٹ نہیں کرتے، کم نہیں تولتے، کم نہیں ناپتے، اب مسلمانوں کی نشانی جھوٹ بولنا بن گئی، کہاں مسلمانوں کی یہ شان تھی کہ وہ ہمیشہ سچ بولا کرتے تھے، جان چلی جائے مگر جھوٹ نہیں بولتے تھے۔ کتنا عبرت ناک واقعہ ہے، حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جس وقت یہ واقعہ سنایا تھا، اس وقت سے الحمد للہ دل پر نقش ہے۔ دیکھئے جھوٹ بولنا ایسا بدترین گناہ ہے کہ جھوٹ بولنے والوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت آئی ہے، لہٰذا جب اللہ پاک نے اس پر لعنت کا ذکر فرمادیا تو بس ہر مسلمان مرد و عورت کو چاہئے کہ وہ جھوٹ بولنے سے بچے، اگر نہیں بچے گا تو اللہ تعالیٰ کی لعنت کا مستحق بن جائیگا۔

جس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے محروم ہوجاتا ہے

اللہ پاک نے فرمایا کہ ’’ أُولٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيرًا ‘‘ یعنی یہ وہی لوگ ہیں جن پر اللہ کی لعنت ہے اور جس پر اللہ تعالیٰ لعنت فرمائیں تو آپ اس کے لئے کوئی مددگار نہیں پائیں گے۔ معلوم ہوا کہ جس پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے محروم ہوجاتا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ جن لوگوں پر لعنت کی گئی ہے، ہر شخص معلوم کرے کہ وہ کون لوگ ہیں اور پھر اپنا جائزہ لے کہ خدانخواستہ جن لوگوں پر اللہ کی لعنت ہے کہیں میں تو ان میں شامل نہیں ہوں۔ بہرحال سرکارِ دوعالم جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں ان لوگوں کا تفصیل سے ذکر فرمایا ہے جن پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے لعنت ہے۔

’’سودی معاملہ‘‘ موجب لعنت عمل ہے

ایک حدیث میں ہے کہ سود کھانے والے، سود لینے والے، سود دینے والے، سودی معاملہ کی تحریر لکھنے والے، سودی معاملہ کی گواہی دینے والے، سب پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور سب کے سب اس گناہ کے اندر برابر ہیں۔ یہ سود کا لین دین کرنے والوں پر لعنت کا ذکر ایک حدیث میں نہیں بلکہ بے شمار احادیث کے اندر آیا ہے۔ یہ سود کے لین دین والا فعل ایسا بدترین فعل ہے کہ اس کے اوپر لعنت ہی لعنت ہے، اگر ہم اپنے معاشرے کا جائزہ لیں تو واضح نظر آئے گا کہ ہمارے معاشرے کے اندر سود کا لین دین کتنا زبردست ہے اور کرنے والے بھی مسلمان ہی ہیں، یہ تو ایسا گناہ ہے کہ مسلمان کریں گے تو مسلمان پر لعنت ہوگی اور کافر کریں گے تو ان پر بھی لعنت ہوگی، یہ تو ایسا بدترین گناہ اور فعل ہے کہ جو کرے اللہ کی لعنت میں آجائے، اس لئے ضروری ہے کہ سودی معاملات سے فوری طور پر بچا جائے۔

سودی معاملات کی مختلف صورتیں

کتنے مسلمان مرد وعورت ہیں جو سودی بینکوں کے اندر اپنے فکسڈ ڈپازٹ رکھتے ہیں اور اس پر باقاعدہ ماہانہ یا سالانہ بنیادوں پر نفع حاصل کرتے ہیں حالانکہ یہ نفع نہیں ہے بلکہ سود ہے، اسی طرح انعامی بانڈ کی اسکیم خالص سودی اسکیم ہے جیسے سیونگ سرٹیفکیٹ سود کی اسکیم ہے اور اللہ بچائے آجکل تو انعامی بانڈ کے ساتھ ساتھ پرچیوں کا کاروبار بہت زیادہ ہو رہا ہے، کتنے مرد اور کتنی عورتیں صرف پرچیوں کے خریدنے میں مشغول ہیں جس کے اندر انعامی بانڈ کے نمبر بکتے ہیں، انعامی بانڈ تو جس نے لے رکھے ہیں، وہ تو اس کے پاس ہی ہیں، اس کے علاوہ اس کے نمبر پرچیوں میں چھاپ چھاپ کے دس دس روپے اور بیس بیس

روپے میں فروخت کر دیئے جاتے ہیں اور جو غریب اور متوسط درجے کے لوگ ہوتے ہیں وہ اس میں داؤ لگاتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ دس بیس روپے میں ہم نے ایک پرچی خرید لی یا پانچ دس پرچیاں خرید لیں تو کسی پرچی کا نمبر تو نکلے گا اور اس مہینے نہیں نکلا تو اگلے مہینے نکلے گا اور اگلے مہینے نہیں نکلا تو اس کے بعد والے مہینے میں نکلے گا، اس طریقے سے وہ جناب پرچیاں خریدتے رہتے ہیں اور اپنی خون پسینے کی کمائی کا ایک حصہ ان پرچیوں کی خرید و فروخت میں ضائع کر دیتے ہیں، اب اس میں کبھی کسی پرچی کا نمبر انعامی بانڈ کے اندر نکل آیا تو پچیس کے پچیس ہزار ہو گئے اور اکثر کا تو یہ حال ہوتا ہے کہ اس کے پچیس کے پچیس ہی چلے گئے، دس پرچیاں خریدی تھیں وہ ضائع ہو گئیں اور وہ سمجھتا ہے کہ سو دو سو روپے چلے گئے تو کیا ہوا، لیکن اگر نمبر نکل آیا تو کئی ہزار نکل آئیں گے۔ اللہ بچائے، پرچیوں کے کاروبار کے اندر سود کے علاوہ جوا بھی ہے اور جوا خود حرام اور ناجائز ہے لیکن کتنے مسلمان مرد و عورت ہیں جو پرچی خریدنے اور بیچنے میں اپنے پیسے لگا کر سود حاصل کرنے کے گناہ میں بھی مبتلا ہو رہے ہیں اور جوا کھیلنے کے گناہ میں بھی مبتلا ہو رہے ہیں، اس لئے جتنے بھی یہ سود کے طریقے ہمارے ہاں رائج ہیں ہمیں چاہئے کہ ان سے اپنے آپ کو بچائیں۔

بینک کے اندر کرنٹ اکاؤنٹ میں پیسے رکھیں

اب بینک میں کیسے پیسے رکھیں؟ بینک میں پیسے رکھنے کے لئے آسان صورت یہ ہے کہ مجبوری میں کرنٹ اکاؤنٹ میں پیسے رکھیں۔ کرنٹ اکاؤنٹ ایسا اکاؤنٹ ہے کہ اس میں نہ سود ملتا ہے اور نہ سود دینا پڑتا ہے، بس اس میں تو مزید کرایہ دینا ہوتا ہے، لہٰذا اپنی رقم کی حفاظت کی غرض سے بدرجۂ مجبوری بینک میں پیسے رکھنے ہوں تو کرنٹ اکاؤنٹ میں پیسے رکھیں مگر اس کے ساتھ ساتھ پھر بھی استغفار کرتے رہیں اور یہ استغفار اس لئے کریں کہ اگرچہ ہم بینک سے سود تو

نہیں لے رہے اور نہ بینک ہمیں سود دے رہا ہے مگر وہ ہماری رقم سے استفادہ تو کریگا اور سودی کاروبار کو ہماری رقم سے مدد تو ملے گی اور ہماری طرف سے تعاون ہوگا، اس تعاون پر ہمیں اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کرنا چاہئے، اس لئے اصل حکم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بینک میں پیسے رکھے بغیر کسی اور طریقہ سے اپنی رقم کی حفاظت کرسکتا ہو تو وہ بنک میں پیسے نہ رکھے اس کے لئے یہی بہتر ہے لیکن ظاہر ہے کہ عام لوگوں کو اس طرح کی حفاظت حاصل نہیں ہے، اس لئے آدمی بینک میں پیسے رکھنے پر مجبور ہے۔

''بینک سے قرض لینا'' سودی معاملہ ہے

بینکوں کے ذریعہ سود کا ایک اور سلسلہ بڑے پیانے پر ہو رہا ہے اور وہ ہے سودی قرض لینا، بینک اسی پر چلتے ہیں، وہ بڑی بڑی ملوں، فیکٹریوں اور کارخانے داروں کو لاکھوں اور کروڑوں کے حساب سے قرضے دیتے ہیں اور پھر اس پر لاکھوں کے حساب سے وہ سود وصول کرتے ہیں، یہ سود پر کروڑوں روپے قرض لینے والے کون لوگ ہیں؟ یہ بھی تو مسلمان ہیں، بڑے بڑے مل اونر اور بڑے بڑے سرمایہ دار خود ان کا ایک کروڑ ہے اور بینکوں سے نو کروڑ قرض لے لیا، اب دس کروڑ کی فیکٹری یا کارخانہ لگالیا، اب وہ نو کروڑ پر بینک کو سود دے رہے ہیں اور یہ بینک کی معقول آمدنی ہے، سودی قرضہ لینا، چاہے بڑا ہو یا چھوٹا، یہ بھی سود کے لین دین میں آتا ہے اور اس پر بھی اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لعنت ہے۔ اس لئے میرے عزیزوں اور بزرگو! ہمارے معاشرے میں اور ہمارے اس دور کے اندر سود کا لین دین اور سود کا کاروبار ہماری معیشت پر چھایا ہوا ہے اور اس نے ہم کو دنیا میں تباہ و برباد کیا ہوا ہے اور یہ آخرت میں بھی بربادی کا ذریعہ ہے، اس لئے سود کے چھوٹے چھوٹے معاملات بھی نہیں ہونا چاہئیں اور بڑے بڑے معاملات سے بھی بچنا ضروری ہے۔

"نئے کرنسی نوٹوں پر اضافی رقم" یہ بھی سود ہے

سود کے چھوٹے معاملات میں ایک معاملہ یہ بھی ہے جو عید کے موقع پر بہت ہوتا ہے وہ اس طرح کہ بعض لوگوں نے عیدی دینے کے لئے نئے کرنسی نوٹوں کو ضروری سمجھ لیا ہے، حالانکہ پانچ کا نوٹ نیا ہو یا پرانا، مالیت کے اعتبار سے تو دونوں برابر ہی ہیں لیکن بس بعض لوگوں کو شوق ہے کہ جب عیدی دیں تو کرارے نوٹ دیں، ایسے ہی بعض دکانداروں کو بھی شوق ہوتا ہے اور وہ بھی چاہتے ہیں کہ ہم اپنے خریداروں کو جب رقم واپس کریں تو کرارے نوٹوں میں واپس کریں، ٹھیک ہے آپ بالکل کرارے نوٹ دیں لیکن اس کے لئے اکثر لوگوں کو سودی معاملہ کرنا پڑتا ہے، کیونکہ سب جانتے ہیں کہ کوئی شخص بھی پانچ روپے والی نئی گڈی لینا چاہے تو اس کو وہ گڈی پانچ سو میں نہیں ملے گی سوائے اسٹیٹ بینک کے، وہاں سے تو جتنی مالیت کی گڈی ہوگی اتنی ہی میں ملے گی لیکن وہاں مشقت کی وجہ سے لوگ جاتے نہیں، اتنی دور کون جائے؟ بس جو لوگ دکانوں پر نئی گڈیاں بیچنے والے ہوتے ہیں، ان سے لینا چونکہ آسان ہوتا ہے، اس لئے انہیں سے گڈیاں لے لیتے ہیں، لیکن پانچ روپے والی گڈی لینے کے لئے پانچ سو کے بجائے پانچ سو دس روپے دینے پڑتے ہیں، دس روپے والی گڈی لینے کے لئے ایک ہزار کے بجائے ایک ہزار پچیس روپے دینے پڑتے ہیں، اسی طرح پچاس روپے والی گڈی لینے کے لئے پانچ ہزار کے بجائے پانچ ہزار پچاس روپے دینے پڑتے ہیں، غرض نئی گڈی زیادہ پیسے دیئے بغیر ملتی نہیں ہے، یاد رکھئے! اس کے اندر جتنے بھی اضافی پیسے دیئے اور لئے جاتے ہیں وہ سود ہے اور گاہکوں، گھر والوں یا عزیزوں کو عید کے موقع پر نئے نوٹ دینے کے لئے سودی معاملہ کرنا جائز نہیں ہے، اس سے بچنا ضروری ہے۔ یہ ایسا سودی معاملہ ہے کہ شاید ہی کوئی جانتا ہو کہ یہ بھی سودی معاملہ ہے لیکن بہر حال اس کے اندر بھی سود

ہے یعنی پانچ سو کے بدلے میں تو پانچ سو ہو گئے اور جو دس روپے اوپر دیئے ہیں وہ بغیر کسی عوض کے ہیں وہ سود ہیں اور سود حرام ہے اور یہ سودی معاملہ موجب لعنت ہے۔

''انشورنس'' بھی سودی معاملہ ہے

جس طریقے سے سودی بینک کے ذریعے اور انعامی بانڈ کے ذریعے سودی معاملات ہوتے ہیں، اسی طرح ''انشورنس'' بھی ایک سودی معاملہ ہے۔ انشورنس کی حقیقت دو چیزیں ہیں، ایک سود اور ایک جوا، یہ دونوں ہی چیزیں انشورنس کے اندر پائی جاتی ہیں، انشورنس تو بینک سے بھی بڑھ کر بری چیز ہے، بینک میں تو خالی سودی معاملہ ہے جبکہ انشورنس کے اندر سودی معاملہ کے ساتھ جوا بھی ہے اور اس کے علاوہ بھی کچھ ناجائز باتیں اس کے اندر پائی جاتی ہیں، اس لئے وہ بھی ناجائز ہے، دیکھئے آج کتنا جان کا بھی انشورنس ہو رہا ہے، مال کا بھی انشورنس ہو رہا ہے، کارخانہ کا بھی انشورنس ہو رہا ہے، دکان کا بھی انشورنس ہو رہا ہے یہاں تک کہ گاڑیوں کا بھی انشورنس ہو رہا ہے، یہ انشورنس کی بے شمار قسمیں ہمارے ہاں رائج ہیں اور وہ ساری کی ساری سود اور جوئے پر مشتمل ہیں۔

''بدنظری'' موجب لعنت عمل ہے

ایک حدیث شریف میں ایک اور موجب لعنت کام کرنے والے آدمی کا ذکر آیا ہے اور وہ یہ ہے کہ'' لَعَنَ اللّٰہُ النَّاظِرَ وَالْمَنْظُوْرَ اِلَیْھَا ''یعنی لعنت کی اللہ پاک نے بری نیت سے دیکھنے والے پر اور اس عورت پر جس کی طرف بری نظر سے دیکھا جائے یعنی بدنگاہی ایسا گناہ ہے کہ بدنگاہی کرنے والا اگر مرد ہے تو اس پر لعنت ہے اور جو عورت اپنے قصد و اختیار سے بدنگاہی کا ذریعہ بنے تو اس پر بھی اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور جتنی عورتیں بے پردہ ہو کر گھر سے باہر نکلتی ہیں وہ

اپنے اختیار سے نامحرم مردوں کے لئے بدنگاہی کا ذریعہ بنتی ہیں، تو بدنظری کرنے والے مردوں پر اور اس بدنظری کا ذریعہ بننے والی عورتوں پر اللہ کی لعنت ہے۔

اب دیکھئے کہ یہ گناہ بھی ہمارے ہاں کتنا عام ہو چکا ہے کہ جوان سے لے کر بوڑھوں تک اور دیندار اور غیر دیندار سب ہی تقریباً اس گناہ میں مبتلا ہیں الّا ماشاء اللہ، ہمارے معاشرے میں پردہ نام کی کوئی چیز ہی نہیں ہے، بے پردگی ہی بے پردگی ہے بلکہ یوں کہئے کہ جس طرح تصویر کشی کا سیلاب ہے، اسی طرح بے پردگی کا بھی سیلاب ہے کہ جہاں چلے جاؤ، جس شہر، محلے، گلی، بازار میں چلے جاؤ، عورتیں بے پردہ ہی نظر آئیں گی، ہمارا پورا معاشرہ بے پردگی سے بھرا ہوا ہے اور جب بے پردگی سے بھرا ہوا ہے تو پھر ہر جگہ بدنگاہی کا سامان موجود ہے، عورتوں نے اپنے آپ کو بے پردہ کر کے بدنگاہی کا پورا انتظام کیا ہوا ہے، اب بچنے والے کہاں ہیں، دیکھنا یہ ہے کہ اپنی نگاہ کی حفاظت کرنے والے کتنے ہیں، وہ بہت ہی خال خال ہیں، آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہیں، کیونکہ اس گناہ کے کرنے میں دیر بھی نہیں لگتی، کسی کو پتہ بھی نہیں چلتا، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی جانتا بھی نہیں کہ کون کس کو کس نیت سے دیکھ رہا ہے، دل کا حال تو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں، بندے جانتے نہیں ہیں، نتیجہ یہ کہ نجانے کتنے لوگ اس گناہ میں مبتلا ہیں، جبکہ اللہ پاک نے قرآنِ کریم میں مردوں کو حکم دے رکھا ہے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اسی طرح عورتوں کو بھی حکم دے رکھا ہے کہ وہ بھی اپنی نظریں نیچی رکھیں، اس لئے عورتوں کو بھی جائز نہیں ہے کہ وہ بدنگاہی کریں، ان کو بھی حکم یہ ہے کہ نامحرم مرد پر قصداً نظر نہ ڈالیں اور مردوں کو بھی یہ حکم ہے کہ وہ بھی عورتوں پر قصداً نظر نہ ڈالیں، اچانک نظر پڑ جائے تو فوراً ہٹالیں اور اپنی نظر نیچی کر لیں یا دوسری طرف منہ کر کے اپنی نظر کو بچالیں اور ساتھ ساتھ یہ بھی بتادیا کہ جو مرد و عورت اپنے قصد و اختیار سے بدنگاہی کریگا، اس کے اوپر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ یہ گناہ

ایسا ہے کہ اس کے اندر حافظ بھی، قاری بھی، عالم فاضل بھی، حاجی بھی، نمازی بھی، سخی بھی، دیندار بھی، غیر دیندار بھی، غرض سب ہی لوگ مبتلا ہیں الا ماشاء اللہ، حالانکہ قرآن و حدیث اس گناہ سے بچنے کی تاکید سے بھرے ہوئے ہیں۔ ہمارے یہاں جمع ہونے کا مقصد ہماری اصلاح وتربیت ہے اور بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ فعل اور یہ گناہ ان گناہوں میں سے ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کی اس لعنت سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنی نظر کی حفاظت کریں۔

"بدنظری" کے گناہ ہونے کا احساس ختم ہوگیا

اب میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ دیکھیں یہ گناہ ایسا ہے جو ہمارے معاشرے کے اندر پوری طرح پھیلا ہوا ہے اور ہر گناہ کا یہ حال ہے کہ جب کوئی شخص پہلی مرتبہ کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کا دل بڑا ملامت کرتا ہے اور رہ رہ کر اس کو خیال آتا ہے کہ یہ گناہ مجھ سے کیوں ہوگیا لیکن جب وہی گناہ دوسری مرتبہ تیسری مرتبہ دسویں مرتبہ سوویں مرتبہ کرتا ہے تو اس کے دل سے اس کے گناہ ہونے کا احساس ختم ہو جاتا ہے اور اس گناہ کا گناہ ہونا ہی اس کے دل سے نکل جاتا ہے اور اس گناہ کی اہمیت باقی نہیں رہتی۔ ہماری حالت بالکل یہی ہے

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا

کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

اب حال یہ ہے کہ تقریباً ہر شخص ہی اس بدنظری کے گناہ کے اندر مبتلا ہے، حاجی صاحب بھی، نمازی بھی، روزہ دار بھی، ظاہر میں جو دیندار کہلاتے ہیں وہ بھی، اس لئے کہ یہ گناہ ایسا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں کہ کون گناہ کر رہا ہے اور کون نہیں کر رہا، نتیجہ یہ کہ عورتوں نے بے پردگی اختیار کر کے مردوں کو اس گناہ

کا سو فیصد موقع فراہم کیا ہوا ہے اور مرد حضرات کی طرف سے اس سے بچنے کا اہتمام بہت کم نظر آتا ہے، بہت کم ایسے ہیں جن میں خوفِ خدا ہو تو وہ اس گناہ سے بچیں ورنہ تو عام طور پر چونکہ گناہ کے مواقع بہت آسانی کے ساتھ دستیاب ہیں لہٰذا مرد حضرات بھی اس گناہ کے اندر مبتلا ہو جاتے ہیں لیکن یہ گناہ گناہ ہے اور ان گناہوں میں سے ہے جن پر اللہ کی لعنت ہے، اس مرد کے اوپر بھی لعنت ہے جو یہ گناہ کرے اور اس عورت پر بھی لعنت ہے جو اپنے اختیار سے اس گناہ کا موقع فراہم کرے۔

نظر کی حفاظت کا طریقہ

نظر کی حفاظت کا آسان طریقہ یہی ہے کہ آدمی جب بھی گھر سے باہر نکلے تو ہوشیار ہو کر نکلے اور دو کام کرے، ایک تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ یا اللہ! میں گھر سے باہر نکل رہا ہوں، قدم قدم پر بدنگاہی کا موقع آئیگا، میں آپ کی مدد کے بغیر بچ نہیں سکوں گا، پس اے اللہ! اس گناہ سے بچنے میں میری مدد فرما۔ جب اللہ تعالیٰ کی مدد ہو جاتی ہے تو بس پھر مشکل سے مشکل مسئلہ بھی آسان ہو جاتا ہے، پس دعا ایسا گر ہے کہ ہم اس کو پلے باندھ لیں، کیسا ہی گناہ کا موقع آجائے، بس گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں، انشاء اللہ تعالیٰ آپ دیکھیں گے کہ غیب سے مدد ہوگی، لہٰذا گھر سے نکلتے ہی پہلے دعا کرلیں کہ یا اللہ! میرے گھر سے نکلتے ہی مجھے بے پردہ عورتیں ملیں گی اور جہاں بھی میں جاؤنگا وہاں بے پردہ عورتیں ہی ہونگی، یا اللہ! آپ ہی اس گناہ سے بچنے میں میری مدد فرمائیں، پھر دوسرا کام یہ کریں کہ ہمت سے کام لیں، اپنی نظر کو کسی نہ کسی قاعدہ وسلیقہ سے اس طرح بچائیں کہ نامحرم عورتوں پر قصداً نظر بھی نہ پڑے اور کام بھی ہو جائے، یہاں تک کہ اگر کسی عورت سے بات بھی کرنی پڑے تو بات بھی ہو جائے، خرید وفروخت کرنی پڑے تو وہ بھی ہو جائے اور اگر کسی آفس میں کام ہے اور وہاں کسی عورت

سے سابقہ پڑے تو وہ کام بھی ہو جائے اور نظر کی حفاظت بھی ہو جائے۔ یاد رکھیں! اگر اللہ تعالیٰ کا خوف ہمارے دل میں ہے تو ہر جگہ ہمارے واسطے اپنی نظر کے بچانے کا ضرور سامان ہو جائیگا۔

نظر کی حفاظت کرنے کے دو واقعات

اب آپ کو دو بزرگوں کے دو واقعات سناتا ہوں کہ جن کا عورتوں سے واسطہ بھی تھا مگر پھر بھی اپنی نظر کی حفاظت کرتے تھے کیونکہ ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف تھا۔

پہلا واقعہ

حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہومیو پیتھک ڈاکٹر تھے، ساری عمر حضرت نے پاپوشنگر کے علاقہ میں مطب کیا ہے، حضرت کے مطب کو دیکھنے والے حاضرین میں اب بھی کچھ لوگ موجود ہونگے اور حضرت کا یہ معمول تھا کہ روزانہ پہلے مطب میں مجلس ہوتی، اس کے بعد پھر جب روحانی مریض نمٹ جاتے تو جسمانی مریضوں کا علاج شروع ہوتا، حضرت خواتین کا بھی علاج کرتے تھے لیکن حضرت کا یہ معمول تھا کہ بس نیچے منہ کئے بیٹھے ہوتے اور ایک طرف خواتین کی قطار ہوتی اور بالترتیب خواتین آتیں، اپنا حال بتاتیں اور حضرت دوا لکھ کر دے دیتے، حضرت کبھی بھی نظر اٹھا کر نہ دیکھتے، بے پردہ عورتیں بھی آتی تھیں لیکن حضرت بالکل منہ نیچے کئے بیٹھے رہتے تھے اور کہتے تھے کہ میں نے نظر کو یوں رکھنے کی برسوں مشق کی ہے، مطب بھی چلا کر دکھا دیا، اب کوئی ڈاکٹر یہ نہیں کہہ سکتا کہ مفتی صاحب! عورتیں ہمارے پاس بے پردہ آتی ہیں ہم اپنی نظر کیسے بچائیں۔ دیکھئے! یہ اللہ کے نیک بندے جن کے دل میں خوف خدا ہے، انہوں نے اپنی ساری زندگی مطب کیا، مردوں کا بھی علاج کیا اور عورتوں کا بھی

علاج کیا جن میں بے پردہ عورتیں بھی ہوتی تھیں، علاج بھی کیا اور نظر کی بھی حفاظت کرلی۔

دوسرا واقعہ

اسی طرح سکھر میں ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے، وہ بھی ایلو پیتھک ڈاکٹر تھے، ان کے ہاں بھی مردانہ اور زنانہ دونوں حصے تھے، مردانہ حصے میں مرد حضرات کو جاکر دیکھتے تھے اور زنانہ حصے میں عورتوں کو دیکھتے تھے، ان کا بھی طریقہ یہی تھا کہ عورتوں میں ہیں لیکن اپنی نظر کی حفاظت کررہے ہیں۔

دیکھئے! جب ڈاکٹر اپنی نظر کی حفاظت کرسکتا ہے جس کو ہر وقت عورتوں سے واسطہ رہتا ہے تو ہم کیوں نہیں کرسکتے، بس حضرت حکیم ابراہیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہ اشعار یاد رکھنے کے ہیں۔

نظر بر قدم ہو قدم بر زمیں ہو یقیناً یہ صورت تو ہے اختیاری
نہ روکا نظر کو جو بے باکیوں سے تو لٹ جائے گی دل کی پونجی ہی ساری

شرعی پردہ گناہوں سے بچنے کا ذریعہ

عورتوں کے لئے شرعی پردہ ایک ایسا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہے اور ایسا فریضہ ہے کہ اگر خواتین اس کو اختیار کرلیں تو خود بھی بے پردگی کے گناہ سے بچ جائیں جس پر لعنت ہے اور ان کی وجہ سے ہزاروں مرد جو روزانہ بدنگاہی کرتے ہیں وہ بھی اس گناہ سے بچ جائیں اور یہ ان کے بچنے کا ذریعہ بن جائیں لیکن اس گناہ سے عورتیں بچتی نہیں، نتیجہ یہ کہ خود بھی گنہگار ہورہی ہیں اور ان کے ساتھ ساتھ نجانے کتنے مرد روزانہ گنہگار ہورہے ہیں۔

بدنظری کے بُرے اثرات

بدنظری کا سب سے پہلا اثر دل پر ہوتا ہے اور وہ اس طرح کہ بدنظری

کرنے والے کے دل سے نورانیت ختم ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کی محبت کا خاتمہ ہو جاتا ہے، آخرت کی فکر جاتی رہتی ہے اور نیکیوں کی توفیق سلب ہونے لگتی ہے، برے برے کاموں کی طرف دل بڑھنے لگتا ہے، برے برے جذبات کے اندر جوش مارنے لگتے ہیں، برائیوں کی طرف دل راغب ہونے لگتا ہے، نیکیوں سے دل اچاٹ ہونے لگتا ہے اور مزید اگر کرتا چلا جائے تو نجانے پھر اس کا دل کتنا سیاہ ہو جاتا ہے اور کہاں سے کہاں پہنچتا ہے اور بعض مرتبہ اس بدنگاہی کے نتیجے میں ایمان بھی جاتا رہتا ہے، اسی لئے یہ اتنا خطرناک گناہ ہے، بدنظری کرنے والا مرد ہو یا کوئی عورت ہو یا عورت اپنی بے پردگی کے ذریعہ مردوں کے لئے بدنگاہی کا ذریعہ بنے ان سب پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کی حفاظت فرمائے۔

''جسم گودنا اور گدوانا'' موجب لعنت عمل ہے

ایک حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''جسم گودنے والی عورت'' اور ''جسم گدوانے والی عورت'' کے بارے میں فرمایا کہ ان عورتوں پر بھی اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ پہلے زمانے میں اور آج بھی بعض کافروں کے اندر اپنے جسم گدوانے کا عام رواج ہے، خاص کر ہندوؤں کے اندر اس کا بڑا رواج ہے، ہندوؤں میں ایک خاص قوم ہے چمار، جو چمڑے کا کام کرتے ہیں اور جوتے چپل بنانے کے پیشے سے منسلک ہوتے ہیں، ان کے ہاں بطورِ خاص جسم گدوانے کا رواج پایا جاتا ہے۔

جسم کیسے گودا جاتا ہے

جسم گودنا اس طرح ہوتا ہے کہ ایک نلکی یا سوئی کے ذریعہ کھال کے اندر

ایک خاص طریقہ سے رنگ بھرا جاتا ہے، بعض لوگ لال رنگ سے اپنے جسم کو گدواتے ہیں، بعض ہرے رنگ سے اپنے جسم کو گدواتے ہیں، بعض لوگ کالے رنگ سے اپنے جسم کو گدواتے ہیں، بعض لوگ نیلے رنگ سے اپنے جسم کو گدواتے ہیں، کہیں اس کے ذریعہ نام لکھا جاتا ہے، کہیں پھول بوٹے بنائے جاتے ہیں، کہیں جانور بنائے جاتے ہیں، کوئی اپنے ہاتھ پر شیر بنواتا ہے، کوئی اپنے ہاتھ پر ہاتھی بنواتا ہے، کوئی اپنے ہاتھ پر بندر بنواتا ہے، کوئی اپنے ہاتھ پر سانپ بنواتا ہے، غرض کھال کے اندر رنگ بھر کر مختلف چیزیں بنوائی جاتی ہیں، پھر وہ رنگ چونکہ کھال کے اندر ہوتا ہے اس لئے پھر وہ مٹتا نہیں ہے، نہانے سے، صابن لگانے سے، جسم کے ملنے سے وہ مٹتا نہیں ہے، وہ انمٹ اور پکا ہوتا ہے، پہلے زمانے میں عورتیں یہ کام زیادہ کیا کرتی تھیں، اب بھی شاید عورتیں ہی کرتی ہیں، بہرحال عورتیں کریں یا مرد کریں، دونوں صورتوں میں نبی اکرم جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جسم گودنے والوں اور جسم گدوانے والوں دونوں ہی پر خدا کی لعنت فرمائی ہے کہ جو لوگ بھی یہ کام کریں گے ان پر اللہ کی لعنت ہے۔

''تصویر کھینچنا اور کھچوانا'' موجب لعنت عمل ہے

حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویر کھینچنے والوں اور تصویر کھچوانے والوں کے بارے میں بھی فرمایا کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ یہ تصویر کشی کا گناہ تو ہمارے معاشرے کے اندر اپنے شباب پر ہے، جسم گودنے کا تو ہمارے ہاں اتنا رواج نہیں ہے، اس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے بچایا ہوا ہے لیکن تصویر کھینچنے اور کھچوانے کا عام رواج ہے، شاید ہی کوئی گھر تصویر سے خالی ہو، ہمارے گھر بھی، گلی کوچے اور محلے بھی، بازار بھی یہاں تک کہ چورنگیاں اور چوراہے بھی، کس قدر بڑی بڑی تصویروں سے بھرے ہوئے ہیں اور جب سے امریکا کا پاکستان کے اوپر زیادہ ہی قبضہ اور دباؤ ہوا ہے، اس وقت سے

تو تصویروں کا سیلاب آیا ہوا ہے، مغربی عورتوں اور مردوں کی تصویریں کہاں نہیں ہیں، ہر جگہ مردوں، عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور جوانوں کی تصویریں چورنگیوں پر اور بڑے بڑے سائن بورڈوں پر اور بڑی زبردست لائٹوں کے ساتھ لگی ہوئی ہیں اور جتنی بھی مصنوعات ہیں، شاید ہی کوئی چیز تصویر سے خالی ہو، خواہ وہ ہمارے اپنے ملک کی بنی ہوئی ہو یا باہر سے بن کر آئی ہو، ہر چیز پر تصویر ضرور ہوگی، بس تصاویر کا تو ایک سیلاب ہے حالانکہ یہ فعل موجب لعنت ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے، تو جو لوگ اپنی تصویریں کھچواتے ہیں یا خود کھینچتے ہیں، ان کا کیا حال ہوگا اور کیا انجام ہوگا۔

اپنے گھروں کو تصویروں سے پاک کریں

اس لئے ہم سب کو کم از کم اپنی حد تک تو اس گناہ سے ضرور بچنا چاہئے اور اپنے گھروں کو جانداروں کی تصاویر سے پاک کرنا چاہئے اور بلا تاخیر پاک کرنا چاہئے، لہٰذا ہمارے گھروں میں جتنی شوقیہ تصویریں ہیں، چاہے گروپ کی شکل میں ہوں یا انفرادی شکل میں ہوں، ہمارے باپ دادا کی ہوں یا ہمارے پوتے نواسوں کی ہوں، عورتوں کی ہوں یا مردوں کی ہوں، چاہے شادی کی ہوں یا شادی کے بعد کی ہوں، ایسی تمام تصاویر سے اپنے گھروں کو پاک کرنا چاہئے، بس صرف اور صرف پاسپورٹ اور شناختی کارڈ کے لئے اور جہاں جہاں قانوناً تصویر کی پابندی ہے، بس اس حد تک گنجائش ہے، اس کے علاوہ جتنی بھی تصاویر ہیں ان سب سے اپنے گھروں کو پاک کرنا ضروری ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویریں مٹوادیں

ایک مرتبہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کسی جنازے میں شرکت کے لئے قبرستان تشریف لے گئے، وہاں قبر بننے میں غالباً کچھ دیر تھی اس لئے آپ

وہاں تشریف فرما ہو گئے، اسی قبرستان میں رہتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ حاضرین میں سے کوئی ایسا شخص ہے جو تین کام کر کے آئے، نمبر ایک: مدینہ منورہ کے اندر جتنے بت اور تصویریں ہیں سب کو پاش پاش کر دے، نمبر دو: جتنی قبریں زیادہ اونچی اونچی بنی ہوئی ہیں ان سب کو صحیح کر دے، نمبر تین: اس وقت مجھے یاد نہیں آ رہی، غرض کل تین چیزوں کے بارے میں آپ نے فرمایا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھے اور انہوں نے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم! میں یہ تین کام کر کے آتا ہوں، لوگ بڑا تعجب کرنے لگے کہ یہ تینوں بڑے اور محنت طلب کام ہیں جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ ابھی تینوں کام کر کے یہاں ہی آ جاؤ اور مجھے بتاؤ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ چلے گئے اور تینوں کام مکمل کر کے حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضور! میں نے کوئی بت اور تصویر ایسی نہیں چھوڑی جس کو میں نے خراب اور برباد نہ کر دیا ہو اور کوئی قبر ایسی نہیں چھوڑی جس کو میں نے ٹھیک نہ کر دیا ہو اور تیسرے کام کے بارے میں بھی فرمایا کہ وہ بھی میں نے مکمل کر دیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے۔

تصویر کھینچنے والا گویا شریعت کا انکار کرنے والا ہے

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آج کے بعد کسی نے ان تین کاموں میں سے کسی بھی کام کو دوبارہ کیا تو سمجھ لو کہ جو شریعت میں لے کے آیا ہوں، اس کا اس نے انکار کر دیا۔ اس حدیث سے اندازہ کر لیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس قدر ان تینوں افعال کو جس میں تصویر کشی بھی شامل ہے برا فرما رہے ہیں اور اس کے دوبارہ کرنے کو شریعت کے انکار کرنے کے برابر فرما رہے ہیں یعنی کسی قیمت پر بھی آپ یہ گوارہ نہیں کرنا چاہتے کہ میری امت میں یہ تین کام دوبارہ ہوں۔

ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرر ہے ہیں

اب ہمارا ایسا حال ہے کہ تینوں ہی کاموں کی مخالفت ہو رہی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم آئے تھے ان تینوں کو مٹانے کے لئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سامنے ان تینوں کو مٹوایا اور جو غلط تھا اس کو درست کروایا لیکن اس کے باوجو آج تینوں کام ہو رہے ہیں کہ قبرستان جا کر دیکھ لیجئے کہ کتنی قبریں اونچی اونچی بنی ہوئی ہیں اور ٹیلے کی طرح معلوم ہو رہی ہیں، اسی طرح ہم اپنے گھروں کا جائزہ لیں تو ہمارے گھر تصویروں سے بھرے ہوئے ہیں، اللہ پاک ہم سب کو ان سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

میت کو قبر میں لٹانے کا طریقہ

قبرستان کے ذکر سے یاد آیا کہ جو لوگ اپنے متعلقین کی میت کو دفن کریں تو میت کے اولیاء کی پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنے مرنے والے کی قبر سنت کے مطابق بنوائیں، اس میں بھی دو باتیں یاد رکھیں جس کی بڑی ضرورت ہے، ایک میت کو قبلہ رخ لٹائیں، اس میں ننانوے فیصد ہمارے مسلمان مردوں کی کوتاہی پائی جاتی ہے، عام طور پر میت کو قبر میں چت لٹا دیا جاتا ہے، کمر کے بل زمین پر لٹا دیا جاتا ہے اور گردن کو قبلہ کی طرف موڑ دیا جاتا ہے، یاد رکھیں یہ بالکل غلط طریقہ ہے، سنت طریقہ یہ ہے کہ میت کی کمر کو قبر کی مشرقی دیوار کے ساتھ سہارا دیکر لٹائیں اور پوری کروٹ دیں یعنی جس طرح آدمی زندگی میں قبلہ رخ لیٹتا ہے تو اس کا چہرہ بھی قبلہ کی طرف ہوتا ہے، سینہ اور پیٹ بھی قبلہ کی طرف ہوتا ہے اور بائیں ٹانگ دائیں ٹانگ کے اوپر ہوتی ہے، میت کو قبر میں لٹانے کی یہی کیفیت ہونی چاہئے ۔قبر کے بیچ میں میت اس طرح لِٹا نہیں سکتے کیونکہ بیچ میں لٹائیں گے تو دائیں یا بائیں طرف میت کا جسم گر جائیگا، س لیے اس کی آسان ترکیب یہ ہے کہ

میت کی کمر کو قبر کی مشرقی دیوار کے ساتھ لگا دیں، کمر کو بالکل مشرقی دیوار کے ساتھ لگا دیں گے تو خود بخود میت کا چہرہ اور اس کا سینہ اور پیٹ قبلہ کی طرف ہو جائیگا، یہ سنت طریقہ ہے، اب آپ اندازہ لگائیے کہ کتنے مسلمان روزانہ فوت ہوتے ہیں لیکن کسی کو یہ نہیں معلوم کہ میت کو قبر میں کس طرح سنت طریقہ سے لٹانا چاہئے، یہ اس لئے میں عرض کر رہا ہوں تاکہ جب ہمارے ہاں کسی کا انتقال ہو تو ہم اس سنت کو زندہ کریں اور اپنی میت کو قبلہ رخ لٹانے کا اہتمام کریں اور میں یہ بھی عرض کر دوں کہ لوگ آپ کو منع کریں گے اور یہ کہیں گے کہ ہم نے تو آج تک کبھی نہ ایسا دیکھا اور نہ اس کے متعلق سنا، ایسے کہنے والوں سے کہا جائے کہ تم کیا علامہ ہو؟ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری سنتیں تمہیں ازبر ہیں؟ کیا تمہیں سارا علمِ دین آتا ہے جو یہ کہہ رہے ہو کہ آج تک ہم نے پڑھا نہیں اور سنا نہیں، بھئی تم دین سے ناواقف ہو، دین کا تمہیں علم نہیں ہے تو پھر ایسی بات کیوں کہتے ہو، یوں کہو کہ ہمیں علم نہیں ہے، اگر آپ نے کسی معتبر ذریعہ سے پوچھ لیا ہے تو آپ کریں اور ہم آپ کی تائید کرتے ہیں، یہ ہے صحیح طریقہ بات کرنے کا نہ یہ کہ صحیح کرنے والے کو بھی روکیں، نہ خود چلیں نہ دوسروں کو چلنے دیں۔

ایک لطیفہ

اس پر ایک لطیفہ یاد آ گیا، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مواعظ کے اندر بیان فرمایا ہے اور وہ اس لئے بیان فرمایا ہے کہ لوگوں کا آج کل حال یہ ہے کہ خود تو دین پر چلتے نہیں اور اگر کوئی دوسرا چلنا چاہے تو اس کو بھی نہیں چلنے دیتے، وہ لطیفہ یہ ہے کہ ایک جگہ کہیں مسلمانوں کا کافروں کے ساتھ جہاد ہوا اور اس جہاد کے اندر کچھ مسلمان شہید ہو گئے اور کچھ زخمی ہو گئے اور شام ہونے کی بناء پر لڑائی بند ہو گئی، جب لڑائی بند ہو گئی تو مسلمان زخمیوں میں ایک مجاہد زندہ تھے، وہ بے چارے دیکھ رہے تھے کہ میرے ہر طرف شہید ہی شہید ہیں اور رات سامنے

ہے اور اندھیرے میں اکیلے کیسے رات گزرے گی، وہ بہت پریشان تھے، اتنے میں دیکھا کہ ایک لالہ جی وہاں سے گزر رہے ہیں، لالہ جی کہتے ہیں بنیے کو، یہ بزدل اور ڈرپوک ہوتے ہیں اور ساتھ میں لالچی بھی ہوتے ہیں، یہ سب چیزیں ان کے اندر پائی جاتی ہیں، تو انہوں نے دیکھا کہ لالہ جی جارہے ہیں تو انہوں نے آواز دی کہ لالہ جی یہاں آؤ، یہ آواز سنتے ہی لالہ جی پہلے تو ڈر گئے کہ مردہ بول پڑا ہے، پھر دوبارہ آواز دی کہ لالہ جی ڈرو نہیں، میں زندہ ہوں مرا نہیں ہوں، میں اس لئے آپ کو آواز دے رہا ہوں کہ میری کمر کے اوپر اشرفیوں کی ایک ہمیانی بندھی ہوئی ہے وہ آ کے کھول لو تمہارے کام آجائے گی کیونکہ میں تو تھوڑی دیر کا مہمان ہوں، اب اس نے جو یہ اشرفیوں کی ہمیانی سنی تو اس کے منہ میں پانی آگیا کہ یہ تو بڑا اچھا موقع ہے، اب لالہ جی ڈرتے ڈرتے اس کے پاس جانے لگے کیونکہ سامنے لاشیں بھی پڑی ہوئی تھیں جب اس زندہ مجاہد کے بالکل قریب گئے تو اس مجاہد نے تلوار اٹھائی اور لالہ جی کے پیروں پر ماردی جس سے اس کے پیر زخمی ہوگئے اور چلنے کے قابل نہ رہے اور دھڑام سے نیچے گر گئے، گرتے ہی وہ اس مجاہد کی کمر ٹٹولنے لگے کہ وہ اشرفیوں کی ہمیانی کہاں ہے، مجاہد نے کہا کہ لالہ جی پاگل ہوئے ہو، کوئی جنگل اور جہاد کے اندر بھی اشرفیوں کی ہمیانی باندھ کر آیا کرتا ہے کیا؟ بات اصل میں یہ ہے کہ میں یہاں اکیلا تھا، میں نے سوچا کہ اب رات اکیلے کیسے گزرے گی تو میں نے تمہیں یہاں سے جاتے ہوئے دیکھا، تم ویسے تو آتے نہیں، اس لئے میں نے تمہیں اشرفیوں کا کہکر بلالیا اور تمہیں بھی زخمی کردیا، اب ہم آپس میں باتیں کرتے ہوئے رات گزاریں گے، اس نے کہا کہ نہ خود چلے اور نہ دوسرے کو چلنے دے کہ خود تو پڑا ہوا ہے، جا نہیں سکتا، میں اچھا خاصا چلتا ہوا جارہا تھا، مجھے بھی اپنے پاس بلا کے روک لیا۔ آج کل کے لوگوں کا یہی حال ہے کہ خود بھی دین پر نہیں چلتے اور اگر ان کے گھر میں کوئی

فرد یا ان کے محلے یا معاشرے میں کوئی فرد دین پر چلنا چاہے تو اس کے راستے میں بھی روڑے اٹکاتے ہیں اور رکاوٹیں ڈالتے ہیں۔

اسی مسئلہ میں آپ تجربہ کر کے دیکھ لیں کہ اگر آپ نے اپنی میت کو سنت کے مطابق قبر میں رکھنے کی کوشش کی تو کچھ نہ کچھ لوگ ضرور آپ کو منع کریں گے اور رکاوٹ ڈالیں گے مگر آپ ان کی بالکل پرواہ نہ کریں، آپ کو جب یہ معلوم ہو گیا کہ ہمارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سنت ہے تو بس آپ اس سنت پر عمل کریں۔

پختہ قبر بنانا منع ہے

قبر سے متعلق دوسری بات یہ ہے کہ آپ دیکھتے ہیں کہ قبرستان کے اندر سو فیصد قبریں پکی بنتی ہیں، بالکل پختہ بن رہی ہیں حالانکہ احادیث کے اندر پختہ قبروں کی صاف صاف ممانعت ہے اور ایک دو نہیں، دسیوں احادیث کے اندر قبر کو پکا بنانے کی ممانعت ہے لیکن ہمارے ہاں کا فیشن ہے، اس سے بھی بچنا چاہئے اور قبر کچی بنانی چاہئے۔

قبر سے متعلق دو باتیں درمیان میں آ گئیں، اصل بات تصویر کشی کی چل رہی تھی کہ تصویر کشی اس قدر عام ہو چکی ہے کہ العیاذ باللہ کوئی گھر، کوئی بازار، کوئی گلی، کوئی چوک، کوئی چوراہا خالی نہیں، ہر جگہ تصویریں ہی تصویریں ہیں، جبکہ یہ بھی موجب لعنت کام ہے جس سے بڑے اہتمام کے ساتھ بچنے کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

تصویر کشی کا عذاب

تصویر کشی کے عذاب سے متعلق ایک حدیث یاد آئی، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ

حضرت! میرا پیشہ تصویر کشی کا ہے، میں جانداروں کی تصاویر بناتا ہوں اور اس کے عوض میں پیسے لے کر اپنا گزارہ کرتا ہوں، میرا ذریعۂ معاش یہ تصویر کشی اور مجسمہ سازی ہے تو اس کی کوئی گنجائش ہے، میں یہ کام کر سکتا ہوں یا نہیں؟ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تم ذرا میرے قریب آؤ، وہ قریب آ گیا پھر آپ نے فرمایا کہ ذرا اور قریب آؤ، وہ اور قریب آ گیا، پھر آپ نے فرمایا کہ ذرا اور قریب آؤ یہاں تک کہ وہ آپ کے بالکل قریب آ گیا اور آپ نے اس کو اتنا قریب اس لئے کیا تاکہ جو بات اس کو سنائیں وہ پوری توجہ سے سنے، اس کے بعد آپ نے اس شخص کے سر پر شفقت اور محبت سے اپنا ہاتھ رکھا اور فرمایا کہ میں تم کو وہ بات سنانا چاہتا ہوں جو خود میں نے اپنے کانوں سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ سب سے زیادہ سخت عذاب میں تصویر کشی کرنے والے مبتلا ہونگے یعنی آخرت میں جو سب سے زیادہ عذاب ہوگا، وہ تصویر بنانے اور بنوانے والوں پر ہوگا، بس یہ سنتے ہی اس شخص کا کلیجہ بیٹھ گیا اور اس نے ایک لمبی آہ کھینچی، اس لئے کہ وہ یہ سن کر کانپ گیا کہ میں یہ کیا کر رہا ہوں، یہ تو میرا پیشہ ہی سارا کا سارا غلط ہو گیا، اس کی اس کیفیت کو دیکھ کر حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بات ارشاد فرمائی کہ تم تصویر کشی کو اپنا پیشہ بنانا چاہتے ہو تو تم جانداروں کی تصاویر بنانا چھوڑ دو اور بے جان چیزوں کی تصاویر بنا لیا کرو، جیسے پہاڑ، دریا، درخت، آسمان، بادل، چاند، سورج غرض جو بے جان چیزیں ہیں ان کی تصاویر بنا لیا کرو اور بیچ کر اپنا گزارہ کر لیا کرو، اس کی گنجائش ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں ہے لیکن جانداروں کی تصاویر بنانے کا پیشہ مت اختیار کرو، اس لئے کہ جاندار کی تصاویر بنانے والے کو قیامت میں سب سے زیادہ سخت عذاب ہوگا، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس گناہ سے اور تمام گناہوں سے تمام مسلمانوں کو بچنے کی

توفیق عطا فرمائیں۔

"بھنویں باریک کروانا" موجبِ لعنت عمل ہے

ایک حدیث میں ہے کہ نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے جسم گودنے والی اور گدوانے والی عورتوں پر اور ان عورتوں پر جو خوبصورتی کے لئے اپنی بھنوؤں کے بال نوچ کر ان کو باریک بناتی ہیں اور ان عورتوں پر جو خوبصورتی کے لئے اپنے دانتوں کو درمیان سے گھسوا کر خلا پیدا کرتی ہیں تاکہ دانت ایک دوسرے سے ملے ہوئے نظر نہ آئیں بلکہ الگ الگ نظر آئیں، ان پر بھی اللہ کی لعنت ہے، اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی خلقت کو بدلنے والی ہیں او کما قال علیہ السلام۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ "بھنویں تراشنا" بھی موجبِ لعنت کام ہے۔

یہ گناہ بھی ایسا ہے کہ آج ہمارے معاشرے کے اندر اپنے شباب پر ہے، بہت کثرت سے یہ گناہ پایا جا رہا ہے اور تمام عورتیں جن میں نوعمر لڑکیوں سے لے کر ادھیڑ عمر کی خواتین تک سب ہی شامل ہیں، تمام ہی عورتوں میں یہ گناہ پھیلا ہوا ہے، ہر عورت یہ چاہتی ہے کہ بس میری بھنویں ایک لکیر کی طرح باریک ہوں۔

"دونوں بھنوؤں کے درمیان فاصلہ کروانا" موجبِ لعنت عمل ہے

ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ لعنت ہے ان عورتوں کے اوپر جو اپنی دونوں بھنوؤں کے درمیان سے بال اس لئے صاف کرتی ہیں تاکہ وہ ایک دوسرے سے ملی ہوئی نظر نہ آئیں، یہ دونوں گناہ ہمارے ہاں عام ہیں، جن کی بھنویں موٹی ہیں وہ ان کو باریک کرواتی ہیں اور جن کی بھنویں ملی ہوئی ہیں وہ ان میں فاصلہ کرواتی ہیں اور دونوں ہی گناہ باعثِ لعنت ہیں اور یہ کام کسی بھی طریقہ

سے کریں، چاہے وہ نوچ کر سے بال اکھاڑیں، چاہے دھاگے کے ذریعہ بال نکالیں، چاہے ریزر کے ذریعہ بال صاف کریں، ہر صورت میں بھنوؤں کو باریک کرنا باعثِ لعنت ہے، اسی طرح جس کی بھنویں ملی ہوئی ہوں، وہ خوبصورتی کی خاطر دونوں کے درمیان فاصلہ کرتی ہیں، یہ بھی موجب لعنت ہے، البتہ بڑھاپے اور عمر کی زیادتی کی وجہ سے کسی مرد یا عورت کی بھنویں بہت موٹی ہو جائیں اور وہ قینچی سے وہ بال جو دائیں بائیں نکلے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے بھنویں منتشر اور پھیلی ہوئی ہیں ان کو اگر کتر کر برابر کرلیں تو اس کی اجازت ہے، لیکن بالوں کو اکھاڑ کر بھنویں باریک کرنا خواہ کسی بھی چیز سے ہو، یہ ناجائز ہے۔

بھنوؤں کے علاوہ بال کاٹنا جائز ہے

البتہ بھنوؤں کے علاوہ باقی چہرے کے بال جیسے بعض عورتوں کے داڑھی کی جگہ پر بال نکل آتے ہیں، مونچھوں کی جگہ پر بال نکل آتے ہیں یا رخساروں پر بال نکل آتے ہیں، ان کو کاٹنا اور صاف کرنا، چاہے کریم سے صاف کریں یا کسی اور طریقہ سے، اس کی اجازت ہے بلکہ مونچھوں کے بال کا تو صاف کرنا نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے اور اس کے علاوہ باقی چہرے کے بالوں کو صاف کرنے کی گنجائش ہے، اسی طرح ہاتھوں اور پیروں جیسے پنڈلیوں کے اوپر بال ہوتے ہیں ان کا صاف کرنا بھی جائز مگر خلاف ادب ہے یعنی صاف نہ کرے تو بہتر اور صاف کرلے تو جائز ہے لیکن بھنویں تراشنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے جس کا آجکل فیشن ہے اس پر تو اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے، لہٰذا اس گناہ سے تو خواتین کو فوری طور پر بچنے کی ضرورت ہے۔

"دانتوں کے درمیان خلا کروانا" موجب لعنت عمل ہے

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عورتوں کے اندر ایک

اور فیشن بھی تھا، شاید آج بھی کہیں ہو اور وہ یہ کہ جن عورتوں کے دانت ملے ہوئے ہوتے تھے اور درمیان میں خلا نہیں ہوتا تھا تو اس زمانے میں یہ بھی ایک خوبصورتی سمجھی جاتی تھی کہ دانتوں کے درمیان خلا ہونا چاہئے، دانت ملے ہوئے نہیں ہونے چاہئیں بلکہ الگ الگ ہونے چاہئیں، اب ظاہر ہے کہ قدرتی طور پر تو دانت ملے ہوئے ہی نکلتے ہیں، الگ الگ تو شاذونادر ہی کسی کسی کے نکلتے ہیں تو اس زمانے میں عورتیں ریتی کے ذریعہ دانتوں کو درمیان سے گھسواتی تھیں، گھسوا کر ان کے درمیان خلا کرتی تھیں تاکہ خوبصورت معلوم ہوں، اس پر بھی اللہ تعالیٰ کے رسول نے اللہ تعالیٰ کی لعنت بیان فرمائی ہے، اس میں یہ بھی داخل ہے کہ کوئی عورت جس کے دانت بہت بڑے بڑے ہوگئے ہیں تو وہ ان دانتوں کو گھسوا کر چھوٹا کرے تاکہ نوجوان لڑکیوں کی طرح ان کے دانت چھوٹے چھوٹے اور باریک باریک معلوم ہوں، ممکن ہے یہ آجکل بھی ہوتا ہو کیونکہ جب بھنوؤں کی شامت آئی ہوئی ہے تو دانت کیسے بچ سکتے ہیں لیکن یاد رکھیں! اس پر بھی اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے، ہاں مصنوعی دانت لگوانا جائز ہے، کسی کا دانت گر جائے تو اس کی جگہ فکس اور غیر فکس دانت لگوانا درست ہے لیکن دانتوں کو گھسوا کر چھوٹا کروانا، باریک کروانا یا ان کے درمیان خلا کروانا، اس کی اجازت نہیں ہے، یہ گناہ اور ناجائز ہے اور اس سے بچنا ضروری ہے۔

یہ اعمال موجب لعنت کیوں ہیں؟

یہ جو چار کام آپ کے سامنے ذکر ہوئے، ایک جسم گودنا اور گدوانا، دوسرا تصویر کشی، تیسرا بھنویں تراشنا اور چوتھا دانتوں کے درمیان خلا کروانا، ان چاروں کاموں کی ممانعت کی وجہ حدیث شریف میں یہ بیان کی گئی ہے کہ دراصل ان چاروں کاموں کے اندر اللہ تعالیٰ کی صفتِ تخلیق میں بندہ کا دخل دینا ہے، اللہ پاک نے جس کو جیسا بنایا ہے وہ ویسا ہی حسین ہے اور چونکہ اللہ پاک نے بنایا ہے

اس لئے بندہ کو اختیار نہیں ہے کہ وہ اس میں دخل اندازی کرے، اس میں تبدیلی کرنے کا بندہ کو کوئی اختیار نہیں ہے، بیمار ہو جائے تو علاج کرا سکتا ہے، کوئی عضو ٹوٹ جائے تو مصنوعی عضو لگوا سکتا ہے لیکن جو اللہ پاک کا بنایا ہوا دانت ہے یا اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی کھال ہے یا اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی بھنویں ہیں یا اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی شکل وصورت ہے، کوئی شخص نہ اس کی نقل اتار سکتا ہے جس کو تصویر کشی کہتے ہیں، نہ ان دانتوں کو باریک یا چھوٹا کر سکتا ہے، نہ ان کے درمیان خلا کر سکتا ہے، کیونکہ اللہ پاک نے دانتوں کو ملا ہوا بنایا ہے، اللہ پاک نے جس کی موٹی بھنویں بنائی ہیں، اسی میں اللہ پاک نے اس کا حسن رکھا ہے، حسن کے بارے میں ہماری سمجھ کا اعتبار نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی خلقت کا اعتبار ہے، تو جس کی بھنویں موٹی ہیں وہی اس کے حق میں حسین ہیں، جس کی بھنویں باریک ہیں وہی اس کے حق میں حسین ہیں، جس کی بھنویں ملی ہوئی ہیں وہی اس کے حق میں حسین ہیں، جس کی بھنویں الگ الگ ہیں وہی اس کے حق میں حسین ہیں، جب اس کو بدلے گا تو گویا اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑے گا اور اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑنا جائز نہیں، اس لئے اس فعل پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

تصویر کشی کرنے والا بڑا ظالم ہے

ایک حدیث قدسی میں فرمایا گیا ہے کہ اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو میری طرح پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے، اللہ پاک نے انسان میں دو چیزیں پیدا کی ہیں، ایک اس کا جسم بنایا گیا ہے جس میں ہاتھ، پیر، ناک، کان غرض سارا ہی جسم آگیا اور ایک اس کے اندر روح ڈالی ہے، تو اس حدیث قدسی میں اللہ پاک فرمارہے ہیں کہ اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو میری طرح پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے، وہ میری طرح تو کیا پیدا کرے گا، ذرا وہ گندم یا جو کا ایک دانہ تو پیدا کرکے دکھادے۔

تصویر کشی کرنے والے پر عذاب شدید ہوگا

ایک حدیث میں یہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تصویر کشی کرنے والوں سے فرمائیں گے کہ تم نے ہماری طرح شکل بنائی تھی، اب ذرا ان میں جان بھی ڈال کر دکھاؤ اور ظاہر ہے کہ جان ڈال نہیں سکے گا، پھر اس پر عذاب شدید ہوگا۔

خلاصہ

تصویر کشی میں بھی اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورت کی نقالی ہے، اس کی اجازت نہیں ہے، نیز بھنویں بنانے میں، جسم گدوانے میں، دانتوں کے درمیان خلا کرنے میں یا گھسوا کر چھوٹا کرنے میں بھی اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی شکل وصورت کے اندر تبدیلی کرنا ہے جس کا بندہ کو اختیار نہیں اور جس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

''چست کپڑے پہننا'' موجب لعنت عمل ہے

ایک حدیث میں ہے کہ سرکار دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جہنمیوں کی دو جماعتیں ایسی ہیں جن کو میں نے ابھی تک دیکھا نہیں ہے یعنی میرے زمانے میں ان کا ظہور نہیں ہوا لیکن قیامت سے پہلے ان کا ظہور ہو جائے گا، ایک تو وہ لوگ ہونگے جن کے ہاتھوں میں گائے کی دم کی طرح کوڑے ہونگے اور وہ ناحق لوگوں کو مارتے پیٹتے ہونگے، اس سے مراد سرکاری اہلکار ہیں، صاحب اقتدار لوگ ہیں جن کے ہاتھ میں قوت وطاقت ہوگی اور وہ مظلوموں، مجبوروں، بے بسوں، بے کسوں، اپنے ماتحتوں اور اپنی رعایا پر ناحق زیادتیاں کریں گے، ظلم ڈھائیں گے اور ان کو طرح طرح سے تکلیفیں پہنچائیں گے جیسا کہ آجکل کے سرکاری لوگوں کا حال ہے اور دوسری جماعت ان عورتوں کی ہوگی جو لباس پہننے کے باوجود ننگی ہونگی (اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ

ان کے جسم پر کپڑا تو ہوگا مگر اتنا چُست ہوگا کہ جس سے ان کے جسم کے اعضاء بناوٹ واضح اور نمایاں ہوگی۔ یہ معاملہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے، کتنی خواتین ہیں جو لباس تو پہنتی ہیں لیکن ان کا لباس اتنا چُست ہوتا ہے کہ جسم کا ہر حصہ الگ اور نمایاں ہوتا ہے، یہ صورت لباس نہ پہننے کے حکم میں ہے، یہ لباس لباس نہیں ہے، جس عورت کے جسم پر ایسا چُست لباس ہوگا، وہ عورت برہنہ اور ننگی کہلائے گی) اور خود بھی مردوں کی طرف مائل ہونے والی ہونگی اور مردوں کو بھی اپنی طرف مائل کرنے والی ہونگی، پھر فرمایا کہ جب تم ایسی عورتوں کو دیکھو تو ان کے اوپر لعنت کرنا کیونکہ یہ ملعون عورتیں ہیں۔

بے پردہ خواتین پر اللہ پاک کی لعنت ہے

یہ حدیث آجکل کی بے پردہ خواتین کے اوپر صادق آتی ہے جن کے جسم پر پردہ نام کی کوئی چیز نہیں ہے، بے پردہ اور بے حجابانہ جسم کھلا ہوا ہے، گردن کھلی ہوئی ہے، گریبان کھلا ہوا ہے، سر کے بال کھلے ہوئے ہیں، دوپٹہ نام کی کوئی چیز نہیں ہے اور اگر ہے بھی تو بس برائے نام ایک پٹی سی ہے اور اگر ساڑھی باندھی ہوئی ہے تو پیٹ اور پیٹھ بھی کھلے ہوئے ہیں، یہ سب اس حدیث کا مصداق ہیں اس لئے کہ لباس پہننے کے باوجود وہ آدھی تو ننگی ہی ہیں۔

''باریک کپڑے پہننا'' موجب لعنت عمل ہے

یہ جو حدیث شریف میں فرمایا کہ ''لباس پہننے کے باوجود ننگی ہونگیں'' اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ ان کے جسم پر کپڑا تو ہوگا لیکن اتنا باریک ہوگا کہ ان کا جسم اس میں سے نظر آرہا ہوگا، یہ بات بھی آج ہمارے معاشرے کے اندر عام ہے، عورتوں کے جسم پر اتنا باریک لباس ہوتا ہے کہ ان کے جسم کا کوئی گوشہ چھپا ہوا نہیں ہوتا، پیٹ، پیٹھ، سرین، رانیں، پنڈلیاں بھی نمایاں ہوتی ہیں۔ آجکل

گرمیوں میں لان کا کپڑا عام طور پر استعمال ہوتا ہے، یہ ایسا باریک کپڑا ہے جو نام کا کپڑا ہے مگر اس سے جسم کی ستر پوشی نہیں ہوتی جو کپڑے کا اصل مقصد ہے، خواتین کو یاد رکھنا چاہئے کہ ایسا باریک لباس پہننا جس میں جسم جھلکے، جائز نہیں ہے، یہ موجب لعنت کام ہے اور یہ اہلِ جہنم کی عورتوں کا طریقہ ہے، یہ جنتی عورتوں کا طریقہ نہیں ہے، جنتی عورتوں کا طریقہ یہی ہے کہ ان کا لباس اتنا ڈھیلا ڈھالا ہو کہ جسم کے مخصوص اعضاء کی بناوٹ نمایاں اور واضح نہ ہو۔

لیکن اگر باریک کپڑا پہننے کا شوق ہو تو اس کے اندر مکمل پوری آستین والی شمیز پہنی جائے یا بنیان استعمال کیا جائے اور شلوار کے اندر دوسرا کپڑا استر کو طور پر لگایا جائے، اس طرح باریک کپڑا پہننا جائز ہو جائے گا۔ اگر عمل کرنا چاہیں تو حل موجود ہے، عمل نہ کرنے والے کے لئے بہانے ہزار ہیں۔

تو ہی اگر نہ چاہے تو بہانے ہزار ہیں

عمل کرنے والے ہی نہیں ہیں ورنہ حل تو موجود ہے، عمل کرنے والوں کے لئے حل موجود ہے اور بہانہ کرنے والوں کے لئے سو حل بھی کم ہیں۔

چھ آدمیوں پر اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت

ایک حدیث میں نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چھ افراد ایسے ہیں جن پر میں نے لعنت کی ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی لعنت کی ہے اور نبی مستجاب الدعوات ہوتا ہے۔ مستجاب الدعوات کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے، چونکہ اللہ کا نبی معصوم ہوتا ہے اس لئے وہ جو بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتا ہے وہ دعا قبول ہو جاتی ہے۔ آپ کے فرمانے کا منشاء یہ ہے کہ میں نے چونکہ ان چھ افراد پر لعنت کی ہے اور لعنت کرنا ایک بددعا ہے تو میں چونکہ نبی ہوں اور ہر نبی کی دعا قبول ہوتی ہے لہٰذا میری یہ بددعا بھی

قبول ہو چکی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ آپ نے یہ بھی فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ نے بھی ان چھ آدمیوں کے اوپر لعنت کی ہے اور وہ چھ آدمی یہ ہیں۔

''قرآن کریم میں تحریف کرنا'' موجب لعنت عمل ہے

نمبر ایک: قرآن کریم کے اندر اضافہ اور زیادتی کرنے والا یعنی قرآن شریف کے اندر تحریف اور اس میں کمی بیشی کرنے والے پر بھی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کے اندر تحریف کرنے کے گناہ میں کیا شک ہو سکتا ہے، وہ کیسے حلال اور جائز ہو سکتی ہے، حرام اور ناجائز ہی ہے اور بلا شبہ اس کے اوپر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت ہے۔

قرآن چھاپنے والے صحیح قرآن چھاپیں

جو لوگ قرآن شریف چھاپتے ہیں اگرچہ قرآن شریف چھاپنا تو اپنی جگہ درست ہے لیکن اس بات کا بڑا اہتمام کرنا چاہئے کہ اس کے اندر غلطیاں نہ ہوں، قرآن و حدیث کے علاوہ کسی اور کتاب میں اگر تھوڑی بہت غلطی ہو جائے تو وہ قابلِ گوارہ ہو سکتی ہے لیکن قرآن کریم کے اندر زبر زیر کی غلطی بھی قابلِ معافی نہیں ہے۔ آجکل بہت سے لوگ قرآن شریف چھاپتے ہیں اور اپنی تجارت کے پیشِ نظر قرآن شریف کے صحیح لکھنے کا اہتمام نہیں کرتے، کہیں کوئی آیت رہ گئی، کہیں کوئی لفظ رہ گیا، کہیں کوئی جملہ رہ گیا، بعض میں سورتیں ہی غائب ہیں، ہمارے سامنے اس قسم کی مثالیں آتی رہتی ہیں، سستا چھاپنے کے لئے، جلدی چھاپنے کے لئے، کام چلتا کرنے کے لئے اللہ کے کلام کے ساتھ یہ زیادتی کرتے ہیں، یہ دراصل قرآن شریف کے ساتھ زیادتی اور ظلم نہیں ہے بلکہ اپنی جان پر زیادتی اور ظلم ہے، اس سے اللہ تعالیٰ کا کلام تو مٹے گا نہیں لیکن ایسی غلطی

کرنے والا مٹ جائیگا، وہ تباہ وبرباد ہو جائے گا۔ اگرچہ یہ کتابت کی غلطیاں ہوتی ہیں مگر اس کے اندر چھاپنے والوں کی بے توجہی کا بڑا دخل ہے، لہٰذا جب کوئی قرآن شریف چھاپنا چاہے تو وہ سب سے پہلے اس ذمہ داری کو اپنے سر پر لے کہ قرآن شریف بالکل صحیح صحیح چھاپا جائے اور اس کو اسی طریقہ سے لکھوایا جائے جس طرح حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کلام پاک لکھوایا تھا، قرآن شریف میں کمی بیشی کرنے والوں پر اللہ اور اس کے رسول کی لعنت ہے۔

''اقتدار پر زبردستی قبضہ کرنا'' موجب لعنت عمل ہے

نمبر دو: وہ لوگ جو اقتدار پر زبردستی قبضہ کرلیں اور قبضہ کرنے کے بعد جو عزت دار لوگ ہوں ان کو ذلیل کریں اور جو ذلیل ہوں ان کو عزت دیں اور ان کو عہدے اور منصب سے نوازیں۔ یعنی اقتدار پر ناحق اور جبراً قبضہ کرنے کے بعد اب حکومت میں ایسے لوگوں کو عہدے اور منصب دیں جو نااہل ہیں اور جو اہل ہیں ان کو فراموش کردیں۔ آجکل یہی ہورہا ہے اور ہمارے ملک میں یہی کھیل کھیلا جارہا ہے، بچپن سے اب تک یہی دیکھتے ہوئے آرہے ہیں کہ یہاں پر اچانک ایک شخص راتوں رات منٹوں سیکنڈوں کے اندر اقتدار پر قبضہ کرلیتا ہے اور اقتدار پر قابض ہونے کے بعد وہ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے، اندھیر نگری چوپٹ راج کا قانون چلتا ہے، یہ سب اسی دائرے کے اندر آتے ہیں۔

''تقدیر کا انکار'' موجب لعنت عمل ہے

نمبر تین: وہ لوگ جو تقدیر کا انکار کرنے والے ہیں، جو لوگ تقدیر کا انکار کرتے ہیں ان پر بھی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت ہے۔ تقدیر پر ایمان لانا ان چیزوں میں سے ہے جس کے بغیر آدمی کا ایمان ہی مکمل نہیں ہوتا

جیسے اللہ پر ایمان لانا، اللہ کے رسولوں پر ایمان لانا، اللہ تعالیٰ کی کتابوں پر ایمان لانا، آخرت کے دن پر ایمان لانا، ضروری ہے ایسے ہی ہر مسلمان مرد و عورت کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس بات پر ایمان رکھے کہ اس کی تقدیر میں اللہ پاک نے جو کچھ لکھا ہے وہ برحق لکھا ہے اور جو کچھ اس کے ساتھ اچھا یا برا ہوتا ہے سب تقدیر کے مطابق ہوتا ہے۔ تقدیر اللہ پاک نے اپنی حکمت اور مصلحت سے لکھی ہے اور جو کچھ ہوتا ہے سب تقدیر کے مطابق ہی ہوتا ہے، لہٰذا جو شخص تقدیر کا انکار کرے گا اس پر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت ہے۔ پہلے زمانے میں بعض فرقے ایسے گزرے ہیں جو تقدیر کا انکار کرتے تھے، ان میں ایک فرقہ ''قدریہ'' نام کا تھا جو تقدیر کا انکار کرتا تھا۔

انسان کے ''مجبورِ محض'' ہونے کا عقیدہ، احمقانہ عقیدہ ہے

ایک فرقہ ''جبریہ'' تھا، ان کا یہ عقیدہ تھا کہ انسان مجبورِ محض ہے، انسان کچھ نہیں کرسکتا، جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ ہی کرتے ہیں، انسان کو کسی چیز کا اختیار ہی نہیں ہے، بس انسان ایسا ہے جیسے دیوار، درخت، پتھر کہ جب چاہے پتھر ہٹادو اور جب چاہے رکھدو، پتھر کچھ بولے گا نہیں، جہاں سے چاہے درخت کو کاٹ دو، جس طرح چاہے چھیل دو اور جس طرح چاہے اس کے ساتھ سلوک کرلو، وہ کچھ بول نہیں سکتا، بس انسان بھی ایسے ہی ہے، یہ کتنا احمقانہ عقیدہ ہے، آج بھی بعض لوگ تقدیر کا مسئلہ سننے کے بعد یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری تقدیر میں جو کچھ لکھا ہے اب تو ویسے ہی ہوگا لہٰذا ہم کیوں نماز پڑھیں، کیوں روزہ رکھیں اور ہم کیوں گناہ چھوڑیں، یہ بھی گمراہی ہے اور بالکل غلط ہے۔

انسان ہر کام اپنے اختیار سے کرتا ہے

یاد رکھیں! تقدیر کی وجہ سے کوئی شخص مجبور نہیں ہے اس لئے کہ تقدیر میں

یہ لکھا ہوتا ہے کہ یہ شخص اپنے اختیار سے نماز پڑھے گا، اپنے اختیار سے روزے رکھے گا، اپنے اختیار سے فلاں گناہ سے بچے گا، تو پھر یہ شخص مجبور کہاں ہوا، جو کچھ کرر ہا ہے اپنے اختیار سے کرر ہا ہے، ہمارے اندر اختیار بھی موجود ہے، ہم میں سے ہر آدمی ہر وقت بااختیار ہے، چاہے تو نماز پڑھے اور چاہے تو نماز نہ پڑھے، لہٰذا تقدیر کی وجہ سے انسان کا اختیار کہاں ختم ہوا، اختیار تو موجود ہے اور جب موجود ہے تو اسی وجہ سے مکلّف ہے، لہٰذا حکم ہے کہ نماز پڑھو، روزے رکھو اور موجب لعنت کاموں سے اپنے آپ کو بچاؤ، انسان مجبور کہاں ہے، اگر ایسا ہی مجبور سمجھتے ہو تو کماتے کیوں ہو، سب کے سب گھر بیٹھ جاؤ اور بازار کھولنے کی ضرورت ہی نہیں، ملازمت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، زراعت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، دکان پر جانے کی کوئی ضروزت نہیں، روزی جو مقدر ہے وہ گھر میں آجائیگی، جب یہ مثال دی جاتی ہے تو لوگوں کو فوراً سمجھ میں آجاتی ہے کہ نہیں نہیں، کمانا بھی ضروری ہے، جب کمانا ضروری ہے تو پھر نماز پڑھنا کیوں ضروری نہیں ہے، پھر گناہ سے بچنا کیوں ضروری نہیں ہے، جیسے رزق تقدیر میں لکھا ہوا ہے ایسے ہی نماز بھی تقدیر میں لکھی ہوئی ہے، روزہ بھی تقدیر میں لکھا ہوا ہے، گناہوں سے بچنا بھی تقدیر میں لکھا ہوا ہے لہٰذا جیسے تم روزی کمانے کے لئے جاتے ہو اور تقدیر پر بھروسہ کر کے نہیں بیٹھتے، ایسے ہی یہاں پر بھی بھروسہ مت کرو، مسجد میں بھی جاؤ اور نیک کام بھی کرو، برے کاموں سے بھی بچو اور باعث لعنت کاموں سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ پس تیسرا شخص وہ ہے جو تقدیر کا انکار کرنے والا ہو، اس پر بھی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت ہے۔

”حرام کو حلال سمجھنا“ موجب لعنت عمل ہے

نمبر چار: وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال سمجھے، اس پر بھی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت ہے۔ یاد رکھیں! آدمی جب

تک حرام کو حرام سمجھتا رہے اور اپنی نالائقی کی وجہ سے یا اپنی کمزوری کی وجہ سے وہ گناہ اس سے ہوتا رہے وہ قابلِ معافی ہے، لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ سود حلال ہے، اس کے حرام ہونے کا کس نے کہا ہے؟ تو یہ حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے، بس جہاں اس نے حرام کو حلال سمجھا، اسی وقت اس کے ایمان کا طوطا اڑ گیا اور وہ کافر ومرتد ہوگیا اور واجب القتل ہوگیا اور اس کی آخرت میں سزا یہ ہے کہ ہمیشہ جہنم کے اندر رہے گا، اس لئے حرام کا حلال سمجھنا بڑا سنگین گناہ ہے، اس سے فوراً بچنا چاہئے، اگر آدمی گناہ کر رہا ہے تو کم از کم اس گناہ کو گناہ سمجھے، اللہ تعالیٰ کے سامنے اقراری مجرم بنتا رہے، معافی مانگتا رہے، نہیں بچ سکتا تو اپنی کمزوری کا اظہار کرے کہ یا اللہ! میں کمزور ہوں، ماحول سے متاثر ہو جاتا ہوں جس کی بناء پر میں یہ گناہ کر بیٹھتا ہوں، یہ ساری باتیں ایسی ہیں کہ کسی نہ کسی درجے میں اس کی معافی کا ذریعہ بن سکتی ہیں لیکن حرام کو حلال سمجھنا بڑا ہی سنگین گناہ اور موجبِ لعنت کام ہے۔

''سنتِ مؤکدہ چھوڑنا'' موجبِ لعنت عمل ہے

نمبر چھ: وہ آدمی ہے جو سنتِ مؤکدہ کو چھوڑ دے۔ یہ بڑی قابلِ غور بات ہے، اب اس کی تشریح کا تو وقت نہیں ہے لیکن میں اتنی بات عرض کردوں کہ جو سنتیں شریعت کے اندر بڑی اہم اور تاکید والی ہیں، ان کو اگر آدمی چھوڑ دیگا تو اس پر بھی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت ہے، مثال کے طور پر اذان ایک سنت ہے اور سنتِ مؤکدہ ہے، اسلام کی علامتوں اور نشانیوں میں سے ہے، اقامت بھی ایک اہم شریعت کا حکم اور سنتِ مؤکدہ میں سے ہے، ایسے ہی مردوں کا داڑھی رکھنا بھی انہی اہم سنتوں میں سے ہے اور ایک مٹھی سے کم کترواکر چھوٹی رکھنا یا منڈھوانا یہ بھی گناہ ہے، ایسے ہی فجر کی سنتیں اور ظہر کی سنتیں بھی اہم ہیں اور سنتِ مؤکدہ ہیں، ختنہ کروانا یہ بھی سنتِ مؤکدہ ہے اور اسلام کی

اہم سنتوں میں سے ہے، جو آدمی ان کو چھوڑے گا، اس پر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت ہے۔ تفصیل کا تو وقت نہیں ہے لیکن میں نے کچھ مثالیں بیان کردی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے سامنے اقراری مجرم بنیں

لہٰذا ہمیں اس پر غور کرنا چاہئے کہ اگر ہم سے کوئی اہم سنت چھوٹ رہی ہے تو اس سے توبہ کریں اور اس کو اپنے عمل میں لائیں اور اگر فوری طور پر اس کو اپنے عمل میں نہیں لا رہے تو کم از کم گناہ کو گناہ سمجھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے سامنے اقراری مجرم تو بنیں اور ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرتے رہیں کہ یا اللہ! میں اس سنت کو زندہ کرنا چاہتا ہوں اور اپنے عمل میں لانا چاہتا ہوں مگر میں ایسا کمزور ہوں کہ مجھ سے اس پر عمل نہیں ہوتا، آپ میری مدد فرمادیجئے، میرے ایمان کو قوی فرمادیجئے اور میرے دل کو مضبوط کردیجئے اور اس پر عمل کی توفیق دے دیجئے، میں اپنے جرم کا اقرار کرتا ہوں اور میں آپ سے معافی چاہتا ہوں۔ اقراری مجرم بنا رہیگا اور اللہ پاک سے توفیق مانگتا رہے گا تو انشاء اللہ تعالیٰ ایک نہ ایک دن اس کے ایمان میں قوت آجائیگی اور اس کو ضرور ایسی توفیق ملے گی کہ وہ سنتوں پر عمل کرنے والا بن جائیگا، اللہ پاک اپنے فضل وکرم سے لعنت والے کاموں سے بچنے کی توفیق دے۔

کسی بھی جاندار اور بے جان پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے

اب آخر میں ایک بات اور عرض کرنی ہے اور وہ یہ ہے کہ میں نے شروع میں عرض کیا تھا کہ لعنت کے معنی ہیں، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور، اللہ تعالیٰ کی مدد سے محروم، اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت اور نظر کرم سے محروم، تو جب یہ لعنت اتنی خراب چیز ہے تو یاد رکھنا چاہئے کہ ہمیں بھی کسی انسان پر اور انسانوں میں کسی

کافر پر بھی جس کے کفر پر مرنے کا یقین نہ ہو، اس پر بھی لعنت کرنے کی اجازت نہیں ہے یہاں تک کہ کسی جانور اور بے جان چیز پر بھی لعنت کرنے کی اجازت نہیں ہے، یہ میں اس لئے عرض کررہا ہوں کہ بے چاری بعض خواتین ایسی ہوتی ہیں کہ وہ جب کسی سے ناراض ہوجاتی ہیں یا ان کو کوئی ستاتا ہے تو وہ لعنت کا دروازہ کھول دیتی ہیں اور پھر جو وہ لعنتیں دینا شروع کرتی ہیں تو اللہ بچائے اللہ بچائے دیتی ہی رہتی ہیں، یہ بالکل ہی غلط طریقہ ہے، کسی پر کتنا ہی غصہ آجائے یا کسی سے کتنی ہی ناراضگی ہوجائے، مگر اس پر لعنت نہ کریں، اس لئے کہ لعنت تو بہت ہی خطرناک چیز ہے اور حدیث شریف میں اس کے بارے میں یہ آتا ہے کہ جب کوئی کسی کے اوپر لعنت کرتا ہے تو لعنت سب سے پہلے آسمان پر جاتی ہے لیکن آسمان کے دروازے اس پر بند ہوجاتے ہیں، جب آسمان پر کوئی دروازہ کھلا ہوا نہیں ملتا تو وہ لعنت آسمان سے واپس زمین پر آتی ہے زمین کے دروزے بھی اس کو بند ملتے ہیں، پھر وہ لعنت دائیں اور بائیں گھومتی ہے کہ کہیں مجھ کو جگہ ملے تو میں وہاں جاکر پڑجاؤں، لیکن دائیں بائیں بھی اس کو کہیں جگہ نہیں ملتی جہاں جاکر وہ لعنت پڑے، پھر وہ اس شخص کے اوپر آتی ہے جس پر وہ لعنت کی گئی تھی اور دیکھتی ہے کہ وہ لعنت کا مستحق ہے یا نہیں، اگر وہ مستحقِ لعنت ہے تو وہ لعنت اس کے اوپر پڑجاتی ہے اور اگر وہ مستحقِ لعنت نہیں ہے اور لعنت کرنے والے نے غلط لعنت کی ہے تو وہ اس کے اوپر سے ہٹ کر لعنت کرنے والے کے اوپر پڑجاتی ہے۔ العیاذ باللہ، لعنت دوسرے پر کی تھی مگر خود لعنت کرنے والے پر پڑگئی اور اپنے اوپر لعنت پڑجانا کتنی خطرناک اور خوفناک بات ہے، اس لئے اگر کسی کی لعنت دینے کی عادت ہے تو اس کو اس کے بچنا چاہئے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو لعنت کرنے سے بھی بچائے اور موجبِ لعنت کاموں سے بھی ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

سیرتِ طیبہ کا بنیادی مقصد اور سیرت کے مروجہ جلسے

حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی دامت برکاتہم
نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

ضبط و ترتیب
حبیب اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
دکان نمبر ۲۹، نایاب جامع مسجد، لیاقت آباد کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد بیت المکرّم

: گلشن اقبال کراچی

وقت خطاب : بعد نماز عصر تا مغرب

اصلاحی بیانات : جلد نمبر ۱۰

سیرتِ طیبہ کا بنیادی مقصد اور سیرت کے مروجہ جلسے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کثیراً۔

اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ وَمَنْ یَّلْعَنِ اللّٰہُ فَلَنْ تَجِدَ لَہٗ نَصِیْرًا ۝

وَقَالَ تَعَالٰی مَلْعُوْنِیْنَ اَیْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا ۝

صدق اللّٰہ العظیم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک عظیم شان

میرے قابلِ احترام بزرگو! اس وقت میں نے آپ کی خدمت میں سورۂ قلم کی ابتدائی چند آیات تلاوت کی ہیں، ان آیات میں اللہ جل شانہٗ نے محبوبِ کائنات، سردارِ دوجہاں، رحمۃ للعالمین، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک عظیم شان کا ذکر فرمایا ہے، بیان کرنے والے اللہ جل شانہٗ ہیں اور شان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کر رہے ہیں اور بیان کرنے کا اصل مقصد امتِ محمدیہ کو یہ بتانا ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے اپنے محبوب اور اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس عظیم شان کے ساتھ اس لئے آراستہ فرمایا ہے کہ چونکہ وہ تمہارے نبی اور پیغمبر ہیں اور تمہارے اندر مبعوث ہوئے ہیں لہٰذا جس طرح تمہیں ان پر ایمان لانے کا حکم ہے، اسی طرح ان کے اعمال کو اپنانے کا بھی حکم ہے اور جس طرح تم کو اللہ جل شانہٗ نے قرآن کریم جیسی عظیم الشان کتاب عطا فرمائی ہے، اسی طرح تم کو عظیم الشان نبی بھی عطا فرمایا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کی عملی شکل ہیں اور چلتا پھرتا قرآن کریم ہیں، آپ کے اخلاق و اعمال عین قرآن کریم کے مطابق ہیں تو جس طرح اس عظیم الشان کتاب کی پیروی کرنے کا حکم ہے اور اس کے احکام پر عمل کرنے کی تاکید ہے، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور تابعداری کا بھی حکم ہے۔

قرآن اور حضور ﷺ کے نقش قدم کو اپنانے میں کامیابی ہے

جس شخص نے بھی چاہے وہ مرد ہو یا عورت، ان دونوں عظیم چیزوں کو تھام لیا یعنی قرآن کریم کی تابعداری اختیار کر لی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم کو اپنا لیا، اس کی کامیابی یقینی ہے، اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا بھی نصیب ہوگی، اللہ تعالیٰ کا قرب بھی عطا ہوگا، اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت بھی حاصل ہوگی،

رحمتیں، برکتیں، راحتیں، عافیتیں بھی حاصل ہونگی، اللہ پاک نے اپنے بندوں کو جن جن نعمتوں سے سرفراز فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے وہ سارے وعدے پورے ہونگے اور دنیا وآخرت میں فلاح وکامرانی نصیب ہوگی، اللہ پاک ہمیں ان دونوں عظیم چیزوں کو اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا ذکر باعثِ ثواب ہے

ان آیات میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جس عظیم الشان صفت کا ذکر ہے وہ آپ کا خلقِ عظیم ہے، اللہ پاک خود فرما رہے ہیں کہ آپ عظیم الشان اخلاق کے مالک ہیں اور آپ اخلاق کے عظیم مقام پر فائز ہیں۔ آپ کے اخلاق کی مختلف صورتیں اور شکلیں قرآن وحدیث کے اندر مذکور ہیں اور علماءِ کرام اور بزرگانِ دین اپنے اپنے علم اور اپنی اپنی بساط واستعداد کے مطابق موقع بموقع ان کو بیان کرتے رہتے ہیں، تقریروں میں بھی بیان کرتے رہتے ہیں، اپنے خطابات میں بھی ذکر کرتے رہتے ہیں، مضامین کے اندر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانیں بیان ہوتی رہتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا تذکرہ بڑا ہی باعثِ اجر وثواب ہے، آج بھی انشاء اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک منفرد شان کا تھوڑا سا ذکر ہوگا۔

حضور ﷺ کی سیرت کے تذکرہ سے مقصودِ اصلی عمل ہے

پہلے بنیادی مقصد سمجھ لیں کہ بیشک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانوں کا تذکرہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ اخلاق کا تذکرہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اچھی اچھی عادات اور پیاری پیاری خصلتوں کا تذکرہ باعث اجر وثواب ہے لیکن محض تذکرہ مقصود نہیں جیسے قرآن شریف کا خالی پڑھنا باعث اجر وثواب ہے لیکن مقصودِ اصلی نہیں ہے بلکہ اصلی مقصد اس کی پیروی ہے، اسی طرح حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کے حسنِ اخلاق کا محض تذکرہ مقصودِ اصلی نہیں ہے اگرچہ تذکرہ کے نافع، مفید اور باعثِ اجر ہونے میں کوئی شک نہیں ہے لیکن مقصودِ اصلی صرف تذکرہ نہیں ہے بلکہ اس تذکرے سے عمل مقصود ہے کہ ہمارے آقا سرکارِ دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جب کسی شان کا تذکرہ ہو تو اس تذکرے کو یاد بھی رکھیں اور یاد کرنے کے ساتھ ساتھ حسبِ موقع عمل کرنے کی فکر کریں، یہ اصل مقصد ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک کے تذکرے کا بھی اصل مقصد یہی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا تذکرہ رسم کے طور پر رہ گیا ہے

اس مقصد کو بیان کرنا اس لئے ضروری ہے کہ آجکل ہر کام رسمی ہے چنانچہ سرکارِ دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ، آپ کے حسنِ اخلاق، حسنِ اعمال، حسنِ کردار کا تذکرہ بھی ایک رسم کے طور پر ہی رہ گیا ہے اور وہ بھی سال کے بارہ مہینوں میں سے صرف ربیع الأول کے مہینے میں اور ربیع الأول کے مہینے میں بھی یکم ربیع الأول سے بارہ ربیع الأول تک رہ گیا ہے، یکم ربیع الأول سے لے کر بارہ ربیع الأول تک رات دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ہوتا رہتا ہے، کہیں نعتیں ہو رہی ہیں تو کہیں عید میلاد النبی کے نام پر جلسے ہو رہے ہیں، جلوس نکل رہے ہیں، ان جلسوں میں نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک کا ہوتا ہے اور تذکرہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات واطوار کا ہوتا ہے لیکن عمل ایک فیصد بھی نہیں۔

ربیع الأول کے مروجہ جلسوں کی قباحتیں

ان جلسوں، جلوسوں، مجلسوں اور محفلوں میں وہ سارے کام ہو رہے ہوتے ہیں جن کو قرآنِ کریم نے بھی حرام اور ناجائز قرار دیا ہے اور خود سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ناجائز اور ممنوع قرار دیا ہے۔

عورتوں کا بے پردہ نکلنا

مثلاً عورتوں کا بے پردہ نکلنا، قرآن وحدیث اس کی ممانعت سے بھرے ہوئے ہیں، عورتوں پر پردہ کرنا فرض ہے جیسے نماز پڑھنا فرض ہے لیکن ربیع الأول کے مہینے میں جلسوں، جلوسوں اور محفلوں کے اجتماعات میں کس قدر بے پردہ عورتوں اور مردوں کا مخلوط اجتماع جگہ جگہ نظر آتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر جمع ہیں لیکن اللہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے بالکل خلاف عمل کر رہے ہیں۔

راستوں کا بلاک کرنا

اسی طرح جلسوں اور جلوسوں کے دوران راستے بلاک ہو جاتے ہیں حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو لوگوں کو تکلیف سے بچانے کا حکم دیتے رہے ہیں، ساری زندگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکلیفیں برداشت کیں لیکن کسی کو کبھی کوئی تکلیف نہیں پہنچائی نیز قرآن وحدیث تکلیف نہ پہنچانے کی تاکید سے بھرے ہوئے ہیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام ہی پر روڈ بلاک کر کے آنے جانے والوں کو طرح طرح کی تکالیف کے اندر مبتلا کیا جاتا ہے، ٹریفک جام ہو جاتا ہے، کئی کئی گھنٹے لوگ کھڑے رہتے ہیں کہ جلوس گزر جائے تو ہمیں راستہ ملے، یہ عمل قرآنِ کریم اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے بالکل خلاف ہے۔

لاؤڈ اسپیکر کا بلند آواز سے استعمال

پھر رات گئے تک جلسوں میں لاؤڈ اسپیکروں پر نعتیں اور تقریریں اتنی بلند آواز سے ہوتی ہیں کہ جس علاقے میں جلسہ ہو رہا ہو، اس علاقے میں کوئی شخص سو نہیں سکتا، کوئی شخص آرام نہیں کر سکتا، کوئی شخص پڑھ نہیں سکتا، اگر وہاں پر کوئی بیمار ہو تو اس کی بیماری بھی دگنی ہو جاتی ہے۔

دوسروں کو تکلیف دینا جائز نہیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ کر رہے ہیں اور سیرت کے نام پر جلسہ کر رہے ہیں تو کم از کم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات تو دیکھیں، ان کی تعلیمات میں یہ بھی ہے کہ دوسرے لوگوں کو ہرگز ہرگز تکلیف مت دیں، یہاں تک کہ اگر قرآن شریف پڑھنے سے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے سے کسی شخص کی نیند میں خلل آتا ہو یا کسی شخص کے آرام میں خلل آتا ہو تو ہمارے دین میں قرآن شریف پڑھنے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے، رمضان شریف میں جو خالص عبادت کا مہینہ ہے اور آخری عشرہ جو یکسوئی سے اعتکاف کے اندر عبادت اور ذکر واذکار کرنے کا عشرہ ہے، اس حالتِ اعتکاف کے اندر بھی کسی معتکف کو یہ جائز نہیں کہ وہ قرآن شریف کی تلاوت یا اللہ کا ذکر اس طرح کرے کہ برابر میں دوسرے معتکف کے آرام میں خلل آئے یا دوسرے معتکف کے قرآن شریف پڑھنے یا ذکر کرنے میں خلل آئے یا اس کے مطالعہ کرنے میں خلل آئے حالانکہ رمضان شریف کا مہینہ چوبیس گھنٹے عبادت کا مہینہ ہے اور آخری عشرہ تو ہے ہی اسی لئے کہ اس میں اعتکاف کیا جائے اور اعتکاف کے اندر سوائے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے اور کوئی کام نہ کیا جائے لیکن اس کے باوجود بھی دوسروں کا اتنا خیال کرنے کا حکم ہے کہ تمہاری عبادت، ذکر واذکار، تلاوت وتسبیح یا دعا کرنے سے کسی دوسرے نمازی کو یا معتکف کو کوئی تکلیف نہ پہنچے، اگر پہنچے تو حرام ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا یہی خلاصہ ہے لیکن ہم سیرت کے جلسوں میں راستہ بند کر کے بیٹھے ہوئے ہیں، نہ کوئی آسکتا ہے اور نہ کوئی جا سکتا ہے۔

سیرت کے جلسوں کے لئے بجلی چوری کرنا

پھر ان جلسوں اور جلوسوں میں چوری کی بجلی بھی استعمال ہوتی ہے، کنڈا

لگا یا ہوا ہوتا ہے، ہزار ہزار پاور کے بے تحاشہ اور بے حساب برقی قمقمے لگے ہوئے ہوتے ہیں یہاں تک کہ جلسہ ایک کلومیٹر کے اندر ہو رہا ہوتا ہے مگر روشنی پانچ کلومیٹر تک کی ہوتی ہے کیونکہ اپنی جیب سے تھوڑا ہی جا رہا ہے، گناہ در گناہ اور حرام در حرام۔ بتائیں! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر جلسہ ہو رہا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نعتیں پڑھی جا رہی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصافِ حمیدہ بیان کئے جا رہے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک کا تذکرہ ہو رہا ہے اور بجلی چوری کی استعمال کی جا رہی ہے تو کیا معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چوری کا حکم دیا ہے، حالانکہ قرآنِ کریم چوری کی حرمت پر واضح طور پر اپنے اندر احکام رکھے ہوئے ہے، چوری کو حرام قرار دے رہا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی چوری کو حرام قرار دیا ہے یہاں تک کہ آپ نے چوروں کے ہاتھ بھی کاٹے ہیں، اللہ تعالیٰ کا حکم جاری کیا ہے، حد جاری فرمائی ہے، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو چوری کو حرام قرار دے رہے ہیں اور امتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک کے جلسوں کے لئے بجلی کی چوری کر رہے ہیں۔

سیرت کے جلسوں میں اسراف

پھر سیرت کے جلسوں میں اسراف بھی ہوتا ہے حالانکہ قرآنِ کریم اسراف کی مذمت سے بھرا ہوا ہے کہ اسراف سے بچو، فضول خرچی مت کرو کیونکہ فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور سرکارِ دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہیں کہ سمندر یا دریا کے کنارے بھی بیٹھ کر وضو کرنے کے دوران پانی استعمال کرنے میں اسراف نہ کرو یعنی اگر ایک عضو کو تین دفعہ دھونے کا حکم ہے تو بلا وجہ اس کو چار مرتبہ مت دھوؤ کیونکہ چوتھی مرتبہ دھونا اسراف و تبذیر اور فضول خرچی ہے جس کی ممانعت ہے، حالانکہ وہ پانی جو استعمال کیا ہے وہ دوبارہ سمندر اور دریا میں ہی گریگا پھر بھی اسراف میں داخل ہوتا ہے

اور نا جائز ہے۔ ظاہر میں کوئی بڑا خرچ نہیں لیکن اس کے باوجود ممانعت ہے تو یہ جو سینکڑوں یونٹ بجلی ساری رات یونہی پھونک دی جاتی ہے اس کو کیسے جائز کہا جاسکتا ہے لیکن سیرت کے نام پر ہر وہ کام کیا جارہا ہے جو دراصل سیرت کے خلاف ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور ان کے عمل کے خلاف ہے اور یہ چیزیں عام ہیں، کوئی اس کو سمجھنے والا نہیں ہے الّا ماشاء اللہ، اس لئے ضروری ہے کہ ہم جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی شان پڑھیں اور سنیں تو اس کا مقصد سب سے پہلے ذہن نشین کرلیں اور اس کا مقصد یہی ہے کہ ہمیں بھی پھر اسی کے مطابق عمل کرنا ہے۔

حسنِ اخلاق کی بنیادیں

مذکورہ آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم الشان صفت ''خلق عظیم'' بیان فرمائی گئی ہے، اللہ پاک فرمارہے ہیں کہ آپ عظیم اخلاق کے مالک ہیں، آپ خلقِ عظیم اور حسنِ اخلاق میں سب سے زیادہ ممتاز ہیں، اللہ پاک نے اس میں آپ کی خصوصی شان بیان فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی آپ کے جیسے اخلاق اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ حسنِ اخلاق کی بنیادیں تین چیزیں ہیں۔

حسنِ اخلاق کی پہلی بنیاد

پہلی بنیاد یہ ہے کہ ہر مسلمان مرد وعورت کو اس بات کی عادت ڈالنی چاہئے کہ جب وہ کسی دوسرے مسلمان سے ملے تو مسکرا کر ملے، خندہ پیشانی کے ساتھ ملے، مسکرا کر ملے، بغیر مسکرائے نہ ملے، یہ نہیں ہونا چاہئے کہ دو مسلمان آپس میں ملیں اور ملتے ہوئے ذرا برابر بھی چہرے پر مسکراہٹ نہ ہو، ایسا لگے کہ ایک پتھر دوسرے پتھر سے مل رہا ہے یا جیسے اللہ بچائے تکبر والوں کا حال ہوتا ہے

کہ مسکراہٹ تو چہرے پر کیا ہوگی بلکہ الٹا منہ پھلا کر ملتے ہیں، یہ بداخلاقی اور بدتمیزی ہے، اس کا حسنِ اخلاق سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ حسنِ اخلاق میں بنیادی بات یہ ہے کہ آدمی جب کسی سے ملے تو خندہ پیشانی سے ملے اور مسکرا کر ملے، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی شان احادیثِ طیبہ کے اندر بالکل واضح بیان کی گئی ہے کہ آپ ہمیشہ باتبسم رہتے تھے، ہمیشہ چہرے پر مسکراہٹ کھلتی رہتی تھی، کسی سے ملتے تھے تو مسکرا کر ملتے تھے، کبھی کبھی ہنستے بھی تھے، ہنستے کم تھے لیکن مسکراتے زیادہ تھے۔

حسنِ اخلاق کی دوسری بنیاد

دوسری بنیاد یہ ہے کہ ہر شخص اپنے مال کو اپنے اوپر اور اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنے میں تنگی نہ کرے، اللہ پاک نے جیسی بھی استطاعت عطا فرمائی ہے، اس استطاعت کے مطابق سب سے پہلے اپنے اوپر پھر اپنے گھر والوں پر مال پر خرچ کرے، بچا بچا کے نہ رکھے کہ نہ خود کھائے اور نہ گھر والوں کو کھانے دے، خود بھی تکلیف میں رہے اور گھر والوں کو بھی تکلیف میں رکھے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے سب کچھ دے رکھا ہے، اچھا کماتا ہے، اللہ تعالیٰ نے مالی طور پر اچھا بنایا ہے، آرام سے کھا سکتا ہے اور اپنے گھر والوں کو کھلا سکتا ہے لیکن نہ خود کھاتا ہے اور نہ اپنے گھر والوں کو کھلاتا ہے، ایسا نہ کرے بلکہ ہر شخص اپنی اپنی حیثیت کے مطابق جہاں تک ہو سکے اپنے اوپر بھی اس مال کو خرچ کرے اور اپنے گھر والوں پر بھی فراخی کے ساتھ مال خرچ کرے تاکہ ان کی جملہ ضروریات بآسانی پوری ہوں، خواہ کھانے پینے سے متعلق ہوں یا پہننے سے متعلق ہوں، انہیں کوئی تکلیف نہ ہو کہ وہ کہیں کہ ہمارے شوہر بخیل ہیں، کنجوس ہیں، پیسے خرچ نہیں کرتے، دل اتنا فراخ ہونا چاہئے کہ جو کچھ کمایا ہے، حسبِ توفیق اپنے گھر والوں کے ساتھ سہولت کا معاملہ کرے۔ یہاں بھی یاد رکھیں کہ اسراف یہاں بھی منع اور ناجائز ہے،

یہاں بھی اعتدال رکھے اور اعتدال کے ساتھ قدرے فراخی کا معاملہ کرے نیز خلافِ شرع کاموں اور چیزوں کی خریداری میں پیسے خرچ نہ کرے۔

حسنِ اخلاق کی تیسری بنیاد

تیسری بنیاد یہ ہے کہ گھر سے باہر والے جتنے افراد ہیں، چاہے وہ عزیز واقارب ہوں اور چاہے وہ دوست احباب ہوں، چاہے وہ عام مسلمان ہوں، ان کے ساتھ حسبِ استطاعت سخاوت کا معاملہ رکھے اور دوسروں کی ایذاؤں پر صبر کرے اور اپنی طرف سے ان کے لئے راحت رساں رہے، ہر ایک کے ساتھ راحت کا معاملہ کرنے کی کوشش کرے اور ان کی طرف سے اگر کوئی تکلیف دہ بات پیش آجائے تو صبر وتحمل سے کام لے۔

یہ تین اہم بنیادیں ہیں حسنِ اخلاق کی، پھر اس کی بہت ساری صورتیں اور شکلیں ہیں جو سب احادیثِ طیبہ کے اندر مذکور ہیں، سیرت کی کتابوں کے اندر جابجا موجود ہیں، بنیادیں اس لئے عرض کردی کہ بنیادوں کو یاد رکھنا آسان ہوتا ہے، ان تین باتوں کو ہم یاد رکھیں تو انشاء اللہ تعالیٰ ان پر عمل کرنا آسان ہوگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاح کرنا

سرکارِ دوعالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہاں مسکرایا کرتے تھے اور مسکرا کر ملتے تھے، وہیں آپ مسکرانے کے ساتھ ساتھ کبھی کبھی اپنے صحابہ کے ساتھ مزاح بھی فرمایا کرتے تھے اور آپ نے مزاح فرما کر یہ بتادیا کہ یہ بھی جائز ہے اور کبھی کبھی یہ مناسب بھی ہے، حالانکہ ایک طرف آپ اللہ جل شانہٗ کے نبی ہیں اور سارے انبیاء کرام علیہم السلام کے سردار ہیں، خاتم النبیین ہیں، وحی کا سلسلہ جاری ہے، اللہ تعالیٰ سے رابطہ ہے، جبرئیل امین آرہے ہیں اور جارہے ہیں، آپ آخرت کے امور کا مشاہدہ کررہے ہیں، کبھی جنت دیکھ رہے ہیں اور کبھی

جہنم دیکھ رہے ہیں، یہ ساری باتیں ایسی ہیں جو آدمی کو مبہوت کر دینے والی ہیں، جس کا براہِ راست اللہ تعالیٰ سے تعلق ہو اس کے اوپر کیسی اللہ تعالیٰ کی ہیبت ہونی چاہئے لیکن ان تمام باتوں کے باوجود آپ کھاتے پیتے بھی تھے، پہنتے اوڑھتے بھی تھے، چلتے پھرتے بھی تھے، بات چیت بھی کرتے تھے، صحابہ کرام کے ساتھ بیٹھتے بھی تھے، ہنستے بھی تھے اور مزاح بھی فرماتے تھے، یہ عجیب وغریب شان تھی سرکارِ دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ثانی نہیں

جیسے اللہ تعالیٰ کا کوئی مثل نہیں ہے اسی طرح سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی کوئی ثانی نہیں ہے، جیسے اللہ پاک بے مثال ہیں اسی طرح انہوں نے اپنے محبوب کو بھی بے مثال ہی بنایا ہے۔ لاہور میں ہمارے ایک بزرگ تھے سید محمد ابراہیم نفیس رحمۃ اللہ علیہ یہ بہت بڑے کاتب بھی تھے اور بہت بڑے شاعر بھی تھے اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق بھی تھے، ان کا کلام چھپ گیا ہے اور ان کی نعتیں عام طور پر دینی رسالوں کے اندر شائع ہوتی رہتی ہیں ہان کی ایک نعت ہے جس کا عنوان ہے ''تجھ سا کوئی نہیں'' یہ ان کی بڑی ہی پیاری نعت ہے، اس کے چند اشعار مجھے یاد آ رہے ہیں ۔

اے رسولِ امیں، خاتم المرسلیں تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں
ہے عقیدہ یہ اپنا بصدق ویقیں تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں
دستِ قدرت نے ایسا بنایا تجھے جملہ اوصاف سے خود سجایا تجھے
سید الاولیں، سید الآخریں تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں
بزمِ کونین پہلے سجائی گئی پھر تیری ذات منظر پہ لائی گئی
اے ازل کے حسیں، اے ابد کے حسیں تجھ سا کوئی نہیں، تجھ سا کوئی نہیں

واقعی آپ کی شان عجیب وغریب ہے، آپ جیسا کوئی اور ہے نہیں، مخلوقات میں اللہ پاک نے آپ کو ایسا بنایا تھا کہ بس آپ اپنی مثال آپ تھے، ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کا سلسلہ جاری تھا اور دوسری طرف صحابہ کرام، ازواجِ مطہرات، بناتِ طاہرات اور اپنے عزیز واقارب کے ساتھ گھلے ملے رہتے تھے اور آپ اپنے صحابہ کرام کے ساتھ کبھی کبھی مزاح بھی فرمایا کرتے تھے، حیرت ہوتی ہے کہ کیسے آپ یہ سب حقوق ادا فرماتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح کا پہلا واقعہ

ایک واقعہ احادیثِ طیبہ کے اندر مذکور ہے اور یہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کا واقعہ ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا ''یا ذاالاذنین'' اے دو کان والے! اس واقعہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ''اے دو کان والے'' کہکر مخاطب فرمایا، حالانکہ ہر شخص کے دو کان ہوتے ہیں، اس طرح آپ نے ان سے مزاح فرمایا اور اس میں کوئی جھوٹ بھی نہیں ہے، اور ''دو کان والے'' کہہ کر یہ بھی فرمادیا کہ تم میری بات توجہ اور غور سے سنتے ہو اور دھیان بہت دیتے ہو۔ اس میں مزاح بھی ہوگیا اور شاباشی بھی ہوگئی اور سچ بھی بول دیا، یہ ہے سرکارِ دوعالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان۔

مزاح کے اندر تین باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے مزاح فرماتے تھے تو حیرت ہوتی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو اللہ کے نبی ہیں، دونوں جہان کے سردار ہیں، آپ ہم سے مزاح بھی فرماتے ہیں، ایک دن میں نے عرض کیا کہ حضور! آپ اللہ کے نبی ہوکر ہم سے مزاح فرماتے

ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں میں مزاح کرتا ہوں مگر مزاح میں بھی حق بات ہی کہتا ہوں۔

اس سے تین باتیں معلوم ہوئیں جو یاد رکھنے کی ہیں تاکہ ایسا نہ ہو کہ ہم مزاح کریں تو بے لگام مزاح کرنا شروع کردیں، بلکہ ہمارا مزاح بھی ہو تو ان حدود کے اندر ہو جو احادیثِ طیبہ سے ثابت ہیں۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ وہ مزاح سچا ہو، جھوٹ نہ ہو، آجکل جھوٹ بول بول کر لوگوں کو ہنسایا جاتا ہے اور لوگوں کے ساتھ مذاق کیا جاتا ہے، اپریل فول تو مشہور ہے کہ بس یکم اپریل کو جھوٹ کی انتہاء ہو جاتی ہے اور اگر کسی کو معلوم نہیں ہے تو وہ ایسے دھوکے میں آجاتا ہے کہ اللہ بچائے، لوگ ایسی ایسی جھوٹی خبریں دے دیتے ہیں کہ اگر ذرا سا بھی آدمی کا دل کمزور ہو تو حرکتِ قلب ہی بند ہو جائے۔ یاد رکھو! مذاق میں بھی جھوٹ بولنا جائز نہیں ہے بلکہ مذاق میں بھی سچ بولنا ضروری ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ مذاق میں کسی پر تہمت اور الزام بھی نہ لگایا جارہا ہو۔ اس سے بچنا بھی ضروری ہے کہ مذاق ہی مذاق میں کسی پر تہمت لگادی کہ تم شرابی ہو یا چور ڈاکو ہو، یہ کوئی مذاق تو نہ ہوا بلکہ یہ تو بدتمیزی اور بدتہذیبی ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ جس کے ساتھ مذاق کیا جائے اس کو ایذاء اور تکلیف بھی نہ پہنچے، یہ بڑی اہم بات ہے کیونکہ عام طور پر مذاق میں اس بات کی پرواہ نہیں کی جاتی کہ جس کے ساتھ ہم مذاق کررہے ہیں کہیں اس کا دل تو نہیں دکھ رہا، خصوصاً جب کہ وہ اپنا ہم عمر ساتھی ہو، کیونکہ اپنے ہم عمر ساتھی سے آدمی زیادہ بے تکلف ہوتا ہے اور بے تکلفی کے اندر اگرچہ اس کو تکلیف بھی ہورہی ہو اور مذاق کرنے والے کو احساس بھی ہو رہا ہو کہ اس کو تکلیف ہورہی ہے، مگر پھر بھی کہتا ہے کہ اپنا دوست ہے تکلیف بھی ہورہی ہے تو کیا ہوا، مذاق ہی تو ہو رہا ہے،

نہیں نہیں، چاہے وہ اپنا ساتھی ہو، بھائی ہو، بہن ہو یا اپنے سے چھوٹا ہو پھر بھی مذاق میں اس بات کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے کہ ہمارے مذاق کرنے کی وجہ سے اس کو ذرہ برابر تکلیف نہ ہو، اس کا دل نہ دکھے، اگر دل دکھا تو یہ مذاق درست نہیں، اس سے بچنے کی ضرورت ہے چنانچہ ایک حدیث میں سرکارِ دوعالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نہ تم آپس میں لڑو، نہ ایک دوسرے سے لڑائی جھگڑا کرو، اس لئے کہ لڑائی جھگڑے میں سوائے نقصان کے اور تکلیف اور ایذاء رسانی کے کیا ہے، اس سے بچو اور تم ایک دوسرے سے مذاق بھی نہ کرو یعنی ایسا مذاق جس میں دل آزاری ہو، دل دکھایا جارہا ہو اور تکلیف دی جارہی ہو، ایسے مذاق سے پرہیز کرو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح کا دوسرا واقعہ

ایک صحابی بڑے مذاقیہ تھے، جب وہ صحابہ کرام کے درمیان بیٹھا کرتے تھے تو وہ ہنسی مذاق کے ذریعہ ان کو ہنسایا کرتے تھے، ایک دن وہ مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم بھی موجود تھے اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بھی تھے اور وہ صحابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی ہنسی مذاق فرمارہے تھے، اس ہنسی مذاق کے دوران سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پہلو میں ایک لکڑی چبھائی جیسے مذاق میں چبھاتے ہیں، اب ایسی بھی نہیں چبھائی کہ ان کو تکلیف ہو لیکن انہوں نے یہ کہدیا کہ حضور! آپ نے تو مجھے مارا ہے لہٰذا بدلہ دیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لے لو، ان صحابی نے عرض کیا کہ حضور! جس وقت آپ نے میرے لکڑی چبھائی تھی اس وقت میرے جسم پر کپڑا نہیں تھا اور آپ کے جسم پر کُرتا ہے، میں اس طرح کیسے بدلہ لے سکتا ہوں، بدلہ تو برابر سرابر ہونا چاہئے، فرمایا کہ میں کُرتا ابھی اٹھا دیتا ہوں، سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا کُرتا مبارک پیچھے سے اٹھایا کہ تم بھی بغیر کپڑے کے میرے پہلو

میں لکڑی چبھالو اور بدلہ لے لو، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے سے کُرتا مبارک اوپر اٹھایا تو مہرِ نبوت ظاہر ہوگئی، بس وہ صحابی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی کمرِ مبارک سے چمٹ گئے اور مہرِ نبوت کا بوسہ لینے لگے اور کہنے لگے کہ حضور! آپ سے کوئی بدلہ تھوڑی لینا تھا بلکہ یہ تو ایک بہانہ تھا آپ کی مہرِ نبوت کو چومنے کا، ویسے تو ہمت نہ ہوتی تھی کہ میں آپ سے کہوں کہ کُرتا اوپر کریں تاکہ میں مہرِ نبوت کو چوم سکوں، بس آج ایک موقع مل گیا اور اس سے میرا مقصد حاصل ہوگیا۔ یہ تھی شان نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور یہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حضور صلی اللہ علیہ وسلم سچے عاشق تھے، صحابہ کرام کی شان یہ تھی کہ۔

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے
یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح کا تیسرا واقعہ

ایک روایت میں لکھا ہے کہ ایک بڑی بی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، ایک روایت میں ہے کہ وہ بڑی بی آپ کی پھوپھی زاد بہن تھیں یا پھوپھی تھیں یا ہوسکتا ہے کہ دو الگ الگ واقعات ہوں، بہر حال! اس بڑی بی نے آکر عرض کیا کہ حضور! دعا فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی جنت میں داخل فرمادیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی بوڑھی جنت میں نہیں جائیگی، ایک روایت میں آتا ہے کہ وہ بڑی بی رو پڑیں کہ ہائے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما رہے ہیں کہ کوئی بوڑھی جنت میں نہیں جائیگی تو پھر میں کیسے جنت میں جاؤں گی، جب وہ رونے لگیں تو آپ نے فرمایا کہ تم نے قرآن شریف نہیں پڑھا، بڑی بی نے کہا کہ ہاں پڑھا ہے، آپ نے فرمایا کہ اس میں یہ آیت

نہیں پڑھی کہ انا انشاھن انشاء ○ فجعلنھن ابکارا ○ یعنی ہم نے جنتی عورتوں کو ایک خاص انداز سے بنایا ہے کہ ہم نے ان کو کنواری بنایا ہے لہٰذا جب وہ جنت میں جائیں گی تو جوان اور کنواری ہو کر جنت میں جائیں گی، بڑھاپے کی حالت میں کوئی نہیں جائیگی، آپ کے فرمانے کا مقصد یہ تھا کہ کوئی بوڑھی بڑھاپے کی حالت میں جنت میں نہیں جائیگی بلکہ جو بھی جنت میں جائیگی وہ جوان ہو کر ہی جائیگی۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ پاک نے جس وقت حضرت آدم علیہ السلام کے جسم کے اندر روح ڈالی تھی تو ان کا جسم ساٹھ ذراع تھا اور ایک ذراع ڈیڑھ فٹ کا ہوتا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس وقت حضرت آدم علیہ السلام کا قد نوے فٹ یعنی تیس گز تھا، پھر اس کے بعد جسم گھٹتے گھٹتے اب چھ فٹ پر آکر ٹھر گیا ہے بلکہ اس سے بھی کچھ نیچے ہی آرہا ہے، کبھی کبھی کسی کا قد چھ فٹ یا اس سے زیادہ کا ہو گیا تو ہو گیا ورنہ عام طور پر آدمی کا قد پانچ اور چھ فٹ کے درمیان درمیان ہے، لیکن جب یہ تمام انسان جنت میں جائیں گے تو تندرست وتوانا ہونگے، نہ بڑھاپا ہوگا اور نہ بیماری ہوگی، نہ غم ہوگا نہ کوئی پریشانی ہوگی، اللہ پاک ہم سب کو جنت الفردوس عطا فرمائے اور دوزخ سے بچائے، اسی لئے آپ نے ان بڑی بی سے فرمایا کہ کوئی بوڑھی عورت جنت میں نہیں جائیگی یعنی جو بوڑھی ہوگی وہ بھی جوان ہو کر جنت میں جائیگی، دیکھئے مذاق بھی ہو گیا اور سچ بھی ہو گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ کا بدلہ دیا کرتے تھے۔

ایک حدیث میں عجیب واقعہ مذکور ہے کہ ایک صحابی تھے ظاہر بن حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ، یہ دیہات میں رہتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے محبت کرتے تھے اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے تھے، ان کا یہ معمول تھا کہ جب یہ دیہات سے مدینہ منورہ شہر میں تشریف لاتے تو دیہات کی جو

چیزیں ہوتی ہیں سبزیاں، ترکاریاں، لوکی، ٹنڈے وغیرہ، یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کرنے کے لئے ساتھ لاتے اور آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر پیش کر دیا کرتے، اس کے بعد اپنے کام کے لئے بازار چلے جاتے، جب یہ اپنے کاموں سے فارغ ہو کر اپنے گاؤں واپس جانا چاہتے تو نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو شہر کی چیزیں بطور ہدیہ عطا فرمایا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ "بھائی ظاہر" ہمارے دیہات ہیں اور ہم ان کے شہری ہیں یعنی جب یہ آتے ہیں تو ہمارے لئے دیہات کی چیزیں لے آتے ہیں جو ہمیں پسند ہیں اور جب یہ مدینہ منورہ سے اپنے گاؤں جاتے ہیں تو ہم شہر کی چیزیں ان کے ساتھ کر دیتے ہیں جو ان کے کام کی ہوتی ہیں۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خاص شان ہے جس کی طرف ہمیں توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ جب آپ کو کوئی شخص ہدیہ دیتا تھا تو آپ اس کا بدلہ دیا کرتے تھے۔

ہدیہ دینے والا کیا نیت کرے؟

جو ہدیہ دینے والا ہے اس کی نیت تو بدلے کی نہیں ہونی چاہئے، وہ تو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہدیہ دے، رسم و رواج کے طور پر نہ دے، دکھاوے کے طور پر نہ دے، نام و نمود کے لئے نہ دے، بلکہ جس کو ہدیہ دیا جا رہا ہے، اس کے اکرام اور محبت کی خاطر ہدیہ دینے کی نیت ہو، ہدیہ دینے میں یہ نیت ہونی چاہئے کہ میں ہدیہ اس لئے دے رہا ہوں کہ اس کے دل میں میری محبت پیدا ہو، اس کی محبت میرے دل میں پیدا ہو اور دوسرے کی عزت افزائی کے لئے ہدیہ دے۔ یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ بعض لوگ ضرورت پوری کرنے کے لئے ہدیہ دیتے ہیں، کسی شخص کو دیکھا کہ وہ بے چارہ بڑا محتاج ہے، ضرورت مند ہے تو چلو اس کو کچھ ہدیہ دیدیتے ہیں جیسے عام طور پر بعض لوگ بزرگوں کو ہدیہ اس لئے دیتے ہیں کہ ان کا ذریعۂ معاش تو کچھ ہے نہیں، لاؤ انہیں کچھ ہدیہ ہی دیدو، کوئی

عالم ہے، کوئی امام ہے، کوئی خطیب ہے، کوئی مؤذن ہے، تو عام طور پر لوگ ان کو پیسے یا کوئی ہدیہ اس لئے دیتے ہیں تاکہ ان کی ضروریات پوری ہو جائیں، یہ ہدیہ کی روح کے خلاف ہے۔

صدقہ اور ہدیہ میں فرق

صدقہ اور ہدیہ میں یہی فرق ہے، صدقہ جو دیا جاتا ہے وہ کسی کی حاجت کو پورا کرنے کے لئے دیا جاتا ہے اور ہدیہ کسی کی عزت، اس کے اکرام واحترام اور محبت کی خاطر دیا جاتا ہے، چاہے اس کو ضرورت ہو یا نہ ہو، تو دینے والے کا تو یہ ادب ہے کہ وہ دوسرے کی عزت کے پیشِ نظر، اس کے احترام کے پیشِ نظر، اس کا اکرام کرتے ہوئے اور اس کی محبت کی خاطر اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے دے۔

ہدیہ لینے والے کے لئے ادب

لیکن لینے والے کا ادب یہ ہے کہ جب وہ ہدیہ لے تو اسی وقت یا بعد میں اس کا بدلہ دیدے، کم سے کم بدلہ تو یہ ہے کہ ''جزاك الله'' ہی کہدے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی بہتر سے بہتر جزا عطا فرمائے، آپ نے بڑا ہی اچھا ہدیہ دیا، چاہے اردو میں کہدے کہ آپ کا بہت بہت شکریہ، آپ نے بہت اچھی چیز دی، بڑی پسند آئی اور بہتر یہ ہے کہ ہدیہ لینے والا کبھی کبھی ہدیہ دینے والے کو کچھ ہدیہ دیا کرے، چاہے اس کے ہدیہ سے کمتر ہی کیوں نہ ہو، برابر سرابر ہونا ضروری نہیں، ایسا نہ ہو کہ ایک ہی آدمی دیتا رہے اور دوسرا کچھ بھی نہ دے، تو یہ یکطرفہ ہدیہ صحیح نہیں ہے، دونوں طرف سے ہونا چاہئے۔

سرکارِ دوعالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان یہ تھی کہ آپ جب ہدیہ لیتے تھے تو بدلہ بھی دیا کرتے تھے، اکثر آپ کا معمول مبارک یہی تھا اور یہ سنت

ہے، ہمیں اس سنت کو یاد رکھنا چاہئے، اس لئے حضرت ظاہر رضی اللہ عنہ جب اپنے دیہات سے ہدیہ لاتے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بدلہ میں شہر کی چیزیں ان کے واسطہ مہیا فرمادیا کرتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح کا چوتھا واقعہ

حضرت ظاہر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ظاہری طور پر کالے رنگ کے تھے اور شکل وصورت بھی کوئی خاص نہ تھی، ایک دن یہ بازار کے اندر دیہات کا مال جو لائے تھے وہ بیچ رہے تھے، نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کسی کام سے بازار پہنچے تو دیکھا کہ حضرت ظاہر کھڑے ہوئے اپنا مال بیچ رہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے سے جا کر ان کی آنکھوں پر ہاتھ رکھدیے، اب یہ بے چین ہوگئے اور کہنے لگے کہ کون ہے؟ چھوڑو بھائی مجھے چھوڑو اور آپ یہ اعلان فرمانے لگے کہ اس غلام کو کوئی خریدنے والا ہے؟ جب حضرت ظاہر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معلوم ہوگیا کہ یہ تو نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، بس پھر تو یہ اپنی کمر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شکم اور سینۂ مبارک سے چپکانے لگے تاکہ اور زیادہ میرا جسم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم سے مل جائے اور اس میں برکت منتقل ہوجائے، چونکہ یہ کالے کلوٹے تھے، اس لئے انہوں نے کہا کہ حضور! میری کہاں آپ بولی لگا رہے ہیں، اگر آپ میرے نرخ معلوم کریں گے تو میں کھوٹا نکلوں گا، آپ نے فرمایا کہ دنیا کی نظروں میں تم کھوٹے ہو لیکن اللہ کے ہاں قیمتی ہو۔ دیکھیں کیسا پیارا مذاق ہے کہ دعا بھی دیدی اور دوا بھی دیدی اور مذاق بھی فرمالیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح کا پانچواں واقعہ

ایسے ہی ایک صحابی بڑے بھولے بھالے تھے اور بھولے بھالے لوگوں

کے ساتھ ذرا مذاق میں بھی مزہ آتا ہے، وہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ! مجھے سواری دید یجئے میرے پاس کوئی سواری نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو اونٹنی کا بچہ دیدو، انہوں نے عرض کیا کہ حضورا میں اونٹنی کے بچے پر کیسے بیٹھوں گا، میں تو آپ سے سواری کی درخواست کر رہا ہوں کہ ایک سواری آپ مجھے عطا فرما دیجئے اور آپ مجھے اونٹنی کا بچہ دے رہے ہیں، وہ بچہ مجھے لے کر جائیگا یا میں بچے کو لے کر جاؤنگا، آپ نے فرمایا کہ کیا اونٹ اونٹنی کا بچہ نہیں ہوتا، کیا کبھی بغیر اونٹنی کے بھی اونٹ ہوتا ہے، دیکھئے آپ نے مذاق بھی فرمالیا اور حقیقت بھی بیان فرمادی اور اس کی درخواست بھی پوری فرمادی۔

ان سارے واقعات سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مزاح فرمایا کرتے تھے، اس لئے کوئی آدمی چاہے کتنا ہی بڑا ہوجائے اس کو مزاح کرلینا چاہئے اور کچھ نہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں ہی کرلینا چاہئے لیکن ہر دم اور ہر وقت نہیں بلکہ کبھی کبھی، اس لئے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تیئیس (۲۳) سالہ دور کے واقعات ہیں اور یہ چند ہی ہیں، البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبعیت بڑی شگفتہ تھی، آپ جب کسی سے ملتے تھے تو خندہ پیشانی کے ساتھ ملتے تھے، یہ کیفیت ہمیں دائما رکھنی چاہئے کہ ہم آپس میں جب ملے جلیں، ملاقات کریں، کسی کے پاس آئیں جائیں تو سلام کرنے میں پہل کرنے کی عادت ڈالیں نہ کہ دوسرے سے سلام چاہنے کی عادت ہو اور مسکرا کر خندہ پیشانی کے ساتھ ملنے کی عادت ڈالیں اور کبھی کہیں مذاق کا موقع ہوگیا تو ان حدود کے ساتھ جو میں نے ابھی عرض کی ہیں مذاق کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، اللہ پاک نے ہمارے دین کو دینِ فطرت بنایا ہے، اس میں جتنے بھی انسان کے فطری تقاضے ہیں وہ سارے محفوظ ہیں اور سب سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا کر

دکھائے ہیں، کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں قرآن وحدیث سے فطرت کا یہ تقاضہ کس طرح سمجھوں؟ کیونکہ قرآن شریف میں اس کا حکم موجود ہے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں اس کا عملی نمونہ موجود ہے، بس پڑھو اور اس پر عمل کرو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بچوں پر شفقت

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی بیان کرتے ہیں کہ ان کے ایک بھائی تھے ان کا نام ''کبشہ'' تھا، انہوں نے ایک پرندہ پال رکھا تھا جو چڑیا کے برابر تھا، چونچ اس کی لال رنگ کی تھی جس کو اردو میں لال بھی کہتے ہیں اور اہلِ عرب کے ہاں اس کو بلبل کہتے ہیں، ہم بھی اسے بلبل کہہ سکتے ہیں لیکن بلبل ہمارے ہاں جس پرندہ کو کہتے ہیں وہ چڑیا سے بڑا ہوتا ہے جبکہ لال چڑیا کے لگ بھگ ہی ہوتا ہے، جیسے آجکل بچے چوزوں سے کھیلتے ہیں اسی طرح حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چھوٹے بھائی نے یہ ایک پرندہ پالا ہوا تھا اور اس سے کھیلتے تھے، وہ پرندہ کہیں مر گیا تو یہ بڑے افسردہ اور رنجیدہ بیٹھے ہوئے تھے، اسی دوران نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو فرمایا کہ ''یا ابا عمیر ما فعل النغیر'' اے ابوعمیر! نغیر کا کیا ہوا، اس پرندہ کو نغیر کہتے ہیں۔ اس واقعہ میں یہ دیکھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت انس رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بھائی کے ساتھ کس طرح شفقت سے پیش آئے اور اس سے فرمایا کہ تمہارا بلبل کہاں گیا، تمہارے پاس نظر نہیں آرہا، تم تو اس سے کھیلا کرتے تھے۔ بچوں پر شفقت اور پیار یہ بھی نبی اکرم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک شان تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے ساتھ عبدیت کو قبول کیا

ایک روایت میں آتا ہے کہ اللہ پاک نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو صورتیں پیش کیں کہ یا تو آپ نبی ہونے کے ساتھ بادشاہ ہونا قبول

فرمالیں کہ شانِ نبوت کے ساتھ ساتھ بادشاہت بھی ہم آپ کو عطا فرمادیں اور دوسری صورت یہ ہے کہ ہم آپ کو نبوت کے ساتھ عبدیت عطا فرمادیں۔ عبدیت کے معنی عاجزی، خاکساری، انکساری، تواضع، فنائیت کے آتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے ان دوصورتوں میں سے ایک صورت قبول کرنے کا اختیار ملا تو میں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرف مشورہ لینے کی غرض سے دیکھا تو انہوں نے زمین کی طرف اشارہ کیا، زمین سے مراد ہے خاکساری، عاجزی، انکساری، تواضع، مطلب یہ تھا کہ آپ نبوت کے ساتھ عبدیت کو قبول فرمالیں، یہ بہتر ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا منشاء جانتے تھے اس لئے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ مشورہ دیا جو عین اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بادشاہ تو تھے لیکن بادشاہت کی کوئی شان آپ کے اندر نہیں تھی، عبدیت کی شان آپ کے اوپر غالب تھی، اس کے نتیجے میں اللہ پاک نے آپ کو اتنا اونچا مقام عطا فرمایا کہ اللہ پاک آپ کو ساتوں آسمان پر لے گئے، آسمانوں کے اوپر عرشِ الٰہی پر لے گئے، اس سے اوپر عرش وکرسی کی سیر کرائی، جنت وجہنم کی سیر کرائی اور پھر اپنی بارگاہ عالی میں آپ کو حاضر فرمایا اور آپ کو ہمکلام ہونے کا شرف عطا فرمایا۔

امتی بھی اپنے اندر عبدیت پیدا کریں

اس میں ہم سب کے لئے یہ سبق ہے کہ ہم بھی اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں اپنے آپ کو سب سے زیادہ مٹانے کی کوشش کریں، جتنا ہم اپنے اندر عبدیت اور بندگی کو جگہ دیں گے، خاکساری اور عاجزی کو جگہ دیں گے، تواضع اور فنائیت کو جگہ دیں گے، انشاء اللہ تعالیٰ اتنا ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارا درجہ بڑھتا چلا جائیگا۔

عبدیت کی حقیقت

عبدیت اس کا نام ہے کہ آدمی اپنے دل میں اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھے، یہ سمجھے کہ میں کچھ نہیں ہوں بس سب کچھ اللہ پاک ہیں، میں بالکل بے حقیقت ہوں، ذرۂ بے مقدار ہوں، لاشئ محض ہوں، پس جتنا جو شخص اپنے دل میں اپنے آپ کو کچھ نہیں سمجھے گا اور جس قدر اس کی یہ عادت پختہ ہوگی بس ویسے ویسے اس کے اندر عبدیت، فنائیت، عاجزی اور انکساری بڑھتی چلی جائیگی اور جوں جوں اس کے اندر عبدیت بڑھتی چلی جائیگی اس کا اللہ تعالیٰ کے ہاں درجہ بڑھتا چلا جائیگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حلم وبردباری کا پہلا واقعہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور خادم حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بچپن میں دس سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں نرینہ اولاد نہیں تھی، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ نے ان کو آپ کے پاس پیش کر دیا کہ حضور! یہ میرے بیٹے انس آپ کی خدمت کے لئے حاضر ہیں، انشاء اللہ تعالیٰ یہ آپ کی خدمت کریں گے اور ستائیں گے نہیں، آپ نے قبول فرمالیا اور ان کو اپنے گھر میں رکھ لیا، دس سال تک یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ دس سال کے عرصہ میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کبھی مجھے مارا، نہ ڈانٹا، نہ کبھی تنبیہ فرمائی، نہ کبھی یہ فرمایا کہ انس! تم نے یہ کام کیوں کیا اور یہ کیوں نہیں کیا؟ دس سال کبھی یہ نہیں فرمایا۔ اس قدر عظیم آپ کا حلم وبردباری ہے اور تحمل کی شان ہے، اللہ پاک ہمیں بھی اس کا ذرہ نصیب فرمائے، حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حلم وبردباری کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں

کہ مجھے ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کام کے لئے بھیجا اور میرا ارادہ کچھ کرنے کا نہیں تھا لیکن میں چل دیا، راستہ میں دیکھا کہ ایک جگہ بچے اخروٹ سے کھیل رہے ہیں، میں وہیں کھیل دیکھنے کے لئے کھڑا ہوگیا، بچوں کا معاملہ تو ایسا ہی ہوتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرا انتظار کررہے تھے کہ میں واپس پہنچوں تو پتہ چلے کہ کام ہوا کہ نہیں، جب دیکھا کہ کافی دیر گزر گئی تو خود سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم میری تلاش میں باہر تشریف لائے اور چلتے چلتے وہاں تک آگئے جہاں میں کھڑا ہوا کھیل دیکھ رہا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ مجھے ڈانٹا، نہ تنبیہ کی اور فرمایا کہ اے انس! تم اس کام کے لئے گئے نہیں؟ میں نے کہا کہ حضور! میں ابھی جارہا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حلم دیکھیں کہ یہ موقع غصہ کا تھا کہ پہلے بھیجا، پھر انتظار کیا، اس کے بعد بھی جب وہ واپس نہ آئے تو خود تلاش کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔ ایسے موقع پر باپ بھی اگر ہوتا تو تھپڑ ماردیتا لیکن تھپڑ مارنا تو دور کی بات ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو غصہ کا اظہار تک نہیں فرمایا اور نہایت شفقت سے فرمایا کہ اے انس! تم گئے نہیں؟ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم دیدی کہ ہر موقع پر غصہ نہیں کرنا چاہئے، جہاں غصہ کا موقع ہو اور جتنے غصہ کی ضرورت ہو، اتنا ہی غصہ کرنا چاہئے، بے جا اور بے موقع غصہ نہیں کرنا چاہئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حلم وبردباری کا دوسرا واقعہ

ایک اور عجیب وغریب واقعہ حدیث کے اندر موجود ہے کہ ایک مرتبہ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی صاحبزادی حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لائے اور ایسے موقع پر تشریف لائے کہ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ خفا تھیں اور اس خفگی کے اندر کچھ آواز بھی تیز تیز نکل رہی ہے، اب میاں بیوی کا تعلق تو بے تکلفی کا ہوتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ایسی تھی کہ آپ سے بڑھ کر کوئی حلیم اور

بردبار تھا ہی نہیں، آپ اپنے گھر والوں کی بھی ناز برداریاں فرماتے تھے اور ان کی بعض باتیں جو کہ ناراضگی اور غصہ کی ہوتی تھیں وہ بھی خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرتے تھے، آپ تو دشمنوں کی ایذاؤں کو برداشت کرتے تھے یہ تو پھر اپنے گھر والے تھے، اللہ پاک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ ہمیں بھی یہ تمام اخلاقِ حسنہ عطا فرمائیں، بہرحال احضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ خفا تھیں اور اس خفگی کے اندر کچھ تیز تیز بول رہی تھیں، اسی دوران حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر میں داخل ہوئے اور انہوں نے بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تیز تیز آواز سن لی تو ایک دم غصہ ہو گئے اور ناراض ہو کر اپنی بیٹی کے چہرے پر چانٹا مارنے کے لئے آگے بڑھے اور اس وقت تک چہرے پر مارنے کی ممانعت نہیں آئی تھی، اس لئے کسی کو یہ اشکال نہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو چہرے پر مارنے سے منع فرمایا ہے اور صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چہرے پر مارنے کے لئے کیوں بڑھے، میں نے عرض کر دیا کہ یہ ممانعت سے پہلے کا واقعہ ہے، تو غصہ میں حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو چانٹا مارنے کے لئے آگے بڑھے اور کہنے لگے کہ تم سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی تیز آواز میں باتیں کر رہی ہو، یہ کیا حرکت ہے، جیسے ہی مارنے کے لئے آگے بڑھے تو فوراً سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بیچ میں آ گئے اور بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بچا لیا، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیچ میں آ گئے تو ظاہر ہے کہ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کس طرح مارنے کے لئے آگے بڑھ سکتے تھے، بس غصہ کی حالت میں ہی گھر سے نکل گئے، جیسے ہی حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر سے باہر نکلے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکرا کر بی بی عائشہ کی طرف دیکھا اور فرمایا دیکھو! کیسے بچایا تم کو، اگر میں بیچ میں نہ آتا تو چانٹا پڑ جاتا، چودہ طبق روشن ہو جاتے لیکن دیکھو میں نے تم کو کیسے

بچایا۔

اس واقعہ کے کچھ دن کے بعد دوبارہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے تو مصالحت ہو چکی تھی، ناراضگی اور خفگی ختم ہو چکی تھی، تشریف لانے کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ جس طرح آپ حضرات نے اپنی ناراضگی میں مجھ کو شامل کیا تو اسی طرح مجھے اپنی صلح صفائی میں بھی شامل کر لیجئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جیسے ناراضگی میں تم کو شامل کیا تھا، آج ہم نے آپس کی مصالحت میں بھی تم کو شامل کر لیا۔

یہ حسنِ اخلاق ہے جو بہت بڑی دولت ہے جس میں ایک شان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ مزاح ہے جو آپ کے سامنے عرض کر دی، قیامت کے دن میزانِ عمل کے اندر جس عمل کا سب سے زیادہ وزن ہوگا وہ حسنِ اخلاق کا ہوگا، حسنِ اخلاق کی ہمارے اندر بہت ہی زیادہ کمی ہے، ہمارے اندر بس رسم ورواج، دکھاوا اور فیشن ہی فیشن ہے اور اتنا ہے کہ الامان والحفیظ اور حقیقت میں حسنِ اخلاق جس چیز کا نام ہے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس میں بدرجۂ اتم موجود ہے لیکن ہمارے اندر کچھ بھی موجود نہیں اور اسی کی پیدا کرنے کی ضرورت ہے اور یہ اللہ والوں کی خدمت اور صحبت سے پیدا ہوتا ہے۔

حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے ہیں اور یہ علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردِ خاص ہیں جو مشہور مؤرخ اور سیرت نگار گزرے ہیں، سیرت النبی ان کی مشہور ومعروف کتاب ہے جس کو انہوں نے لکھوانا شروع کیا تھا مگر تکمیل سے پہلے ہی ان کا انتقال ہو گیا، پھر اس کو پایۂ تکمیل تک حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے پہنچایا ہے، یہ ضخیم اور موٹی موٹی پانچ جلدیں ہیں اور بڑے سائز میں ہیں،

سیرت کے موضوع پر نہایت جامع، کامل اور مکمل کتاب ہے، حضرت سید صاحب فرماتے ہیں کہ جب میں نے اپنے استاد کی یہ کتاب مکمل کر دی تو مجھے خیال آیا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر اتنی موٹی کتاب تو پوری کر دی لیکن اس میں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت موجود اور مذکور ہے اس کی کوئی جھلک میرے اندر نہیں ہے، یہ احساس اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہی عطا فرمادیں، سید صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے یہ احساس ہوا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر اپنے استاد کی یہ مایہ ناز کتاب اور جامع ترین کتاب تو مکمل کر دی لیکن اس میں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات، اطوار، خصائل، محاسن، کمالات اور اخلاق ہیں ان میں سے کوئی بھی میرے اندر نہیں ہے تو اس کتاب کو مکمل کرنے کا فائدہ کیا ہوا ؟ کم از کم کوئی تو جھلک میرے اندر ہونی چاہئے تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ حلم ہوتی، جود وسخا ہوتی، علم وفضل ہوتا، غرض کچھ تو ہوتا مگر میرے اندر تو کچھ بھی نہیں، اب یہ فکر پیدا ہوئی کہ یہ محاسن میرے اندر کیسے آجائیں؟ کیونکہ صرف کتاب لکھنے سے تو کتاب اندر نہیں آتی، اندر لانے کا نسخہ الگ ہے، تو اس کی فکر ہوئی کہ یہ محاسن کیسے پیدا ہوں؟ تو کسی نے بتادیا کہ تھانہ بھون میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے پاس جاؤ، ان کی خدمت میں رہو تو تمہارے اندر یہ سیرت اور محاسن پیدا ہوجائیں گے، اس لئے کہ اس کا تعلق تزکیۂ باطن سے ہے، اصلاح وتربیت سے ہے، جب باطن سنورے گا تو بداخلاقیاں دور ہونگی اور حسنِ اخلاق پیدا ہونگے، یہ سن کر حضرت سید صاحب سیدھے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچ گئے اور غالباً تین دن کے لئے وہاں قیام فرمایا اور تین دن تک ان کو یہ ہدایت تھی کہ بس حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی باتیں سنو اور بولو مت بلکہ بالکل خاموش رہو، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ وعظ بھی کہتے تھے، ملفوظات بھی ہوتے تھے، مجلسِ عام

بھی ہوتی تھی، مجلسِ خاص بھی ہوتی تھی، حضرت سید صاحب ان سب میں شریک ہوتے رہے اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی باتیں سنتے رہے اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے آنے جانے اور معمولات پر پابندی کو دیکھتے رہے، تیسرے دن کسی نے دیکھا کہ سید صاحب خانقاہ کی چوکھٹ پکڑ کر زاروقطار رورہے ہیں، کسی نے پوچھا کہ سید صاحب آپ کیوں رورہے ہیں؟ فرمایا کہ یہاں آکر پتا چلا کہ جن چیزوں کو ہم علم سمجھتے تھے وہ تو یہاں جہل ثابت ہوا، علم تو ان بڑے میاں کے پاس ہے، بس پھر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہے اور ان کی خدمت میں رہ کر اپنا تزکیہ کرایا، اپنی اصلاح کرائی، پھر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے ان کو اجازتِ بیعت بھی ملی، اس طرح سے ان کی خدمت وصحبت میں رہنے سے ان کے باطن کا تزکیہ ہوا، باطن کی بداخلاقیاں نکلیں اور اس کی جگہ اچھے اچھے اخلاق پیدا ہوئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق واطوار دین ہے

حقیقت یہ ہے کہ یہ سیرت کی باتیں سننا بھی مفید ونافع ہیں اور اس سے بھی بہت ساری باتوں کا پتا چلتا ہے لیکن حقیقت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق واطوار، آپ کے خصائل اور محاسن، یہ سب دین ہے اور دین نام ہے عمل کا اور عمل آتا ہے اہلِ عمل کی صحبت سے، اہلِ تقویٰ کی صحبت سے، جب کسی اللہ والے کی صحبت میں آدمی رہتا ہے تو پھر اس کے دل میں تقویٰ پیدا ہوتا ہے، عمل پیدا ہوتا ہے، اچھے اچھے اخلاق پیدا ہوتے ہیں، بداخلاقیاں نکلتی ہیں ورنہ کسی اللہ والے کی مخلصانہ صحبت کے بغیر صرف کتابیں پڑھنے سے عمل نہیں آتا، نہ تقویٰ پیدا ہوتا ہے، نہ اچھے اچھے اخلاق پیدا ہوتے ہیں اور نہ بداخلاقیاں نکلتی ہیں۔

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا

دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

مدینہ کی تعریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف ہے

ایک مرتبہ ایک خط میں حضرت والد مولانا مفتی عبد الحکیم صاحب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے چند اشعار بدینہ منورہ کی یاد میں تحریر فرمائے ہیں، وہ یاد آرہے ہیں، وہ سنادیتا ہوں

یہی ہے تمنا یہی آرزو ہے
یہی تو سنانے کو جی چاہتا ہے

مدینے کو جاؤں پلٹ کر نہ آؤں
یہیں گھر بنانے کو جی چاہتا ہے

سلام علیک نبی مکرم
سلام علیک نبی معظم

خدا کی قسم تیرے روضے پہ آکر
یہ ہر دم سنانے کو جی چاہتا ہے

سیاہ کاریوں کی فراوانیاں ہیں
پریشانیاں ہی پریشانیاں ہیں

جبیں تیرے قدموں میں ایک روز رکھ کر
گناہ بخشوانے کو جی چاہتا ہے

مدینہ منورہ کی یاد بھی دراصل سرکارِ دوعالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد ہے، مدینہ کی تعریف بھی دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف ہے کیونکہ وہاں دونوں جہان کے سردار جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

آرام فرما ہیں اور وہ آپ کا محبوب اور پسندیدہ شہر ہے جس کے ساتھ آپ کی دعائیں وابستہ ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں بار بار وہاں کی حاضری نصیب فرمائے۔

نیز والد صاحب اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

مدینے جاؤں پھر آؤں مدینے پھر جاؤں
الٰہی عمر اسی میں تمام ہو جائے

واقعی والد صاحب کی عمر اسی میں تمام ہو گئی، ماشاء اللہ ہر سال حج کے لئے بھی جاتے تھے اور وقتاً فوقتاً عمرے کے لئے بھی جاتے رہتے تھے، اخیر میں عمرے کے لئے تشریف لے گئے، نیت یہ تھی کہ شاید مدینے پاک میں مرنا اور دفن ہونا نصیب ہو جائے لیکن وہ مقدر میں نہ تھا، بہر حال کراچی میں انتقال ہوا اور دنیا سے تشریف لے گئے۔

مدینہ جانے کو دل تڑپتا ہے

حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم کی بھی ایک رباعی یاد آ گئی، وہ بھی سن لیجئے۔

دل تڑپتا ہے میرا سینے میں
ہائے پہنچونگا کب مدینے میں
یہ بھی کوئی جینا ہے جینے میں
جس کا دل نہ ہو مدینے میں

غمِ مصطفیٰ والا مدینہ میں ہے

ایک شعر اور یاد آ گیا وہ بھی سنا دیتا ہوں، وہ بھی عجیب وغریب ہے۔

غمِ مصطفیٰ جس کے سینے میں ہے

جہاں بھی رہے وہ مدینے میں ہے

غمِ مصطفیٰ سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا غم، درد اور فکر ہے کہ بس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل پیرا ہو جاؤں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق، اعمال، عادات واطوار کا عامل بن جاؤں اور ان کو اپنی عادت بنالوں، یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا درد اور غم، جن کے دل میں یہ درد وغم ہے وہ مدینے میں ہے چاہے کہیں بھی رہے، انشاء اللہ وہاں جائیگا، چاہے زندگی میں جائے یا مرکر جائے لیکن یہ وہاں جائیگا۔

سنتوں پر عمل کرنے والا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہے

آخر میں اپنے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کشف سنا کر کے پھر میں دعا کرتا ہوں، وہ بھی اس شعر کے مناسب ہے، ہمارے حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر سلام پیش کرنے کے لئے جاتے تھے تو جالیوں کے قریب نہیں جاتے تھے، فرماتے تھے کہ ہمت نہیں ہوتی، کس منہ سے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جاکر کھڑا ہوں اور صلوٰۃ وسلام پیش کروں اور جو لوگ جالیوں کے قریب کھڑے ہوکر صلوٰۃ وسلام پیش کررہے ہوتے تھے تو ان کے اوپر رشک فرماتے تھے کہ یہ ماشاء اللہ کیسے حوصلے والے ہیں کہ بالکل قریب چلے جاتے ہیں اور جالیوں کے قریب کھڑے ہوکر صلوٰۃ وسلام پیش کرلیتے ہیں، ایک میں ہوں کہ میرے اندر تو ہمت ہی نہیں ہوتی کہ میں جالیوں کے قریب جاکر کے مواجہ شریف میں سلام پیش کروں، اس لئے جالیوں سے دور جو دو ستون ہیں، ان کے قریب کھڑے ہوکر آپ صلوٰۃ وسلام پیش فرمایا کرتے تھے، یہ حضرت کی بڑی اونچی کیفیت تھی، ایک مرتبہ اسی

کیفیت میں تھے کہ میں اس قابل کہاں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جاؤں اور جا کر صلوٰۃ وسلام پیش کروں کہ حضرت کو ایسا کشف ہوا کہ جیسے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف متوجہ ہیں اور فرما رہے ہیں کہ محمد شفیع لوگوں سے کہہ دو کہ جو میری سنتوں پر عمل کرنے والے ہیں وہ میری جالیوں سے ہزاروں میل دور ہونے کے باوجود میری جالیوں سے زیادہ میرے قریب ہیں اور جو میری سنتوں پر عمل نہیں کرتے وہ میری جالیوں پر آنے کے باوجود مجھ سے ہزاروں میل دور ہیں او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم، لہٰذا جو شخص سنتوں پر عمل پیرا ہے وہ ہر وقت مدینہ میں ہے اور اگر سنتوں پر نہیں چل رہا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر عمل پیرا نہیں ہے تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضے پر کھڑے ہو کر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہے، اصل چیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین